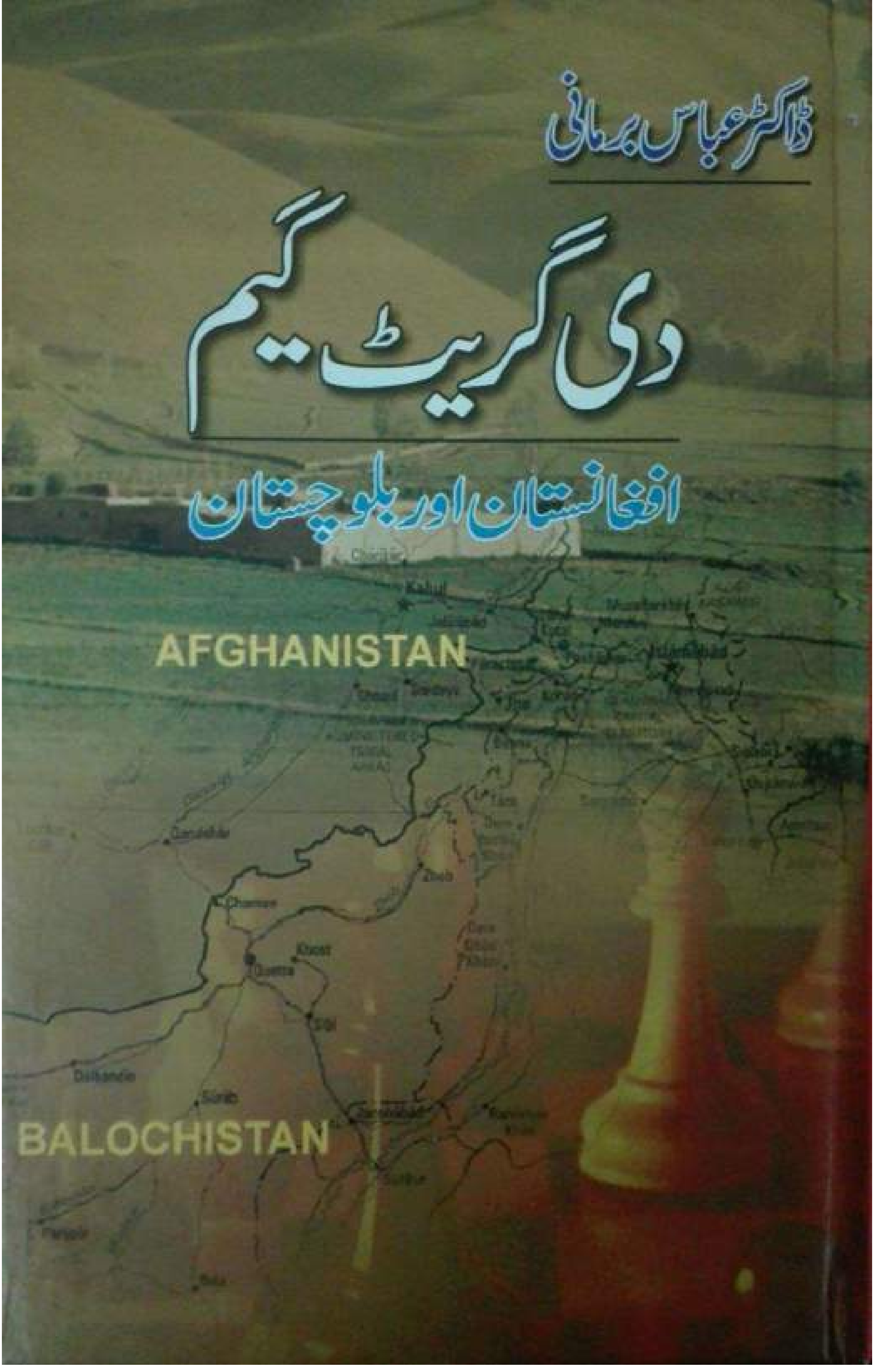

Scanned by CamScanner

دی گریٹ گیم

افغانستان اور بلوچستان

ڈاکٹر عباس برمانی

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

Scanned by CamScanner

958.1 Barmani, Dr. Abbas
The Great Game : Afghanistan Aur Balochistan/ Dr. Abbas Barmani.- Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2008.
232pp.
1. History - Afghanistan - Balochistan. I. Title.

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ سنگ میل پبلی کیشنز/مصنف سے باقاعدہ تحریری اجازت کے بغیر کہیں بھی شائع نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اس قسم کی کوئی بھی صورتحال ظہور پذیر ہوتی ہے تو قانونی کارروائی کا حق محفوظ ہے۔

2008
نیاز احمد نے
سنگ میل پبلی کیشنز لاہور
سے شائع کی۔

ISBN-10: 969-35-2186-2
ISBN-13: 978-969-35-2186-3

Sang-e-Meel Publications
25 Shahrah-e-Pakistan (Lower Mall), Lahore-54000 PAKISTAN
Phones: 7220100-7228143 Fax: 7245101
http://www.sang-e-meel.com e-mail: smp@sang-e-meel.com

حاجی حنیف اینڈ سنز پرنٹرز لاہور

Scanned by CamScanner

میر محراب خان شہید کے نام

Scanned by CamScanner

فہرست

1- گریٹ گیم.....آج اور کل 7

2- گریٹ گیم چند بڑے کھلاڑی 12

لارڈ ولیم بنگ.....روس فوبیا 12

سر چارلس مٹکاف.....غیر اخلاقی ہتھکنڈوں کے مخالف 14

لارڈ کرزن.....مہم جو اور قوم پرست وائسرائے 17

کیپٹن آرتھر کنولی.....لفظ گریٹ گیم کا خالق 20

ولیم مور کرافٹ.....گھوڑوں کا سوداگر اور مشنری 29

سر الیگزینڈر برنس.....بخارا برنس، سکندر غریب نواز 44

منشی موہن لال کشمیری.....آغا حسن جان 56

فرانسس ینگ ہسبنڈ.....تبت کی مہم 79

3- گریٹ گیم سندھ اور پنجاب 84

چارلس نیپئر اور سقوطِ سندھ 85

پنجاب اور گریٹ گیم 89

4- گریٹ گیم گریٹ وار میں بدلتی ہے 93

Scanned by CamScanner

5- گریٹ گیم اور افغانستان	96
پہلی افغان جنگ 1839ء	96
دوسری اور تیسری افغان جنگیں	123
6- گریٹ گیم اور بلوچستان	133
انیسویں صدی کا بلوچستان.....ایک طائرانہ جائزہ	133
مہماتِ قلات.....میر محراب خان کی شہادت	138
فارورڈ پالیسی.....رابرٹ سنڈیمن/رچرڈ آئزک بروس	146
ہنری پوٹنگر اور بلوچستان کی مہم.....فرانسیسی خطرے کا سدباب	155
کاہان کا دفاع 1840ء مری مزاحمت	181
جرمن ہیولوں کے خلاف مہم.....بریگیڈیٹر جنرل ڈائر اور سرحدی بلوچ	194
7- کتابیات	231

Scanned by CamScanner

گریٹ گیم... آج اور کل

5 جولائی 2005ء کو شنگھائی کوآپریشن آرگنائزیشن SCO نے جس کے ارکان میں روس، چین، قازقستان، ازبکستان، کرغزستان اور تاجکستان شامل ہیں، امریکہ سے مطالبہ کیا کہ وہ اس خطے سے اپنی فوجیں نکال لے۔ اس سے محض تین روز قبل چین اور روس کے سربراہوں نے ایک مشترکہ بیان میں کہا تھا کہ بین الاقوامی برادری کو عالمی معاملات پر تسلط حاصل کرنے کے لیے محاذ آرائی اور گروہ بندی کی ذہنیت کی مذمت کرنی چاہیے۔

1991ء میں سوویت یونین کے ٹوٹنے کے بعد دنیا کی واحد سپر پاور امریکہ نے وسطی ایشیا میں اپنے اثرات بڑھانے کے اقدامات شروع کیے۔ اس کی وجہ خطے کی تذویراتی اہمیت کے علاوہ یہاں موجود پٹرولیم کے بے پناہ ذخائر ہیں۔ اس خطے کو اپنے زیرِ تسلط لاکر امریکہ پٹرولیم کے ذخائر پر قبضہ کرنے کے علاوہ اُبھرتی ہوئی طاقت چین کو گھیرے میں لے سکتا ہے اور روس کی طرف سے دوبارہ سپر پاور بننے کی کوششوں کو بھی ناکام بنا سکتا ہے۔

2001ء میں امریکہ اور ناٹو کی افواج نے افغانستان کی طالبان حکومت کا تختہ اُلٹنے کے لیے اپنا آپریشن شروع کیا تو اس نے کرغزستان اور ازبکستان میں اڈے حاصل کیے۔ اگرچہ یہ سہولتیں محدود عرصے کے لیے ڈالرز کے عوض حاصل کی گئی تھیں لیکن امریکہ نے اپنی روایت کے مطابق خطے کی سیاست میں مداخلت شروع کردی۔ ازبکستان، کرغزستان اور جارجیا میں حکمرانوں کے خلاف اُبھرنے والی تحریکوں اور امریکہ کی طرف سے ان کی حمایت پر وسط ایشیائی ممالک کی دولت مشترکہ نے امریکہ کے خلاف سخت ردِعمل کا اظہار کیا۔ انہوں نے امریکہ سے اڈے خالی کرنے کا مطالبہ کیا۔ ازبک پارلیمنٹ نے تو امریکہ کو 180 دن کا نوٹس بھی دے دیا۔ روس اور چین نے جو خطے میں بڑھتے ہوئے امریکی اثرات کی وجہ سے تشویش میں مبتلا تھے، بلاجھجک ان

Scanned by CamScanner

ممالک کے مؤقف کی حمایت کی اور اس موقع کو غنیمت جان کر ان ممالک کی اقتصادی امداد میں بھی اضافہ کر دیا۔ 2003ء میں جارجیا کے مردِ آہن ایڈورڈ شیورنا تزے کی حکومت کے خاتمے میں امریکی ہاتھ کو دیکھ کر ان ممالک کے امریکہ اور مغرب کے بارے میں شبہات میں اضافہ ہوا تھا' وسط ایشیائی حکمرانوں نے امریکہ کی طرف تیزی سے بڑھتے ہوئے قدم روک کر روس اور چین کی سمت دیکھنا شروع کر دیا تھا۔

امریکہ اس خطے میں 20 ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کا پروگرام رکھتا ہے اور بدلے میں قازقستان' ترکمانستان اور آذربائیجان سے پٹرولیم کا حصول چاہتا ہے۔ دوسری طرف چین قازقستان کے ساتھ تیل اور گیس کے حصول کے لیے معاہدہ کر چکا ہے۔ روس ازبک آئل اور ترکمان گیس کی یورپ کی طرف ٹرانسپورٹ کے لیے معاہدے کر رہا ہے۔ چین اور روس ایک دوسرے کے قریب آ رہے ہیں' وہ نہ صرف اپنے سرحدی تنازعات نمٹا چکے ہیں بلکہ مشترکہ فوجی مشقیں بھی کر رہے ہیں۔ امریکہ افغانستان پر قابض ہے' پاکستان بھی اس کے شکنجے میں ہے' وہ پاکستان اور ہندوستان کے درمیان تنازعات ختم کرانے کی کوشش کر رہا ہے۔ ایران کو دبانے کی پالیسی پر زور شور سے عمل ہو رہا ہے۔ ایران پاک بھارت گیس پائپ لائن کے منصوبے میں رکاوٹیں ڈالی جا رہی ہیں۔ تذویراتی اہمیت کی حامل بندرگاہ گوادر کی تعمیر کرنے والے چینی انجینئروں پر حملے ہو رہے ہیں۔ بلوچستان اور وزیرستان میں پاکستانی فوج کے خلاف گوریلا جنگ کا آغاز ہو چکا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ امریکی اس کی پشت پر ہیں۔ امریکی دباؤ کے سامنے ہتھیار ڈال کر حکومت پاکستان نے گوادر پورٹ کو چلانے کا کام چین کے بجائے سنگاپور کی ایک کمپنی کو سونپ دیا ہے۔

روس اور چین ایٹمی معاملے پر ایران پر اقتصادی پابندیاں عائد کرنے کی مخالفت کر رہے ہیں۔ ان حالات میں امریکہ کی روس اور چین کے ساتھ ہونے والی کشمکش نے نہ صرف ماضی قریب کی سرد جنگ بلکہ ماضی بعید کی ''گریٹ گیم'' کو دوبارہ زندہ کر دیا ہے۔ یوں اس خطے میں ایک نئی گریٹ گیم زور شور سے جاری ہے۔ ماضی کی گریٹ گیم کا آغاز انیسویں صدی میں ہوا تھا جب زارشاہی اور برطانوی مقبوضات کے درمیان فاصلے تیزی سے سمٹتے جا رہے تھے۔ برطانیہ اور روس جو کبھی ایک دوسرے سے ہزاروں کلومیٹر دور تھے 1875ء میں ان کے درمیان فاصلہ چند سو کلومیٹر رہ گیا۔ پامیر کے پہاڑوں میں تو یہ فاصلہ محض 30 کلومیٹر تھا' جہاں واخان کی چھوٹی سی پٹی

Scanned by CamScanner

ان دو طاقتوں کے مابین حائل تھی۔

برطانوی ماہرین زار شاہی کے توسیع پسندانہ عزائم سے اپنی حکومت کو مسلسل آگاہ کر رہے تھے۔ کہا گیا کہ گزشتہ چار صدیوں میں روس کے رقبے میں سالانہ دو ہزار مربع میل کا اضافہ ہوا ہے اور یہ کہ روس ہندوستان پر قبضہ کرنا چاہتا ہے اور وہ مسلمانانِ ہند کو برطانوی راج کے خلاف بغاوت پر اکسا رہا ہے۔

روسیوں نے جواباً کہا کہ ہم وسط ایشیا میں وہی کچھ کر رہے ہیں جو برطانیہ ہندوستان میں کر رہا ہے یعنی یہاں کے غریب پسماندہ اور جاہل لوگوں تک مسیحی تہذیب اور معاشی ترقی کے ثمرات پہنچا رہے ہیں اور یہ کہ ہم ہمیشہ سے وسط ایشیا کے میدانوں سے اُٹھنے والے منگول حملہ آوروں کا نشانہ بنتے آئے ہیں لہٰذا روس کے شہریوں کو وسط ایشیا کے وحشی قبائل کی تاخت و تاراج سے بچانے کے لیے اس خطے کو روس کے زیر قبضہ لانا انتہائی ضروری تھا جبکہ ہم برطانوی ہند کے خلاف کوئی عزائم نہیں رکھتے۔

دونوں فریقوں کی نیتوں میں کھوٹ تھا' دونوں ایک دوسرے پر اعتماد کرنے کو تیار نہ تھے لہٰذا جاسوسی مداخلت کاری اور سبوتاژ کا ایک وسیع سلسلہ شروع ہوا جسے گریٹ گیم کا نام دیا گیا اور یہ گیم بلوچستان' افغانستان' ایران' وسط ایشیا اور تبت کے صحراؤں' میدانوں اور پہاڑوں میں کھیلی گئی۔ پھر گریٹ گیم گریٹ وار میں تبدیل ہوئی۔ کریمیا میں ایک بڑی جنگ لڑی گئی۔ اس کھیل کے ایک حصے کے طور پر تبت پر برطانیہ نے قبضہ کیا' افغانستان پر دوبار قبضہ ہوا۔

بلوچستان کی بے آب و گیاہ اور سنگلاخ دھرتی اس گیم میں بہت اہمیت اختیار کر گئی۔ روسی خطرے کی بنیاد پر ہی انگریزوں نے بلوچستان میں مہمات بھیجیں' سازشوں کا جال بچھایا گیا' قلات' کاہان اور نفسک میں جنگیں لڑی گئیں۔ جنگی بنیادوں پر بلوچستان میں ریلوے لائن بچھائی گئی۔ ایرانی بلوچستان میں مداخلت کی گئی۔ بلوچستان کی تذویراتی اہمیت کا انگریزوں کو بخوبی احساس تھا۔

لارڈ ولیم بنٹنگ نے کہا کہ اگر روس نے کوہ سلیمان کے درّوں کو عبور کر لیا تو اسے دلی پہنچنے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔ بلوچستان سے ایک طرف فارس اور دوسری طرف افغانستان کو راستے جاتے تھے۔ بلوچ ان ممالک میں بھی آباد تھے۔ بلوچستان میں افغانوں کے ہم نسل بڑی تعداد میں بستے تھے۔ بلوچستان اور افغانستان کے عوام اور حکمرانوں کے درمیان خوشگوار اور دوستانہ

Scanned by CamScanner

تعلق موجود تھا۔

اس کے بعد یوں ہوا کہ دو عالمی جنگوں کے نتیجے میں برطانوی سامراج کمزور اور نڈھال ہوگیا' اسے برصغیر چھوڑنا پڑا پھر گیم کے نئے کھلاڑی سامنے آئے یہ تھے امریکہ اور سوویت یونین۔ امریکہ پیر تسمہ پا کی طرح پاکستان کی گردن پر سوار ہوگیا۔ پشاور کے نواح میں اسے سوویت یونین کی جاسوسی کے لیے اڈہ دیا گیا۔ سیٹو اور سینٹو نامی دفاعی معاہدے ہوئے۔ ایران کو امریکہ نے خلیج کا پولیس مین بنا دیا۔ بھارت سوویت یونین کے کیمپ میں چلا گیا۔ 70 کی دہائی کے آخری برسوں میں افغانستان اور ایران میں انقلاب آئے۔ ایرانی امریکہ کو بڑا شیطان کہنے لگے۔ افغانستان جو برطانوی دور سے ہی بفر ریاست چلا آتا تھا' اب مکمل طور پر سوویت یونین کے اثر میں چلا گیا۔ پھر وہاں کمیونزم کے خلاف جہاد شروع کیا گیا۔ سوویت یونین کو اپنی فوجیں داخل کرنا پڑیں۔ امریکی ماہرین کے بقول روسی ریچھ ان کے پھندے میں آ گیا۔ اسے مار مار کر لہولہان کر دیا گیا۔ لادینیت کے خلاف اس جہاد میں جملہ اہل کتاب مسلمان' عیسائی اور یہودی شریک تھے۔ سوویت یونین ٹوٹ گیا' سرد جنگ کے خاتمے کا اعلان کیا گیا لیکن ایک ہی عشرہ گزرنے کے بعد گیم دوبارہ شروع ہوگئی۔ آج پھر وسط ایشیا افغانستان اور بلوچستان اس کھیل کے میدان بن گئے ہیں۔ زیر نظر کتاب میں ماضی کی گریٹ گیم کی یادوں کو تاریخ کے خوابیدہ صفحات میں سے نکال کر قارئین کے سامنے لانے کی سعی کی گئی ہے:

گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را

بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر کتاب کی کمپوزنگ میں تاخیر ہوئی۔ اس دوران میں تیز رفتار تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ روس نے شنگھائی تعاون تنظیم میں ایران کی مکمل رکنیت پر زور دیا ہے۔ اکتوبر 2007ء میں تہران میں کیسپئن ممالک کی سربراہ کانفرنس ہوئی جس میں صدر ولادی میر پوتن نے شرکت کی۔ جوزف سٹالن کے بعد وہ پہلے روسی صدر ہیں جو ایران آئے۔ کانفرنس میں کیسپئن ممالک کے درمیان اقتصادی روابط کے استحکام کے لیے ایک ادارے کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔ اہم ترین پیش رفت یہ ہوئی کہ ان ممالک نے کسی رکن ملک کے خلاف اپنی سرزمین استعمال کرنے کے امکان کو رد کر دیا۔

روس نے ایران کے بوشہر پاور پلانٹ کو افزودہ یورینیم کی فراہمی شروع کر دی۔ ایران

Scanned by CamScanner

اور روس کے درمیان 130 ارب ڈالر کے مشترکہ منصوبوں پر بات چیت جاری ہے۔ روس ایران کو جدید ترین ریڈار اور میزائل شکن دفاعی نظام فراہم کر رہا ہے۔

روس اور چین کی گیس اور آئل کمپنیاں ایران میں سرمایہ کاری کر رہی ہیں۔ ایران اور روس مل کر وسطِ ایشیاء میں گیس کے منصوبوں پر مشترکہ کام کرنے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ ایران نے پابندیوں اور دھمکیوں کے باوجود اپنے جوہری اور میزائل پروگرام کو جاری رکھا ہوا ہے۔ وہ لبنان میں حزب اللہ، فلسطین میں حماس اور شام کی مدد کر رہا ہے۔ وہ جنوبی امریکہ میں امریکہ مخالف ممالک وینزویلا اور کیوبا کے ساتھ تعاون کر رہا ہے۔ اس نے سعودی عرب اور خلیجی ریاستوں کے ساتھ نیز امریکہ کے زیر تسلط ممالک افغانستان اور عراق کے ساتھ بھی اپنے تعلقات کو بہتر بنایا ہے۔ پہلی بار خلیجی ممالک کے سربراہ کانفرنس میں ایرانی صدر کو مدعو کیا گیا ہے۔

روس نے نیوکلیئر میزائل کے نئے تجربات کیے ہیں۔ ولادی میر پیوتن کی کامیاب حکمت عملی نے روس کو ایک بار پھر مضبوط اقتصادی اور فوجی قوت بنا دیا ہے۔ اس نے مشرقی یورپ میں امریکی میزائلوں کی تنصیب کے خلاف سخت ردِعمل کا اظہار کیا ہے جبکہ صدر پیوتن نے کہا ہے کہ کسی خطرے کی صورت میں روس پیشگی ایٹمی حملے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

پاکستان جو اس وقت دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ میں امریکہ کا اتحادی ہے عدم استحکام کا شکار ہو رہا ہے۔ بین الاقوامی مالیاتی اداروں کی طرف سے مسلط کردہ نااہل حکمرانوں نے اس کی معیشت، صنعت اور زراعت کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ امریکی پالیسیوں کے نتیجے میں اس کی افواج دو صوبوں میں اپنے ہی عوام کے خلاف نبرد آزما ہے جبکہ پورے ملک میں فوج اور قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں کے اہلکاروں پر حملے ہو رہے ہیں۔ جن میں خودکش حملے بھی شامل ہیں۔ 27 دسمبر 2007ء کو لیاقت باغ راولپنڈی میں محترمہ بینظیر بھٹو کی المناک شہادت کے بعد سندھ آتش فشاں بن گیا ہے۔

ہندوستان کے کانگریسی سیاست دان شرد پوار نے کہا ہے کہ امریکہ پاکستان کو غیر مستحکم کر رہا ہے جبکہ ہندوستان اور چین کے وزرائے اعظم نے پاکستان کے بحران پر بات چیت کی ہے۔

خطے میں ایک اور گریٹ گیم زور شور سے جاری ہے۔

☆☆☆☆

Scanned by CamScanner

لارڈ ولیم بنٹنگ.... روس فوبیا

''برطانوی ہند پر شمال کی طرف سے گورکھے حملہ آور ہو سکتے ہیں' مشرق کی طرف سے برمی' شمال مغرب کی طرف سے سکھ' افغان اور وسطی ایشیا کے لشکر ایران اور روس کی حمایت سے ہندوستان میں داخل ہو سکتے ہیں۔ گورکھوں کو ہمارے پہاڑی علاقوں میں تو شاید تھوڑی بہت کامیابی حاصل ہو جائے لیکن میدانوں میں ان کا شکست سے ہمکنار ہو جانا یقینی ہے۔ برمی لڑائی میں ہم سے بہت کمزور ثابت ہو چکے ہیں' ہمیں سمندری حملے کا بھی خطرہ نہیں' ہمارے لیے اگر کوئی خطرہ ہو سکتا ہے تو وہ شمال مغرب کی طرف ہے' چنانچہ ہمیں اس طرف زیادہ توجہ دینی چاہئے۔''

یہ الفاظ لارڈ ولیم بنٹنگ کے ہیں جو 1828ء کے ماہ جولائی میں گورنر جنرل بن کر کلکتہ آیا۔ وہ 1810ء میں مدراس کا گورنر رہ چکا تھا۔ اس نے برطانیہ کی سسلی اور سپین کے خلاف جنگوں میں بھی خاصی شہرت پائی۔ ولیم بنٹنگ اپنی مالی اصلاحات کے حوالے سے بھی مشہور ہے۔ اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے انتظامی اخراجات اور اہلکاروں کے بھتوں میں کمی کی' مال گزاری کا نیا بندوبست کیا' افیون کی برآمد پر کمپنی کی اجارہ داری قائم کی۔ اس نے ٹھگی کا انسداد کیا اور اس مہم میں 1500 ٹھگوں کو سزائے موت دی گئی۔ ستی پر پابندی لگائی گئی۔ ولیم بنٹنگ کی تحریک اور حوصلہ افزائی پر لارڈ میکالے نے ہندوستان میں انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنانے کا فیصلہ کیا (جس کے ثمرات سے ہم آج تک ''فیض یاب'' ہو رہے ہیں)۔

ولیم بنٹنگ کے عہد میں الیگزینڈر برنس گھوڑوں کا تحفہ لے کر رنجیت سنگھ کے دربار میں پہنچا۔ 1832ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ اور لارڈ ولیم بنٹنگ کے درمیان روپڑ کے مقام پر ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات کے ایک سال بعد دونوں کے درمیان تجارتی معاہدے پر دستخط ہوئے۔ ولیم بنٹنگ نے مہاراجہ سے شاہ شجاع کو تخت کابل واپس دلانے پر بھی بات چیت کی۔ وہ دریائے سندھ

Scanned by CamScanner

کو ہندوستان کا دفاعی حصار بنانا چاہتا تھا اور اس مقصد کے لیے پنجاب اور سندھ پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ مشرق بعید میں اس نے سنگاپور کو برطانوی اڈے کی حیثیت دی اور اسے ایشیا کا جبرالٹر بنایا۔

ولیم ہنگ روسی فوبیا رکھنے والے دانشوروں سے خاصا متاثر تھا اور وہ افغانستان کو روس اور برطانوی ہند کے درمیان بفرسٹیٹ بنانا چاہتا تھا اور اسی مقصد کے لیے شاہ شجاع کی حمایت کرتا تھا۔ اس کی یادداشتوں سے چند اقتباسات پیش ہیں:

''فارس روس کی مدد کے بغیر کوئی بڑا اقدام نہیں کرسکتا۔ روس کا مفاد اس میں ہے کہ وہ سلطنت فارس (ایران) کو مضبوط کرے اور اسے وسعت دینے میں مدد کرے' کیونکہ وہ فارس کے راستے ہی مشرق اور مغرب دونوں طرف پیش قدمی کرسکتا ہے۔''

''پیٹر اعظم سے لے کر آج تک روس کی یہ خواہش رہی ہے کہ وہ وسطی ایشیا کے اس حصے پر قبضہ کرے جسے دریائے جیحوں سیراب کرتا ہے اور جو بحیرہ خزر (کیسپین) کے مشرقی کناروں سے جا ملتا ہے۔ کابل سے ملنے والی تازہ رپورٹوں سے پتہ چلتا ہے کہ روسی خیوا اور بحر خزر کے درمیان ایک قلعہ بنا رہے ہیں۔ ہندوستان پر حملہ کرنے کے لیے روسیوں کے لیے یہ بہترین لائن ہوسکتی ہے۔''

''روسی اور ایرانی فوج کا ہرات کی طرف بڑھنا بہت آسان ہے۔ ہرات پر قبضہ کرنے کے بعد روسی حکمت عملی کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا اور اس وقت اس پر غور کرنا غیر ضروری ہے' لیکن اس امر سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ روس اپنے اتحادی ایران کے ساتھ مل کر برطانوی ہند کے خلاف اعلان جنگ کرسکتا ہے۔ اس اعلان کے بعد وہ تمام جنگجو قبائلی جنھوں نے کبھی امیر تیمور کا ساتھ دیا تھا' ان اتحادی افواج کے ساتھ مل جائیں گے۔''

''روسی فوج کے دریائے سندھ کے کناروں تک پہنچ جانے کی صورت میں رنجیت سنگھ کے لیے اتنی بڑی فوج کو روکنا ناممکن ہوگا اور پھر پنجاب میں داخل ہوتے ہی حملہ آوروں کو تمام درکار وسائل دستیاب ہو جائیں گے۔''

☆☆☆☆

Scanned by CamScanner

سر چارلس مٹکاف... غیر اخلاقی ہتھکنڈوں کا مخالف

''ہم نے ہندوستان کو طاقت سے فتح کیا ہے اور یہ فطری طور پر یہاں کے باشندوں کے لیے باعث تنفر ہوگا کہ ہم محض فوجی طاقت سے ہی انہیں اپنے زیر تسلط رکھیں' ہمیں چاہئے کہ انہیں احترام اور انصاف دیں' ان کے حقوق کا تحفظ کریں اور انہیں خوشیاں دینے کی کوشش کریں۔''

یہ الفاظ سر چارلس تھیوفیلس مٹکاف کے تھے' جو ہندوستان کے گورنر جنرل بنتے بنتے رہ گئے اور اس اعلیٰ ترین عہدے سے محرومی میں ان کے اس بیان اور ایسے ہی دیگر بیانات اور پالیسیوں کا گہرا دخل تھا۔

چارلس مٹکاف بنگال آرمی کے ایک میجر کا بیٹا تھا' اس کے والد بعد میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک ڈائریکٹر بنے۔ یکم جنوری 1801ء کو ایٹن انگلستان میں اپنی ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد نوجوان چارلس کلکتہ پہنچا جہاں وہ کمپنی کے قائم کردہ فورٹ ولیم کالج کا پہلا طالب علم بنا۔ یہاں کمپنی کے نوجوان افسروں کو ہندوستانی زبانیں اور آداب و اطوارِ حکمرانی سکھائے جاتے تھے۔ کالج سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد اس نے بنگال آرمی جوائن کی۔ اس کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے اسے لارڈ لیک کا پولیٹکل اسسٹنٹ مقرر کیا گیا۔ لارڈ لیک اکثر کہا کرتے تھے ''ڈیم یور رائٹنگ' مائنڈ یور فائٹنگ'' چنانچہ نوجوان چارلس فائٹنگ میں بھی پیچھے نہ رہا۔ تیسری مرہٹہ جنگ کے دوران اس نے ڈیگ کے قلعے پر حملے کے لیے رضا کارانہ طور پر اپنی خدمات پیش کیں جہاں مرہٹہ پیشوا محصور تھے۔ وہ نہایت بہادری سے لڑا اور جب برطانوی توپوں نے قلعے کی فصیل میں شگاف ڈال دیا تو سب سے پہلے قلعے میں داخل ہونے والوں میں چارلس مٹکاف بھی شامل تھا (اور وہ کرسمس کی رات تھی)۔

Scanned by CamScanner

1809ء میں نپولین کے مفروضہ یا متوقع حملے سے خوفزدہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو شیر لاہور رنجیت سنگھ کے ساتھ معاہدہ کرنے اور نپولین کے حملے کی صورت میں اس کی امداد حاصل کرنے کے لیے ایک لائق مذاکرات کار کو لاہور بھیجنے کی ضرورت پیش آئی تو منکاف کا انتخاب کیا گیا۔ اس نے لاہور میں جاسوسوں کا ایک نیٹ ورک قائم کیا اور تمام تر مخالفتوں کے باوجود ''اصطبل سے حرم'' تک پہنچا اور مہاراجہ کا اعتماد حاصل کر لیا۔

مہاراجہ نے ستلج کے جنوب میں برطانیہ کا اقتدار تسلیم کر لیا جبکہ منکاف نے یقین دلایا کہ ستلج کے شمال میں کمپنی کوئی مداخلت نہیں کرے گی۔ معاہدے پر بعدازاں امرتسر میں دستخط ہوئے۔ بعد میں وہ حیدرآباد اور پھر دلی کا ریذیڈنٹ بنا۔ اس نے ولیم مورکرافٹ کی تبت' لداخ اور وسط ایشیا کی مہمات کی مکمل سرپرستی کی۔ گورکھا جنگوں کے دوران اس نے ولیم مورکرافٹ کی مدد سے سرحد پار ایک ٹیم تشکیل دی جنہوں نے برطانوی حملے کے لیے راستے صاف کیے۔ لیکن بعد میں وہ ان خفیہ مہمات' جاسوسی اور سبوتاژ کی سرگرمیوں کی مخالفت کرنے لگا۔ اس نے ایک ہندوستانی خاتون کو چرچ میرج کے بغیر گھر میں رکھ لیا' جس نے اس کے دو بیٹوں کو جنم دیا۔ وہ ہندوستان کے شاندار ماضی اور تہذیب و ثقافت کا معترف تھا۔ وہ اس بات پر یقین رکھتا تھا کہ ہندوستانیوں کی روایات اور عقائد میں کم سے کم مداخلت کی جائے۔ اس نے غلامی اور ستی پر پابندی کے قوانین بنائے اور ان پر عملدرآمد کرایا۔ اس نے سزائے موت کے خاتمے کی کوشش بھی کی اور حقوق انسانی کے ضمن میں کئی اقدامات اٹھائے۔ دہلی کے ریذیڈنٹ کی حیثیت سے اس نے اخبارات کو آزادی دی۔

1831ء میں گورنر جنرل کے سینئر مشیر کی حیثیت سے اس نے الیگزینڈر برنس کی قیادت میں رنجیت سنگھ کے لیے گھوڑوں اور بگھی کے تحفے کی آڑ میں دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ جاسوسی مشن بھیجنے کی مخالفت کی اور اسے اعلیٰ انسانی وقار کے منافی قرار دیا۔ اس نے متعلقہ فائل پر درج ذیل نوٹ تحریر کیا:

''اس قسم کا جاسوسی مشن برطانوی ہند کی حکومت کو زیب نہیں دیتا' اگر ہمارے جاسوس پکڑے گئے تو یہ امر ہمارے لیے باعث ذلت ہوگا۔ اس سے جنگ کی آگ بھی بھڑک سکتی ہے۔ کیا ہم کسی ہم مرتبہ یورپی طاقت میں اس قسم کے فراڈ کا تصور بھی کر سکتے ہیں۔ ہندوستانی ریاستوں میں اس قسم کا دوہرا معیار ہمارے کردار پر ایک دھبہ ہے۔ برطانیہ ہمیشہ عدم مداخلت کی بات کرتا

Scanned by CamScanner

ہے لیکن برطانوی مفاد کو ذرا بھی ٹھیس پہنچنے لگے تو ہم جذباتی اور بے صبرے ہو جاتے ہیں اور فریق ثانی کو غلامی یا جنگ میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑتا ہے۔''

چارلس مٹکاف کے اعتراضات کو رد کر دیا گیا..... ہاں اس تحریر کا ایک اثر ضرور ہوا..... اس کے گورنر جنرل بننے کے امکانات کا خاتمہ ہو گیا۔

1835ء میں ولیم بنٹنگ کی برطانیہ واپسی پر چارلس مٹکاف کو قائم مقام گورنر جنرل بنایا گیا' کلکتہ میں اس کے دوست سمجھتے تھے کہ ایک لائق اور ہر دلعزیز افسر کو اس کا حق ملے گا لیکن ایسا نہ ہوا۔

ایک تو برطانوی کابینہ یہ اعلیٰ عہدہ کسی خاندانی نواب (لارڈ) کو سونپنا چاہتی تھی دوسرے اس کی ہندوستانیوں پر ''مہربانیاں'' پریس کی آزادی کی حمایت' افغانستان پر حملے کی مخالفت اور ایسی ہی دیگر پالیسیاں اس کے خلاف گئیں اور پھر وہ برطانوی اشرافیہ کی نگاہوں میں بھی کھٹکتا تھا۔

1836ء میں لارڈ آکلینڈ جو ایٹن میں اس کے ہم جماعت تھے گورنر جنرل بن کر آئے اور چارلس مٹکاف واپس انگلستان چلا گیا۔1839ء سے 1842ء تک وہ جمیکا کا گورنر جنرل رہا۔ 1843ء سے 1845ء تک بحیثیت گورنر جنرل کینیڈا میں خدمات سرانجام دیں۔1846ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔

☆☆☆☆

Scanned by CamScanner

لارڈ کرزن... مہم جو اور قوم پرست وائسرائے

جارج کرزن 1859ء میں ڈربی شائر کے بیرن سکارسڈیل کے محل میں سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوا۔ کرزن خاندان 10 ہزار ایکڑ زمین کا مالک تھا اور وہ پارلیمنٹ میں ایک موروثی نشست بھی رکھتے تھے۔ 1870ء میں وہ ایٹن میں داخل ہوا اور وہاں اس نے اکیڈیمک پرائز حاصل کیا۔ 1878ء میں اس نے بیلیول کالج آکسفورڈ میں داخلہ لیا۔ آکسفورڈ میں وہ ڈبیٹنگ سوسائٹی اور سٹوڈنٹس یونین کا صدر رہا۔ کنزرویٹو سوسائٹی اور کیننگ کلب میں بھی متحرک رہا۔ ممتاز مصنف آسکر وائلڈ اس کا ہم جماعت اور مداح تھا جبکہ ونسٹن چرچل بھی اس کا کالج فیلو تھا۔

کرزن کو یقین تھا کہ مملکت برطانیہ دنیا میں اچھائی کا بول بالا کرنے کے لیے قدرت کا ایک وسیلہ ہے اور ہندوستان پر حکومت کرنے کا مقدس فریضہ بھی خدا نے انگریزوں کو سونپا ہے۔ اس نے 1887ء میں ہندوستان کا سفر کیا' ہندوستان کے علاوہ اس نے بہت سے دوسرے ممالک کی سیر وسیاحت بھی کی جن میں چین' جاپان' سیام' فارس (ایران)' افغانستان' سمرقند' بخارا' صحرائے سینا اور افریقی صحارا شامل ہیں۔ 1892ء میں اس نے فارس پر ایک ضخیم کتاب لکھی۔ 1896ء میں شائع ہونے والی اس کی کتاب ''پامیر زاینڈ سورس آف آکسس'' (پامیر اور دریائے آمو کا منبع) نے رائل جغرافک سوسائٹی سے سونے کا تمغہ حاصل کیا۔

وہ لارڈ سالسبری کا امور خارجہ کا پارلیمانی انڈر سیکرٹری بھی رہا۔

1895ء میں ''میری وکٹوریہ لٹر'' سے اس کی شادی ہوئی۔

30 دسمبر 1898ء کو جب وہ وائسرائے ہند کی حیثیت سے بمبئی پہنچا تو اس کی عمر ابھی 40 سال بھی نہ ہوئی تھی۔ جب وہ گورنر جنرل ہاؤس کلکتہ میں قیام پذیر ہوا تو اس نے اپنے اقدامات کے ذریعے واضح کردیا کہ وہ محض ایک نمائشی وائسرائے ہند نہیں ہوگا جیسا کہ بیوروکریسی

Scanned by CamScanner

اس نوجوان کو سمجھ رہی تھی۔ اس نے ایک نیا صوبہ شمال مغربی سرحدی صوبے کے نام سے قائم کیا۔ گجرات کے قحط زدہ صوبے کا دورہ کر کے ایک بڑے انسانی سانحہ کو ٹالا۔ ہندوستان میں فولاد کی صنعت کی بنیاد رکھی' فنانس اور کرنسی کو مستحکم کیا' بیوروکریسی کے سرخ فیتے کو کمزور کرنے کی کامیاب کوشش کی۔

اس کی بنیادی دلچسپی امور خارجہ میں تھی' جنہیں اس نے اپنے ہاتھ میں رکھا۔

1900ء میں سینٹ پیٹرز برگ کے برطانوی ناظم الامور نے اسے ایک روسی اخبار کا تراشہ ارسال کیا جس کے مطابق تبت کے دلائی لامہ کا ایک وفد روس کا دورہ کرنے والا تھا۔ کچھ عرصے سے تبت کا رویّہ برطانویوں کے ساتھ مخاصمانہ تھا' دلائی لامہ نے وائسرائے ہند کا ایک خط بغیر کھولے لوٹا دیا تھا۔ انہی دنوں روسی منگولیا اور مانچوریا میں داخل ہو چکے تھے۔ پیکنگ میں بدامنی تھی۔

1888ء میں کرزن ٹرانس کیپیین ریلوے پر سفر کر چکا تھا اور اسے نپولین کی زار کے ساتھ ملاقات میں ہندوستان پر قبضے کی سکیم بھی یاد تھی۔ کرزن نے لندن میں اپنے حکام بالا کو لکھا کہ چین کو نظر انداز کر کے تبت کے ساتھ براہ راست معاملات طے کیے جائیں اور اسے روس اور ہندوستان کے درمیان بفر کے طور پر رکھا جائے۔ لیکن برطانیہ ان دنوں جنگ بوائر میں اُلجھا ہوا تھا۔ 1902ء میں کرزن نے لندن میں کابینہ کو قائل کیا کہ جارج ہفتم کی تاج پوشی کے لیے دہلی میں دربار منعقد کیا جائے کیونکہ ایک تو دربار اور جشن ہندوستانیوں کی ثقافت کا حصہ ہیں اور دوسرے اس سے برطانوی راج کی طاقت کا مظاہرہ بھی ہوگا۔ چنانچہ جنوری 1903ء میں دہلی میں ایک شاندار دربار منعقد ہوا جس میں ہزاروں بلکہ لاکھوں لوگوں نے شرکت کی۔ راجے مہاراجے' شہزادے' ہاتھی گھوڑے' ریشم و کم خواب' سونا چاندی' غرض یہ رنگوں اور چمک دمک کا ایک بہت بڑا مظاہرہ تھا۔

اسی دربار کے دوران میں کرزن نے فرانسس ینگ ہسبنڈ کو طلب کیا اور اس کے ساتھ روس اور تبت کے معاملات پر گفت و شنید کی۔ اسی سال مئی میں کرزن نے ینگ ہسبنڈ کو شملہ میں بلایا اور اسے تبت کے اندر ایک مشن لے جانے کا کام سونپا۔ ینگ ہسبنڈ ایک بڑی مہم لے کر تبت میں داخل ہوا اور ستمبر 1903ء میں لہاسا پہنچ کر بدھ رہنماؤں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جو بڑی حد تک برطانیہ کے حق میں تھا' لیکن حالات کرزن کے خلاف پلٹ چکے تھے' وزیراعظم' کابینہ'

Scanned by CamScanner

کمانڈر انچیف اس کے خلاف ہو چکے تھے۔ آرتھر بالفور کا کہنا تھا کہ کرزن کا روّیہ اس طرح ہوتا ہے گویا ہندوستان ایک آزاد ملک ہے کرزن جس کا بادشاہ ہے۔ برطانوی حکومت اب روس کے بجائے ایک اور دشمن تلاش کر چکی تھی وہ تھا جرمنی اور دونوں کے درمیان زیادہ سے زیادہ بحری قوت کے حصول کی دوڑ شروع ہو چکی تھی۔ سر ولیم ہارکورٹ نے کرزن سے کہا تھا کہ روس کے ساتھ جنگ شروع مت کر دینا کم از کم میری زندگی میں نہیں۔ چنانچہ کرزن نے ینگ ہسبنڈ کو مشن ختم کرنے کو لکھا۔

اگست 1905ء میں کرزن نے اپنے عہدے سے استعفٰی دے دیا۔ اسی سال لیڈی کرزن کا 36 سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ اس نے تین بچیاں چھوڑیں۔ کرزن گیارہ سال تک سیاست سے دُور رہا اور اپنی بچیوں کی پرورش کرتا رہا۔ 1916ء سے 1924ء تک وہ وزیر خارجہ رہا۔ 1925ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔

☆☆☆☆

Scanned by CamScanner

کیپٹن آرتھر کنولی لفظ ''گریٹ گیم'' کا خالق

ایسٹ انڈیا کمپنی کے کیپٹن آرتھر کنولی کو 1824ء میں بخارا میں جاسوسی کے الزام میں سزائے موت دی گئی۔ ''گریٹ گیم'' کی اصطلاح سب سے پہلے اسی نوجوان افسر نے متعارف کرائی اور اسے نوبل گیم قرار دیا۔ زارشاہی روس اور وکٹورین برطانیہ کے درمیان وسط ایشیا پر بالادستی کے لیے ہونے والا کھیل گریٹ گیم... انیسویں صدی کے شروع میں تاج برطانیہ کو اپنی طلائی کلید ہندوستان کی سلامتی روس توسیع پسندی کے ہاتھوں خطرے میں نظر آئی، تبھی اس کھیل کا آغاز ہوا۔ انیسویں صدی کے آغاز میں یہ دونوں حریف ملک ایک دوسرے سے دو ہزار میل دُور تھے اور صدی کے آخر میں صرف 20 میل کا فاصلہ ان کے درمیان تھا۔ گریٹ گیم شطرنج کی ایک عظیم بازی کی مانند تھی جس میں روس اپنی سرحدوں میں توسیع کی سرتوڑ کوشش کر رہا تھا اور برطانیہ ہندوستان میں اپنے مفادات کا تحفظ، لیکن یہ تو برطانوی نقطۂ نظر ہے، توسیع پسند دونوں تھے، دونوں نے ہی پیش قدمی کی..... شطرنج کی اس بازیٔ عظیم کے مہروں میں جرنیل، جاسوس سفارت کار، قبائلی سردار، جغرافیہ دان بھی شامل تھے..... اور ان میں سے کیپٹن آرتھر کنولی بھی تھا جو اندر سے ایک پرجوش عیسائی مشنری تھا اور مشنری جذبے کے ساتھ ہی اس نے اس گیم میں اپنا کردار ادا کیا۔

☆☆☆☆

Scanned by CamScanner

"تھا بشپ پوشیدہ اور افسر کھلا" آرتھر کنولی

1823ء کا ذکر ہے "گرین وِل" جہاز کے عرشے پر سفید براق لبادے میں ملبوس گلے میں چمکتی ہوئی صلیب پہنے' نورانی چہرے والے ایک پارسا بزرگ کرسی پر بیٹھے تھے اور ایک سولہ سالہ مسکراتے چہرے اور روشن آنکھوں والا لڑکا ان کے قدموں میں بیٹھا تھا اور ہمہ تن گوش تھا۔ وہ بزرگ ہندوستان سے پرے' گنگا جمنا اور عظیم سندھ کے پار افغانستان اور وسط ایشیا کے "نیم وحشی مسلمانوں" کو صحائف انبیاء اور مسیحیت کی تبلیغ کے امکانات کا ذکر کر رہے تھے اور نوجوان کی آنکھیں فروغ مسیحیت کے جذبے اور عقیدت سے چمک رہی تھیں۔

یہ سولہ سالہ نوجوان ایک کیڈٹ آرتھر کنولی تھا جو ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج میں بھرتی ہو کر انگلستان سے کلکتہ جا رہا تھا اور جہاز پر ہی اس کی ملاقات ریورنڈ رینالڈ ہیبر سے ہوئی جو ایک پارسا بزرگ اور ایک انتھک مبلغ تھے۔ تبلیغ دین عیسوی پر کئی کتابوں کے مصنف تھے اور وہ کلکتہ کے بشپ مقرر ہوئے تھے۔ نوجوان آرتھر ان سے بے حد متاثر ہوا اور وہ روزانہ ان کے پاس حاضری دیتا تھا' بشپ ہیبر کو اس عقیدت مند نوجوان کے اندر گرجا کا ایک خادم دکھائی دیا اور وہ اسے اپنے تبلیغی سفروں کے بارے میں بتاتے تھے اور ایک اچھے مسیحی کی حیثیت سے فروغ دین کے لیے اس کی ذمہ داریوں سے اسے آگاہ کرتے تھے۔

1829ء میں وہ چھٹیوں پر انگلستان گیا اور پھر چھٹیاں گزارنے کے بعد خشکی کے راستے واپس آیا' روس' کا کیشیا اور فارس کے راستے۔ اس نے انتہائی جوانمردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک مقامی تاجر کا بھیس بدل کر وسط ایشیا کی ایک خطرناک ریاست خیوہ کا سفر بھی کیا اور وہاں غلاموں کی منڈیاں دیکھیں اور روسی اور فارسی غلاموں کی بدحالی اور بے سروسامانی و مظلومیت کا بچشم خود جائزہ لیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ برطانیہ روس کا راستہ روک سکتا ہے' غلامی کا خاتمہ کرنے

میں ممد ثابت ہو کر انسانیت کی ایک بڑی خدمت کر سکتا ہے' خیوہ' بخارا اور خوقند کی باہم برسرپیکار ریاستوں کا ایک اتحاد قائم کر سکتا ہے۔ وہ عیسائی ہیروز کے ایک گروہ کا تصور کرتا جو وسط ایشیا کے دُور دراز علاقوں میں داخل ہو رہے ہیں' انسانیت کے چیمپئن تہذیب و تمدن کے بانی عیسائی ہیروز' اور وہ خود بھی ان ہیروز میں سے ایک تھا۔ 1838ء میں اس نے ایک یادداشت تحریر کی جو ہندوستان اور برطانیہ کے اربابِ بست وکشاد کو ارسال کی گئی جس میں کہا گیا کہ برطانیہ روس کی پیش قدمی روک سکتا ہے' روسی اثر و نفوذ کا سدباب کر سکتا ہے' غلامی کا خاتمہ کر سکتا ہے' عیسائیت کی اشاعت کر سکتا ہے' دریائے آمو میں جہاز رانی کو فروغ دے کر وسط ایشیا کو برطانوی مصنوعات کی منڈی بنا سکتا ہے۔ وزیراعظم لارڈ میلبرن کی حکومت نے جو روسی پیش قدمیوں سے سخت خائف تھی' اس خط پر مثبت ردعمل کا اظہار کیا اور اسے اخراجات کے طور پر 500 پاؤنڈ دینے کی پیشکش کی۔ گورنر جنرل ہند لارڈ آک لینڈ کو اس سے آگاہ کر دیا گیا جنہوں نے اسے کابل کی فاتح برطانوی افواج کے پاس بھیج دیا۔ وہ کئی ماہ کابل میں رہا اور وہیں اس نے چارلس سٹوڈرٹ کے بارے میں سنا۔

لیفٹیننٹ کرنل چارلس سٹوڈرٹ جو کابل کے لیے اعلان کردہ سفیر برطانیہ ولیم میکناٹن کا سٹاف آفیسر تھا' وہ ہرات کے ایرانی محاصرے کے دوران بہادری کے جوہر دکھا چکا تھا۔ وسط ایشیا کی ریاستوں میں غلاموں کی منڈیوں کی رپورٹوں کے بعد اسے بخارا' خیوا اور خوقند کے دورے پر بھیجا گیا تاکہ وہ ان ریاستوں کے امیروں اور خانوں کو روسیوں کو غلام بنانے' ان کی تجارت اور ان کا مذہب تبدیل کرنے سے منع کرے' تاکہ روس کے پاس ان ریاستوں پر حملہ کرنے اور ہندوستان کے مزید نزدیک پہنچنے کا کوئی جواز نہ رہے۔ وہ 1838ء میں بخارا پہنچا تاکہ روسی غلاموں کو آزادی دلوا سکے اور کسی بھی روسی حملے کی صورت میں بخارا کو اپنی مدد کا یقین دلا سکے۔ اسے امیر بخارا کو یہ یقین دہانی بھی کرانا تھی کہ افغانستان میں برطانوی موجودگی ان کے لیے کسی خطرے اور پریشانی کا باعث نہیں لیکن ایک قلعے پر حملہ کرنا یا ایک قلعے کا دفاع کرنا کسی سفارتی مشن سے کہیں مختلف امور ہیں۔ سٹوڈرٹ صاحب اگرچہ ایک بہادر سپاہی تھے لیکن ایک سفیر اور ایلچی میں جس طرح کی نرم مزاجی' سرد خوئی' قوتِ برداشت اور شیریں کلامی ہونا چاہئیں وہ ان میں مفقود تھیں۔ اس نے بخارا کی روایات کے برعکس وسط شہر تک مکمل فوجی یونیفارم میں گھوڑے کی سواری پر اصرار کیا اور مقامی عمال کے احتجاج کے باوجود شہر کی سڑکوں پر سرپٹ گھوڑا دوڑاتے

Scanned by CamScanner

ہوئے مرکزی چوک پر پہنچا اور جب امیر نصراللہ اس کے استقبال کے لیے آئے تو اس نے کمال خودسری کا ثبوت دیتے ہوئے پروٹوکول کے خلاف گھوڑے سے اُترنے سے انکار کر دیا اور پھر جب اس نے ملکہ وکٹوریہ کا خط امیر کے حوالے کیا تو امیر نے اس پر ملکہ کے دستخط نہ پائے' جس پر امیر غصے میں آ گیا اور مرتے پر سو دُرّے انگریز ایلچی ہی کے ایک ملازم نے امیر ہرات یار محمد کا ایک خط نصراللہ خان کی خدمت میں پیش کیا جس میں واضح الفاظ میں سٹوڈرٹ کو جاسوس اور مستوجب سزا قرار دیا گیا تھا۔ چند ہی روز بعد سٹوڈرٹ کو گرفتار کر لیا گیا اور پابہ زنجیر کر کے بخارا کے رسوائے زمانہ ایک زندان میں ڈال دیا گیا جو حشرات الارض کا بہت بڑا ٹھکانہ تھا۔ اسے کئی بار چند دن کے لیے زندان سے نکالا جاتا اور پھر زندان میں ڈال دیا جاتا۔

1839ء میں اس نے ایک خط میں اپنے اہل خانہ کو لکھا ''کابل کے ممکنہ سقوط کی خبر نے یہاں خوف و ہراس کی لہر پھیلا دی ہے لیکن میری رہائی غالباً اس وقت تک عمل میں نہیں آئے گی جب تک برطانوی فوجیں بخارا کے نواح میں نہیں پہنچ جاتیں۔ یہاں کا امیر ایک پاگل شخص ہے۔''

1840ء میں سٹوڈرٹ کا ایک ملازم بخارا سے بھاگ کر کابل پہنچنے میں کامیاب ہو گیا اور جب اس نے اپنے آقا کی حالت زار' اس کے لیے ممکنہ سزائے موت اور اس پر اسلام قبول کرنے کے لیے ڈالے جانے والے دباؤ کے بارے میں بتایا تو وہاں سٹوڈرٹ کے لیے ہمدردی کی لہر دوڑ گئی اور آرتھر کنولی نے اس کی رہائی کی کوششوں اور اپنے سابقہ مشن کے لیے بخارا جانے کی خواہش ظاہر کی۔ سفیر ولیم میکناٹن نے جو کیپٹن کنولی کا رشتہ دار بھی تھا' اس مشن کی منظوری دے دی۔ لیکن ریذیڈنٹ اور بخارا کا سابق سیاح الیگزینڈر برنس اسے مختلف نظر سے دیکھتا تھا۔ اس نے لکھا:

''اگرچہ کنولی ایک عمدہ شخص ہے لیکن سبک مزاج ہے' جاگتے میں سپنے دیکھنے والا نوجوان۔ وہ ایک نئے ترکستان کا جنم چاہتا ہے۔ غلامی سے آزاد اور عیسائیت کی برکات سے فیض یاب۔ وہ اس مشن کو ایک بعثت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ مسیحیت کے فروغ کے لیے ایک الوہی مشن۔ میں نے اس سے کہا خیوا کو روس بھاری شکست سے دوچار کر چکا ہے' بخارا اس کا اتحادی ہے اور خوقند کا رویہ اگر دوستانہ نہیں تو مخاصمانہ بھی نہیں تو پھر تم کیسے ان ریاستوں کی برطانیہ کے ساتھ لیگ (انجمن) بناؤ گے اور تم کس طرح دو لاکھ قزلباش غلاموں کو بلا معاوضہ آزادی دلاؤ گے؟'' ''ایسا ہو جانا چاہیے'' اس نے جواب دیا۔ میں نے مسکرا کر کہا ''ہاں جادو کی چھڑی سے''۔

Scanned by CamScanner

لیکن بعدازاں جب خیوا پر روسی حملے کی ناکامی کی خبر ملی تو برنس کے اعتراضات کو نظرانداز کر دیا گیا اور کلکتہ سے کنولی کی روانگی کے لیے ہری جھنڈی دکھا دی گئی۔ کنولی خوشی سے اُچھل پڑا۔ اس نے اپنے گھر والوں کو مبارکباد کا خط لکھا اور سر ہنری رانسن کو ایک خط میں اپنی آرزوؤں کے بارے میں امیدوں بھرا خط لکھا کہ روس کو اس کی حدود کے اندر رکھا جائے گا' اس کے ازبکوں' بخارا اور فارس کے ساتھ اختلافات ختم کرائے جائیں گے' امیر بخارا کو مجبور کر دیا جائے گا کہ وہ ہمارے ساتھ مناسب اور منصفانہ طریقے سے چلے۔ نیز دیگر ازبک ریاستوں کے ساتھ اور افغانوں کے ساتھ بھی' غلامی کا خاتمہ ہوگا اور ہم یہ گریٹ گیم انتہائی باعزت طریقے سے کھیلیں گے اور ہم پہلی عیسائی ریاست ہوں گے جو دنیا کے اس حصے میں ایک مقدس مشن سرانجام دیں گے۔ اس نے اپنے خط کا اختتام لفظ ''انشاءاللہ'' پر کیا۔

ستمبر 1840ء میں آرتھر کنولی 80 ملازمین کے ایک بڑے کارواں کے ساتھ کابل سے روانہ ہوا۔ اس کا سفر ایک ''مقدس'' سفر تھا۔ نا اُمیدیوں کی وادی میں سے راستہ ڈھونڈتے ہوئے ایک آسمانی شہر کا سفر' ایک مظلوم امیر کی نجات اور صرف ایک ہی کیوں لاکھوں ''گمراہوں'' کی نجات کے عظیم مقصد کے ساتھ۔

امیر بخارا کی قید میں... سزائے موت... بشپ جے وولف کی مہم

1841ء کے آغاز میں کیپٹن کنولی خیوا پہنچا۔ انہی دنوں خیوا کے جیالوں نے روسی حملہ پسپا کیا تھا اور خیوا میں جشن و مسرت کا ماحول تھا۔ امیر خیوا نے دوستانہ ماحول میں ان کی عرضداشت سنی۔ وہ روسی قیدیوں کو پہلے ہی رہا کر چکا تھا' جارج روس کے ساتھ دوستی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا' پڑوسی ریاستوں کے ساتھ دوستی کے قیام پر وہ آمادہ نہیں تھے کیونکہ پڑوسیوں خاص کر خوقند کے رویے نامناسب تھے۔ رہا سوال غلاموں کی تجارت کے خاتمے کا تو وہ اس کا کوئی جواز نہیں دیکھتا تھا۔ خان اس بات پر بھی حیران تھا کہ غلاموں کی تجارت بند کرانے سے ان فرنگیوں کو کیا فائدہ پہنچے گا۔ امیر نے کنولی کو بخارا کا سفر کرنے سے منع کیا کیونکہ وہاں اس کی جان کو شدید خطرہ لاحق تھا۔ لیکن ''مقدس مقصد'' کے لیے سفر کرنے والے اس ''سچے عیسائی'' کو کسی خطرے کی پروا نہیں تھی۔ وہ خیوا سے خوقند گیا جو ان دنوں پڑوسی بخارا کے ساتھ جنگ میں مصروف تھا۔ خوقند میں اسے کرنل سٹوڈرٹ کے خطوط ملے جن میں سے ایک میں کہا گیا تھا کہ اسے بخارا کے لیے سفر

Scanned by CamScanner

جاری رکھنا چاہئے اور یہ کہ ان دنوں امیر کا سلوک اس کے ساتھ کافی بہتر ہو گیا ہے اور اسے توقع تھی کہ کنولی کے ساتھ بھی امیر کا روّیہ بہتر ہو گا۔ نومبر 1841ء کے ایک سرد دن کو ہمارا یہ یاتری آفیسر بخارا کے صدر دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے لیے یہ امر خوشگوار اور حیرت کا باعث تھا کہ کرنل سٹوڈرٹ اس کا استقبال کرنے والوں میں شامل تھا۔ ان دونوں کو بخارا کی افواج کے سربراہ کی رہائش گاہ پر ایک کوارٹر فراہم کیا گیا۔

ایک روز امیر نصر اللہ نے اسے دربار میں طلب کیا۔ گفتگو کے آغاز میں امیر کا لہجہ شیریں اور شائستہ اور روّیہ دوستانہ تھا' لیکن پھر یہ تلخ ہوتا گیا۔ اس نے دریافت کیا کہ اتنی بڑی تعداد میں برطانوی ترکستان میں کیا کرتے پھر رہے ہیں پھر اس نے خود ہی جواب دیا کہ یہ سب جاسوس ہیں۔ اس نے کنولی سے پوچھا کہ ملکہ وکٹوریہ نے اس کے ایک سال قبل ارسال کردہ خط کا جواب کیوں نہیں دیا؟ کنولی نے وزیر خارجہ لارڈ پامرسٹین کا ایک خط پیش کیا جس میں ملکہ کو خط ملنے کی تصدیق کی گئی تھی اور اس خط پر غور و خوض کرنے اور برطانوی مفادات کے مطابق اس کا مناسب جواب دینے کے لیے اسے گورنر جنرل ہندوستان کو بھیجنے کا ذکر تھا۔ امیر نصر اللہ کے لیے یہ انتہائی توہین آمیز تھا۔ برطانویوں کی بدقسمتی کہ اس وقت تک کابل سے پسپا ہوتی برطانوی افواج کا افغانوں نے صفایا کر دیا تھا' چنانچہ کنولی کو بھی سٹوڈرٹ کے ساتھ کال کوٹھڑی میں ڈال دیا گیا۔

کنولی زندان سے خطوط سمگل کرتا رہا۔ مارچ میں ایک خط میں اس نے اپنے بھائی کو لکھا ''یہ شاید میرا آخری خط ہو..... شکر ہے کہ میں سٹوڈرٹ کے ساتھ قید میں ہوں اور وہ اکیلا نہیں۔ ہم آخری وقت تک ایک دوسرے کا سہارا بنے رہیں گے۔''

اپریل میں تحریر کردہ ایک خط میں اس نے لکھا ''امیر ایک بڑے لشکر کے ساتھ خوقند کی طرف روانہ ہو گیا ہے۔ ہم انتہائی بری حالت میں ہیں۔ ہمارا لباس بوسیدہ اور غلیظ چیتھڑوں پر مشتمل ہے جو ہم نے گزشتہ 115 دن سے پہن رکھے ہیں۔''

28 مئی 1842ء کو اس کا آخری خط ملا جس میں اس نے اپنی حالت زار کے ساتھ ساتھ بخارا کی خوقند پر فتح کی خبر بھی دی ''امیر نے خوقند کو شکست دے دی ہے اور خوقند کے خان کو موت کے گھاٹ اُتار دیا ہے اور وہ جلد ہی واپس آنے والا ہے۔''

پھر کچھ غیر مصدقہ اطلاعات ملیں جن میں کہا گیا کہ کنولی اور سٹوڈرٹ کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔ آخر مارچ 1843ء کو برطانوی حکومت نے انہیں مردہ قرار دے دیا۔

Scanned by CamScanner

2 جولائی 1843ء کو ''مارننگ ہیرلڈ لندن'' میں بشپ جوزف وولف کا ایک خط چھپا' وہ فارس' بخارا' افغانستان اور ہندوستان میں مشنری رہ چکے تھے۔ انہوں نے پیشکش کی کہ اگر انہیں زادِراہ مہیا کیا جائے تو وہ ان دو بدنصیب برطانوی شہریوں کا کھوج لگانے بخارا جانے کو تیار ہیں۔ ہوسکتا ہے وہ زندہ ہوں کیونکہ ان کی موت کی کوئی مصدقہ خبر ہمارے پاس نہیں۔ چنانچہ ایک کمیٹی بنی اور چندہ جمع کرنے کی مہم شروع ہوئی۔ وزیراعظم لارڈ میلبورن نے بھی 28 پاؤنڈ چندہ دیا۔

14 اکتوبر 1843ء کو ریورنڈ جوزف وولف قسطنطنیہ جانے والے ایک جہاز پر سوار ہو رہے تھے' ان کے اسباب میں مختلف زبانوں میں بائبل کے تراجم' رابن سن کروسو کے عربی ترجمے کے تین درجن نسخے اور تین درجن چاندی کی گھڑیاں موجود تھیں۔ ترکی میں بشپ ڈاکٹر وولف کو ایک حوصلہ افزا خبر ملی۔ نینوا کی کھدائی کرنے والے ماہرِ آثارِ قدیمہ سر ہنری لیئرڈ کی اطلاع کے مطابق وہ دونوں زندہ تھے۔ قسطنطنیہ سے ڈاکٹر وولف ترابزون' ارض روم اور کوہ ارارات سے ہوتے ہوئے تبریز اور وہاں سے اصفہان پہنچے جہاں ان کی شہنشاہ سے ملاقات ہوئی پھر وہ بخارا کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ملنے والے وسط ایشیا سے لوٹنے والے کئی مسافروں نے انہیں بتایا کہ وہ دونوں مارے جاچکے ہیں لیکن ڈاکٹر وولف نے کہا کہ اگر وہ مر چکے ہیں تو میں امیر بخارا سے ان کی لاشوں کا مطالبہ کروں گا اور انہیں انگلستان لے جاؤں گا۔

وہ ترکمانستان کے بے قانون علاقوں میں سے گزرے' مرو میں ایک مسلمان بزرگ نے ان سے گزارش کی کہ وہ بخارا جانے کا ارادہ ترک کردیں کیونکہ وہاں ان کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔ لیکن انہوں نے اس ہدایت کو نظرانداز کردیا اور ایک روز وہ اپنا سفید مذہبی لبادہ اوڑھے انجیل ہاتھ میں لیے بخارا شہر کے دروازے پر کھڑے تھے۔ اہل شہر نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا' صدر دروازے سے امیر کے محل تک سینکڑوں لوگوں نے السلام علیکم' السلام علیکم کہہ کر ان کا استقبال کیا۔ انہیں ملنے والوں میں بخارا کے باسیوں کے علاوہ تاتار تھے' قازق تھے' ازبک تھے' افغان تھے' کشمیری اور ہندوستانی تھے اور اگر نہ تھے تو وہ دونوں برطانوی جن سے ملاقات کے لیے انہوں نے نصف سے زیادہ دنیا کا سفر کیا تھا۔ انہیں بتایا گیا کہ ایک روسی وفد کی موجودگی کی وجہ سے ان کی زندگیاں کافی عرصہ بچی رہیں' روسیوں کی واپسی کے دو ماہ بعد ان دونوں کو سزائے موت دی گئی۔ اس بہانے کہ انہوں نے غیر قانونی طور پر بیرونی دنیا سے رابطہ کیا ہے اور بخارا کے حالات کے متعلق رپورٹیں باہر سمگل کی ہیں۔ 17 جون 1842ء کو انہیں شہر کے مرکزی چوک میں لایا گیا' وہ

Scanned by CamScanner

ایک دوسرے سے گلے ملے' سٹوڈرٹ زور زور سے چلا رہا تھا'' امیر کو بتادو میں (حضرت) عیسیٰ کا ماننے والا اور (حضرت) محمد کا منکر ہوں۔ میں عیسائی تھا' عیسائی ہوں اور عیسائی مر رہا ہوں۔''
جلاد نے ان دونوں کے سر قلم کر دیئے۔

امیر نصر اللہ ڈاکٹر وولف سے احترام کے ساتھ پیش آیا۔ اس نے برطانیہ کے بارے میں بہت سے سوالات کیے۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ کیا ملکہ وکٹوریہ کی شادی ہو چکی ہے اور اگر ہو چکی ہے تو وہ کیسا شوہر ہے جو اپنی بیوی کا محکوم اور رعایا ہے۔ وہ برطانیہ کے بڑے وزراء اور چھوٹے وزراء کے نام جاننا چاہتا تھا۔ بشپ وولف کافی دن بخارا میں رہے۔ وہ لوگوں میں گھل مل گئے۔ شہر کی عبادت گاہوں' مدارس اور لائبریریوں میں جانے لگے۔ شہر کی قدیم یہودی برادری سے ملنے اور ان کے بارے میں معلومات جمع کرنے لگے۔ اس پر شکی مزاج امیر بگڑ گیا اور انہیں جاسوس قرار دے کر جیل میں ڈال دیا اور دھمکی دی کہ اگر انہوں نے اسلام قبول نہ کیا تو انہیں ہلاک کر دیا جائے گا۔ ایک روز جلاد ان کی کوٹھڑی میں آیا اور ان کی گردن پر اپنی انگلیاں پھیر کر مسکرایا۔ ڈاکٹر وولف نے اپنی انجیل کے حاشیے پر اپنی بیوی اور بیٹے کے نام لکھا ''میں تم دونوں سے مرتے دم تک محبت کرتا رہا۔ جے وولف بخارا 1844ء'' لیکن موت کا فرشتہ لوٹ گیا۔ زندگی کا پیغام آ گیا۔ شاہ ایران کے بروقت مراسلے نے ان کی جان بچالی۔ امیر نصر اللہ نے انہیں شاہ کے قاصد کے حوالے کر دیا۔ اگست 1844ء میں وہ بخارا سے روانہ ہوئے اور بحفاظت رچمنڈ میں اپنے گھر پہنچ گئے۔ انہوں نے 5500 میل کا سفر طے کیا۔ انہوں نے اپنی یادداشتوں میں امیر نصر اللہ کی تعریف کی ہے۔ انہوں نے لکھا:

''ہاں وہ ظالم اور مطلق العنان ہے لیکن اس میں خوبیاں بھی ہیں' وہ دولت کو اہمیت نہیں دیتا' رشوت سے نفرت کرتا ہے' غریبوں کا تحفظ کرتا ہے لہٰذا امراء اسے ناپسند کرتے ہیں۔ وہ انگلستان سے نفرت نہیں کرتا بلکہ اس کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کرنا چاہتا ہے لیکن بے تحاشا شکوک و شبہات نے اسے محتاط بنا دیا ہے۔ اسے چیزوں کے بارے میں جاننے کی بہت زیادہ پیاس ہے۔ اس کے حد سے زیادہ محتاط روّیے کی ذمہ داری برطانیہ پر بھی ہے جس نے اس کے خط کا مناسب جواب نہیں دیا۔ اس کے سفیر کو آنے کی اجازت نہیں دی گئی۔''

برطانوی اخبارات نے لکھا کہ جو کام برطانوی وزیر خارجہ اور ملکہ کو کرنا چاہیے تھا وہ شاہ ایران نے کیا اور امیر نصر اللہ جو شاہ ایران کے خط پر ڈاکٹر وولف کی جان بخشی کر سکتا ہے کیا ملکہ

Scanned by CamScanner

برطانیہ کے خط پر آرتھر کنولی اور چارلس سٹوڈرٹ کی جان بخشی نہیں کر سکتا تھا۔

لیکن سرکار برطانیہ کا ضمیر صاف نہیں تھا۔ انہوں نے کنولی کو جاسوسی کے مشن پر ہی بھیجا تھا لہٰذا وہ اس مشن سے ہی مکر گئی۔ گورنمنٹ آف انڈیا نے اعلان کیا کہ کیپٹن کنولی کا مشن بغیر کسی سرکاری اجازت کے تھا لہٰذا کوئی قانونی حیثیت نہیں رکھتا تھا' چنانچہ کنولی کے ساتھ جانے والے ملازمین کو تنخواہیں اور واجبات تک ادا نہیں کیے گئے۔

☆☆☆☆

Scanned by CamScanner

ولیم مور کرافٹ (1825-1767)

ولیم مور کرافٹ بنام سر چارلس مٹکاف...1812ء

''اگر روسی تبت کے اس دُوردراز گوشے میں پہنچ چکے ہیں تو میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ بونا پارٹ اس ملک کے بارے میں تمام اہم معلومات حاصل کر چکا ہے' جہاں آج تک کوئی انگریز نہیں پہنچ سکا حالانکہ یہ کمپنی کے زیر تسلط علاقے سے محض 35 دن کی مسافت پر ہے۔''

''قدیم تجارتی کاروانوں کے راستے روسی فوجیں لداخ سے گزر کر براہِ راست ہندوستان کے میدانوں میں اُتر سکتی ہیں۔ وہ چینی ترکستان کے مسلمانوں سے چین کے خلاف بغاوت کرا سکتے ہیں اور یوں برطانیہ کی چائے کی منافع بخش تجارت کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔''

''حکومت برطانیہ کو ایک فارورڈ پالیسی اختیار کرنا چاہیے... ہمیں چاہیے کہ کابل میں دوست محمد کی حکومت کا خاتمہ کر کے زیادہ معاون اور مددگار شجاع الملک کو تخت حکومت پر بٹھائیں اور یہ کام صرف ایک برطانوی رجمنٹ کر سکتی ہے۔''

Scanned by CamScanner

ولیم مور کرافٹ

(سرجن سے سلوتری؛ لندن کے گھوڑا ہسپتال سے بہار کے سٹڈ فارم تک)

ایبی مور کرافٹ کا بیٹا ولیم 1767ء میں لنکا شائر میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد اس نے لیور پول کے ایک سرجن سے سرجری کی تربیت حاصل کی۔ انہی دنوں لیور پول میں ایک نامعلوم وبا نے مویشیوں کے گلوں کو متاثر کیا۔ ولیم کو بیمار مویشیوں کے علاج کی ذمہ داری سونپی گئی۔ مقامی زمیندار اس کی مہارت اور لگن سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے اسے سرجری ترک کر کے ویٹرنری ڈاکٹر کی تربیت حاصل کرنے کو کہا اور اس کے تمام تر اخراجات برداشت کرنے کی پیشکش کی۔ 1789ء میں وہ فرانس کے شہر لیون میں ویٹرنری ڈاکٹر کی تربیت حاصل کرنے کے لیے گیا۔ ان دنوں انگلستان میں کوئی ویٹرنری کالج نہ تھا۔ ڈگری حاصل کرنے کے بعد وہ وطن واپس آیا اور لندن میں گھوڑوں کے علاج کے لیے ہسپتال قائم کیا۔ اس نے برطانیہ میں پہلا ویٹرنری کالج قائم کرنے کے سلسلے میں بھی گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔

1803ء میں جب نپولین کے مبینہ خطرے کے پیش نظر ایک سویلین رضا کار فوج تشکیل دی گئی تو ولیم اس میں بھرتی ہو گیا اور ایک عمدہ شہسوار کی حیثیت سے سامنے آیا۔ اسے رجمنٹل جنرل کمیٹی کا رکن بنا دیا گیا۔ مور کرافٹ بریگیڈ کی مشقوں میں مدد کرتا اور اہم شخصیات کی فوجی اعزاز کے ساتھ ہونے والی تدفینوں میں بھی۔ مثلاً 1806ء میں لارڈ نیلسن کی تدفین پر رضا کار فوج کا دستہ اس کی قیادت میں سلامی دے رہا تھا۔ اس فوجی زندگی میں اس کے کئی نئے دوست بنے جن میں سے ایک ایسٹ انڈیا کمپنی کا ایک ڈائریکٹر ایڈورڈ پیری تھا۔ ایڈورڈ نے اس سے بنگال میں کمپنی کی گھڑ سوار فوج کے لیے قائم کیے گئے گھوڑوں کے ایک فارم کی نگرانی کی ذمہ

داری سنبھالنے کی گزارش کی اور اسے تین ہزار پاؤنڈ سالانہ ٹیکس فری تنخواہ کی پیشکش کی۔ انڈیا میں اس سے زیادہ تنخواہ صرف گورنر جنرل' کمانڈرانچیف یا چند ایک دیگر حکام کی تھی۔ مور کرافٹ نے یہ پیشکش قبول کرلی صرف پرکشش تنخواہ کی وجہ سے ہی نہیں بلکہ اس لیے کہ اس کام میں گھوڑے بھی تھے' فوج بھی اور ایڈونچر بھی۔ چھ ماہ بعد وہ کلکتہ میں تھا۔ کلکتہ ایک خوبصورت شہر تھا۔ دریائے ہگلی کے کنارے انتہائی گھنے سبزے کے درمیان ایک نیا یورپ اُبھر رہا تھا۔ البتہ ان خوبصورتیوں کا لطف اُٹھانے کی ایک قیمت بھی ادا کرنا پڑتی تھی' حبس' گرمی' مچھروں اور طوفانی مون سون بارشوں کی صورت میں!

ہندوستان پر حاکم کمپنی بہادر کو (ملکہ الزبتھ اوّل نے ایک حکم نامے کے ذریعے تمام تر ضروری عدالتی' انتظامی اور مالی اختیارات دے رکھے تھے) وسیع و عریض ہندوستان میں تیز رفتاری سے نقل و حرکت کے لیے آٹھ سے زیادہ گھڑسوار رجمنٹوں کی ضرورت تھی اور اس سلسلے میں اچھی نسل کے گھوڑوں کی افزائش کے لیے پوسا بہار میں ایک آرمی میجر کی نگرانی میں ہزار ایکڑ رقبے پر ایک سٹڈ فارم قائم کیا گیا تھا۔ لیکن فارم کی کارکردگی ان کی توقعات کے مطابق نہیں تھی اور اس ناقص کارکردگی کی وجوہات عملے کی کاہلی' غفلت شعاری' نااہلی اور بددیانتی تھیں لیکن جب مور کرافٹ وہاں پہنچا تو اس نے ایک اور وجہ بھی بتائی۔ اس نے فارم میں موجود گھوڑوں کی اقسام یعنی ان کی نسل پر عدم اعتماد کا اظہار کیا۔ اس نے تجویز پیش کی کہ اچھی نسل کے گھوڑوں کی تلاش میں ہندوستان کی دُور دراز ریاستوں کے سٹڈ فارموں کے دورے کیے جائیں اور خاص طور پر مختلف علاقوں میں ہونے والے مویشیوں اور گھوڑوں کے میلوں میں جایا جائے۔ اس سلسلے میں اس نے اپنی خدمات پیش کردیں۔ یوں بھی فارم کی حالت بہتر بنانے کی ذمہ داری اس کی تھی۔ کمپنی کے حکام بالا نے بخوشی اس کی منظوری دے دی۔ جنوری 1811ء میں مور کرافٹ نے اپنا سفر شروع کیا۔ آٹھ ماہ میں اس نے پندرہ سو میل کا فاصلہ طے کیا۔ وہ مختلف ریاستوں کے سربراہوں سے ملا' وہاں کے برطانوی ریذیڈنٹوں سے ملاقاتیں کیں۔ گھوڑوں کے تاجروں اور گھوڑوں کی افزائش نسل کرانے والوں سے ملا۔ فوجوں کے زیر استعمال گھوڑے دیکھے۔ اودھ کے نواب سعادت علی کے پاس بے شمار گھوڑے تھے۔ 1500 گھوڑے اور سات سو ہاتھی تو محض اس کے درباریوں کے زیر استعمال تھے اور نواب جب ایک مقام سے دوسرے مقام پر جاتا تو یہ اس کے کارواں میں شامل ہوتے۔ واپس کلکتہ پہنچ کر اس نے جو رپورٹ دی اس کے مطابق اسے

Scanned by CamScanner

مطلوبہ معیار کے جنگی مقاصد کے لیے استعمال کے قابل گھوڑے کہیں بھی نہیں ملے۔ البتہ اس کی معلومات کے مطابق اس قسم کے گھوڑے پنجاب اور راجپوتانہ میں مل سکتے ہیں اور ایک جگہ تو ان کی موجودگی یقینی ہے اور وہ جگہ ہے ''بخارا شریف''۔

جنوری 1812ء میں گورنر جنرل کے باڈی گارڈز کے لیے گھوڑوں کے انتخاب کے سلسلے میں وہ حاجی پور میں تھا' جہاں اس کی ملاقات رچرڈ سٹریچی سے ہوئی جو حال ہی میں پشاور سے لوٹا تھا۔ وہ سر الفنسٹن کے ساتھ پشاور جانے والے کمپنی کے پہلے مشن کا سیکرٹری تھا۔ سٹریچی نے اسے بخارا کے رومانی اور داستانی شہر' قدیم راستوں اور کاروانوں کے بارے میں بتایا۔ یہاں سے مورکرافٹ دلی گیا جہاں کے ریذیڈنٹ چارلس مٹکاف کے ساتھ اس کی دوستی ہوگئی۔ دلی کی سیر کے دوران وہ مختلف کارواں سراؤں میں گیا جہاں اسے کئی تاجر اور جہاں گرد ملے۔ اسے بتایا گیا کہ دنیا کے بہترین گھوڑے بخارا میں ملتے ہیں اور یہ کہ بخارا دنیا میں گھوڑوں کی سب سے بڑی منڈی ہے۔ چارلس مٹکاف کے توسط سے اس نے ایک ایرانی میر عزت اللہ کو کمپنی کے لیے بھرتی کیا اور اسے زادِ راہ دے کر بخارا روانہ کردیا تاکہ وہ راستے کے متعلق معلومات لائے اور ظاہر ہے بخارا اور اس کے گھوڑوں کے بارے میں بھی۔

مورکرافٹ کی بخارا یاترا کی تجویز کمپنی نے مسترد کردی۔ سٹڈ کے ایک سپرنٹنڈنٹ کو جو ان دنوں ہردوار میں تھا اطلاع ملی کہ مطلوبہ قسم کے گھوڑے تبت میں مل سکتے ہیں' تبت کے گھوڑوں کا آئیڈیا مورکرافٹ کو پسند آیا لیکن کمپنی کے حکام اس بارے میں شبہات کا شکار تھے۔ مورکرافٹ اپنی تیاریاں شروع کرچکا تھا۔

سفر تبت... کیپٹن حیدر جنگ ہرسی اور گھوڑوں کے بجائے روسی کتے

تبت کی مہم کے لیے معلومات کے حصول اور تیاریوں کے دوران اس کی ملاقات ایک اور پیدائشی آوارہ گرد اور مہم جو ہرسی سے ہوئی۔ کیپٹن حیدر ہرسی کا باپ ایک برطانوی افسر اور ماں ایک جاٹ خاتون تھی وہ 1805ء میں دریائے گنگا کے منبع کی تلاش میں جانے والی برطانوی مہم کے ساتھ گیا تھا۔ ہرسی اور مورکرافٹ کے درمیان آوارہ گردی کے علاوہ ایک اور قدر مشترک بھی تھی اور وہ تھی دونوں کا ''غیر قانونی بچے'' ہونا۔ کیپٹن حیدر کے نام کے ساتھ اگرچہ باپ کا نام جڑا ہوا تھا اور وہ باپ کے ترکے کا وارث بھی تھا لیکن کیونکہ وہ اس کی نیٹو والدہ کو سفید لبادۂ عروسی پہنا کر

Scanned by CamScanner

کسی چرچ میں نہیں لے گیا تھا لہٰذا مہذب اور معزز برطانویوں کے نزدیک وہ ناجائز بچہ تھا چنانچہ اس کے لیے ترقی کی تمام راہیں مسدود تھیں نہ وہ دیگر اعلیٰ افسروں کے بچوں کے ساتھ تعلیم پا سکتا اور نہ ہی اچھی ملازمت حاصل کرسکتا تھا' لیکن جاٹ ماں کے بیٹے حیدر جنگ نے اپنی راہیں خود نکالیں۔ سولہ سال کی عمر میں وہ نواب اودھ کی فوج میں بھرتی ہوگیا اور صرف ایک سال بعد وہ قلعہ آگرہ کا ڈپٹی کمانڈر بن گیا۔ کچھ عرصہ بعد اس نے اودھ کی ملازمت ترک کردی اور اپنی ذاتی گھڑسوار رجمنٹ بنالی اور معقول معاوضے پر مرہٹہ جنگوں میں برطانیہ کا ساتھ دیا۔ 39 سال کی عمر میں اس نے ایک مقامی ریاست کی شہزادی کے ساتھ شادی کی جو جہیز میں برٹش انڈیا کی آخری حدود کے قریب بریلی کے علاقے میں ایک بڑی جاگیر لائی۔ اس کی جاگیر میں ایک پہاڑی درّہ بھی تھا جو نیپالی گورکھاؤں کے زیرقبضہ ہمالیائی پہاڑوں میں کھلتا تھا۔ کیپٹن ہرسی کا جیب خرچ اس درّے کی راہداری سے پورا ہوتا تھا۔ لیکن اس درّے نے اس کے لیے مسائل بھی پیدا کیے۔ اس کی برطانویوں کے ساتھ بھی چپقلش رہی اور گورکھاؤں کے ساتھ بھی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ مورکرافٹ اور ہرسی کے ساتھ تبت کی مہم کے ساتھیوں میں ایک مضبوط دلیر اور وفادار افغان غلام حیدر خان' ایک پختہ عمر ہندو برہمن پنڈت ہربالم اور پچاس دیگر افراد تھے۔ پنڈت جی اپنی جوانی میں تبت یاترا کرچکے تھے۔ ان کے مشورے پر مورکرافٹ اور ہرسی نے سفید احرام نما لبادے پہنے' سرخ پگڑیاں باندھیں' چہروں اور گردنوں کو اخروٹ کے عرق سے رنگا گیا اور پھر جلے ہوئے گوبر کی راکھ ملی گئی' آنکھوں میں کاجل کی لمبی لکیریں کھینچی گئیں۔

18 اپریل 1812ء کو مورکرافٹ نے کلکتہ ہیڈ آفس کو سفر تبت کے آغاز سے آگاہ کیا اور تین ہفتے بعد وہ 54 افراد پر مشتمل ایک کارواں کے ساتھ اپنے دوست حیدر ہرسی کی جاگیر میں موجود ہمالیائی درّہ عبور کررہے تھے۔ مورکرافٹ پودوں' جانوروں' انسانوں' لینڈسکیپ غرض راستے میں موجود ہر چیز کا ریکارڈ رکھ رہا تھا۔ ان کے ساتھ موجود پنڈت جی کا بھتیجا ہرک دیو اپنے چوبیس انچ کے قدم اپنی مالا پر گن رہا تھا اور باقاعدگی کے ساتھ ہرسی کو اس سے آگاہ کرتا تھا۔ کارواں جب ہمالیائی بلندیوں پر پہنچا تو انہوں نے گھوڑوں کے بجائے یاک پر سفر کیا۔ 12 ہزار فٹ کی بلندی پر واقع گاؤں نٹی Niti میں انہیں روک لیا گیا کیونکہ تبت کی حکومت کی طرف سے ملک میں داخلے کی کوشش کرنے والے غیرملکیوں کو باہر دھکیل دینے کے سخت احکامات تھے۔ مقامی لوگ وادی 'جوہر' کے 'رواۃ' تھے جن کے آباؤاجداد راجپوتانہ سے بارہویں صدی میں یہاں

Scanned by CamScanner

آئے تھے۔ اپنے عمدہ رویئے سفارتکارانہ صلاحیتوں' دل موہ لینے والی مسکراہٹ اور اپنی طبی مہارت کی بنا پر مورکرافٹ نے دو با اثر رواتوں دیب سنگھ اور بیر سنگھ کو دوست بنالیا۔ تبت سرکار کے احکامات پس پشت ڈال دیئے گئے اور کارواں دیب سنگھ کے بیٹے امر سنگھ کی رہنمائی میں نتی کا دشوار گزار درّہ عبور کرکے برفانی ہواؤں کا سامنا کرتا' برف سے ڈھکی سطح مرتفع پر سفر کرتا مقدس کیلاش پربت کے نزدیک ہوتا جارہا تھا۔ امر سنگھ نے انہیں تیرہ ہزار فٹ بلندی پر واقع صوبائی دارالحکومت گرتوک پہنچادیا۔ گرتوک میں وہ یورپی نسل کے کتے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ لکھتا ہے کہ ''جیسے ہی انہوں نے مجھے دیکھا مجھ پر چڑھ دوڑے لیکن ان کا انداز مخاصمانہ نہیں دوستانہ تھا۔ یوں لگتا تھا کہ انہوں نے کسی پرانے بچھڑے ہوئے دوست کو پہچان لیا ہو۔ پھر انہوں نے ایک کرتب دکھایا جو صرف ایک تربیت یافتہ فوجی کتا ہی کرسکتا ہے۔ میرے دریافت کرنے پر بتایا گیا کہ یہ کتے ''اُورو'' (روسی) لائے تھے۔''

مورکرافٹ نے دلی میں اپنے دوست چارلس مٹکاف کو خط میں لکھا:

''اگر اُوروتبت کے اس دُور دراز گوشے میں پہنچ چکے ہیں تو میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ بوناپارٹ اس ملک کے بارے میں تمام اہم معلومات حاصل کرچکا ہے۔ جہاں آج تک کوئی انگریز نہیں پہنچ سکا حالانکہ یہ کمپنی کے زیرتسلط علاقے سے محض 35 دن کی مسافت پر ہے۔''

اگرچہ مورکرافٹ اس وقت یہ نہیں جانتا تھا کہ نپولین بوناپارٹ کی چھ لاکھ فوج دریائے نیمن عبور کرکے روس پر حملہ آور ہوچکی ہے لیکن بہرحال اس کی ذہانت نے صرف دو روسی کتوں کو دیکھ کر اس تمام صورتِ حال کو بھانپ لیا جو ایک پوری صدی تک برطانیہ کا دردِسر بنی رہی۔

گرتوک میں وہ مقامی گورنر گارپون سے ملے' اسے تحائف پیش کیے اور مقدس کیلاش پربت' مانسرور جھیل اور راکھشس تھال جھیل کی زیارت کی خواہش ظاہر کی اور ساتھ ہی گھوڑوں اور پشمینہ کی تجارت کے بارے میں بھی گفتگو کی۔ گارپون نے انہیں مقدس مقامات کی یاترا کی بخوشی اجازت دے دی۔ پشمینہ اور گھوڑے فروخت کرنے پر بھی آمادگی ظاہر کی لیکن شالوں کی اون پیدا کرنے والی بکریوں کی فروخت سے معذرت کی۔ جب دورانِ گفتگو مورکرافٹ نے ''اُوروؤں'' کا تذکرہ کیا تو گارپون کے چہرے پر سختی اور سردمہری آگئی اور اس نے موضوع بدل

Scanned by CamScanner

دیا لیکن بعدازاں انہیں دیگر لوگوں سے علم ہوا کہ روسی تبت' کشمیر اور چینی ترکستان کے شہروں میں باقاعدگی کے ساتھ آتے رہتے ہیں۔

ولیم مور کرافٹ اور حیدر ہرسی پہلے برطانوی تھے جنھوں نے 14950 فٹ کی بلندی پر واقع ان دو مقدس جھیلوں کی زیارت کی' 200 مربع میل رقبے پر مشتمل جھیل مانسرو ور جس کے پانیوں میں 22085 فیٹ بلند کوہ کیلاش منعکس ہوتا ہے جو شیو بھگوان کا مسکن ہے اور اس جھیل میں سے چار عظیم دریا سندھ' ستلج' برہم پترا اور گنگا جنم لیتے ہیں۔100 مربع میل وسیع وعریض راکشس تھال میں سے ستلج کی ایک شاخ نکلتی ہے۔ یہ ولیم مور کرافٹ اور حیدر ہرسی تھے جنھوں نے سب سے پہلے دنیا کو اس علاقے کے بارے میں معلومات فراہم کیں۔ تبت سے وہ دریائے ستلج کی وادی کے راستے واپس آئے۔ انہیں دو نیپالی ریاستوں کماؤں اور گڑھ وال میں سے گزرنا تھا جو گورکھا سپاہیوں کی زیرنگرانی تھیں۔ کماؤں اپنے شیروں کی وجہ سے مشہور ہے اور گڑھ وال اپنے سپاہیوں کی وجہ سے' آج بھی ہندوستانی فوج میں گڑھ وال رجمنٹ اور پیرا ملٹری گڑھ وال رائفلو خاصی شہرت کی حامل ہیں۔ گورکھوں کو اخروٹ سے رنگی جلدوں اور پگڑیوں کی مدد سے بیوقوف نہیں بنایا جاسکا' چنانچہ انہیں گرفتار کرلیا گیا۔ آٹھ عدد یاک اور نٹی کے دیہات سے حاصل کردہ پشمینہ کی بکریاں قبضے میں لے لی گئیں۔ مور کرافٹ قید سے گورنر جنرل کے نام ایک خط سمگل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ گورنر جنرل نے بادشاہ نیپال سے ان کی رہائی کی اپیل کی' چنانچہ انہیں رہائی نصیب ہوئی۔ کلکتہ میں کمپنی کے حکام تبتی جھیلوں' پشمینہ کی بکریوں یا روسی کتوں میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ مور کرافٹ پر فرائض میں کوتاہی اور اختیارات سے تجاوز کے الزامات عائد کرکے جواب طلبی کی گئی..... لیکن اس بار اسے معافی مل گئی۔

لاہور سے لداخ' مختی ریفائلوف یا آغا مہدی کشمیر کی مظلوم ریاست

چار سال بعد مور کرافٹ نے ایک بار پھر اپنے اعلیٰ حکام کو بخارا کے گھوڑوں کی خریداری کے لیے یادداشت تحریر کی تو جواباً اسے سختی کے ساتھ کہا گیا کہ وہ فارم میں اپنے امور پر توجہ دے' رومانوی سرگرمیوں میں وقت ضائع نہ کرے اور دریائے آمو کے پار جانے یا چینی حدود میں داخلے سے باز رہے۔ لیکن اس حکم نامے کی سیاہی ابھی خشک نہ ہوئی تھی کہ مور کرافٹ وسط ایشیا سے ترکمان گھوڑے حاصل کرنے کا منصوبہ تحریر کرچکا تھا۔ 1819ء میں اس کے دوست چارلس

Scanned by CamScanner

منکاف نے جواب سیاسی اور خفیہ محکمہ جات کا سربراہ تھا' اسے برطانوی فوجی استعمال کے لیے عمدہ گھوڑوں کے حصول کے لیے شمال مغربی ایشیا کے سفر کی اجازت دلوادی۔ تیاریوں میں ایک سال صرف ہوا' اس بار اس کے ساتھ میر عزت اللہ' غلام حیدر خان اور ایک اُنیس سالہ انگریز وکیل جارج ٹریبک تھے۔ ٹریبک کے کہنے پر مور کرافٹ نے اپنی وصیت تحریر کی اور اپنی دونوں بیویوں..... جی ہاں! لندن میں موجود میری اور ہندوستانی بیوی پری خانم جو اس کے بچوں اینی اور رچرڈ کی ماں تھی..... کے نام کیپٹل ٹرسٹ قائم کیے' اس کی وفات کے بعد یہ سرمایہ بچوں کو منتقل ہو جانا تھا۔

6 مارچ 1820ء کو 300 افراد پر مشتمل قافلہ روانہ ہوا' جس میں بارہ گورکھا محافظ فوجی تھے' کلکتہ کی مختلف کمپنیوں کی چار ہزار پاؤنڈ مالیت کی اشیائے تجارت تھیں۔ اس کے پاس انگریزی' فارسی' روسی اور چینی میں کمپنی کے مہر شدہ خطوط تھے' جس میں اسے ایک ملازم قرار دیا گیا تھا' جو گھوڑوں کی تلاش میں سفر کر رہا ہے۔ اس نے گورنر جنرل سے امیر بخارا کے نام ایک تعارفی خط کے حصول کے لیے درخواست کی تھی' جو مسترد کر دی گئی۔

مور کرافٹ کا فیلڈ ہسپتال اس کا بین الاقوامی پاسپورٹ تھا' جس کی وجہ سے اسے ہر جگہ پذیرائی ملتی تھی۔ سب سے پہلے وہ لاہور پہنچا کیونکہ جن علاقوں سے اس نے گزرنا تھا وہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی عملداری میں تھے۔ رنجیت سنگھ کے دربار میں طلبی سے قبل لاہور میں اس کے فیلڈ ہسپتال نے کام شروع کر دیا تھا۔ اس نے سفید موتیے کے چالیس آپریشنز کے علاوہ کینسر' ہائیڈروسیل اور کئی دیگر آپریشن کیے۔ دربار میں حاضری پر مور کرافٹ نے مہاراجہ کی خدمت میں تحائف پیش کیے جن میں پستولوں کے ہولسٹر اور ایک توپ کا ماڈل شامل تھے۔ مہاراجہ نے تحائف کو پسند کیا' اسے اپنے ذاتی اصطبل کے گھوڑے دکھائے اور اپنی صحت کے مسائل سے آگاہ کیا۔ کچھ حقیقی تھے اور زیادہ تر مفروضہ' مور کرافٹ نے بھی Placibo علاج تجویز کیا۔ مہاراجہ نے اسے 'کلووادی' کے راستے لداخ میں داخل ہونے کا اجازت نامہ دیا' جہاں سے وہ یارقند کے راستے بخارا جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ لاہور میں جس جگہ وہ قیام پذیر رہا وہ شالامار باغ کے سامنے ہے اور آج بھی وہاں ایک تختی موجود ہے "ولیم مور کرافٹ سیاح"۔

لاہور سے وہ کانگڑہ پہنچے جو ایک ہندو ریاست تھی اور سکھوں کے جبر کا شکار' وہاں سے دریائے بیاس عبور کر کے اگست 1820ء میں وہ کلووادی میں داخل ہوئے' جہاں ہرے بھرے جنگل تھے' ندیاں اور آبشاریں تھیں' پہاڑی ڈھلوانیں چیڑ' دیودار اور صنوبر کے درختوں سے ڈھکی ہوئی

Scanned by CamScanner

تھیں۔13300 فیٹ بلند روہتنگ پاس عبور کر کے وہ لداخ کی ہمالیائی سلطنت میں داخل ہوئے۔تبتی شکلوں والے مقامی بدھسٹ لوگوں کا رویہ ان کے ساتھ دوستانہ تھا۔مور کرافٹ کے پاس کمپاس، بیرومیٹر اور تھرما میٹر تھے اور وہ انتہائی درستی کے ساتھ سروے کر رہا تھا۔لداخ میں جب اس کارواں کی خبر پہنچی تو وہاں سے ایک مسلم ایلچی روانہ کیا گیا۔حسن اتفاق سے میر عزت اللہ اور ایلچی پیر بھائی نکل آئے، چنانچہ لداخی حکام کے ساتھ اہل قافلہ کا ایک رشتہ قائم ہو گیا۔لداخ کے مشرق میں چین، مغرب میں ایک افغان صوبہ کشمیر (جو حال ہی میں سکھوں نے افغانوں سے چھین لیا تھا) اور شمال میں روسی سلطنت تھی۔جب ستمبر 1820ء میں مور کرافٹ لیہ میں داخل ہوا تو وہاں پہنچنے والا پہلا انگریز تھا۔شہر میں ایک روسی ایلچی آغا مہدی کی متوقع آمد کی خبر گرم تھی۔

مور کرافٹ کا کلینک یہاں بھی خوب چلا۔اس کے مریضوں میں ریاست کے اعلیٰ عہدیدار، سب سے بڑی مسلم مسجد کا امام، سب سے بڑی بدھ خانقاہ کا لامہ، محل کے اصطبل کا ہیڈ سائس اور کئی کشمیری تاجر شامل تھے۔مور کرافٹ نے لداخ کے بارے میں ایک انسائیکلوپیڈیا ترتیب دیا جس میں لینڈ سکیپ، موسم، آب و ہوا، نباتات، حیوانات، رقص و موسیقی، غرض کون سا ایسا مضمون تھا جو تشنہ چھوڑا گیا ہو۔

مور کرافٹ لداخ کو برطانیہ کے لیے بہت اہم قرار دیتا تھا، وہ اسے وسط ایشیا کا صدر دروازہ جبکہ چین کا عقبی دروازہ قرار دیتا تھا۔وہ لداخ پر برطانیہ کا حق حکمرانی جائز سمجھتا تھا کیونکہ ایک دور میں لداخ دلی کے مغل بادشاہوں کا باجگزار رہا تھا اور اب بھی انگریزوں کے زیر سایہ دلی میں ایک علامتی مغل بادشاہ موجود تھا لہٰذا لداخ برطانوی وراثت تھا۔مستقبل میں ترکستان اور چین کے ساتھ برطانوی تجارت کی ایک اہم منڈی اور روسی جارحیت کے مقابلے کے لیے ایک بڑا فوجی اڈہ.....مور کرافٹ نے برطانوی ریذیڈنٹ متعین دلی اور گورنر جنرل ہند مقیم کلکتہ کو لداخ کے راجہ کی طرف سے برطانوی تحفظ میں آنے کی درخواست ارسال کی۔وہ اتنا جذباتی ہوا کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کو بھی ایک خط لکھ مارا کہ لداخ برطانوی وراثت ہے اور راجہ لداخ نے برطانیہ کے ساتھ الحاق کر لیا ہے لہٰذا وہ لداخ سے خراج طلب کرنا اور اسے ڈرانا دھمکانا بند کر دے۔اس کے دوست چارلس مٹکاف اس وقت دلی سے تبدیل ہو کر حیدر آباد جا چکے تھے۔مہاراجہ نے مور کرافٹ کا توہین آمیز اور ''نامعقول'' خط بغیر کسی رائے اور تبصرے کے دلی کے ریذیڈنٹ کو بھیج دیا جو اسے دیکھ کر ششدر رہ گیا۔کمپنی مہاراجہ کے ساتھ اچھے تعلقات کو بہت اہمیت دیتی تھی چنانچہ مور کرافٹ

Scanned by CamScanner

کے روپے کو غیر ذمہ دارانہ اور حیثیت سے تجاوز قرار دیا گیا۔ اس کی تنخواہ روک دی گئی اور اسے اپنی سرگرمیاں فوراً ترک کر دینے کو کہا گیا۔ چینیوں نے اسے یارقند میں داخلے سے منع کر دیا تھا۔ دریائے سندھ کی گزرگاہ اور تبتی گدھوں کے بارے میں تحقیق شدید سردی کی وجہ سے نامکمل رہ گئی تھی اور کم از کم دو بار اس کی جان لینے کی کوشش کی گئی۔ ایک بار گولی اور دوسری بار زہر کے ذریعے' لیکن اس نے حوصلہ نہیں ہارا۔ اس نے لیہہ کے اطراف کے علاقوں کا سروے جاری رکھا۔ وہ دراس میں تھا (دراس کو اہل پاکستان اور ہند کارگل کی لڑائی کے حوالے سے خوب جانتے ہوں گے) کہ اس کی ملاقات ایک یورپین سیاح سے ہوئی۔ یہ ایک ہنگرین تھا الیگزینڈر کسوما' وہ تبت میں ہنگرین زبان کی ایشیائی جڑیں تلاش کرنے آیا تھا' اگرچہ اسے ایسی کوئی جڑیں تو نہ ملیں لیکن وہ تبتی زبان کی پہلی باقاعدہ لغت اور گرامر مرتب کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہیں آغا مہدی کا ایک خط ولیم کے ہاتھ لگا جو روسی زبان میں تھا۔ اس نے کسوما سے خط کا ترجمہ کرایا۔ یہ ایک عام سا تعارفی خط تھا لیکن مور کرافٹ کے تخیل کی بلند پروازی کو بھلا کون روک سکتا تھا' اس نے فوراً اس خط کو وسط ایشیا پر بالادستی اور برطانوی ہند کی سلامتی کو خطرے میں ڈالنے کی روسی سازش کا ایک ثبوت قرار دے دیا۔ اپریل 1821ء میں آغا مہدی کا کارواں لیہہ پہنچا لیکن یہ اپنے لیڈر کے بغیر تھا جو دورانِ سفر ایک بلند برفانی درّے میں ہلاک ہو چکا تھا۔ آغا مہدی کا اصل نام مختی ریفا کلوف تھا۔ وہ روس سے زار کا ایک خط اور تحائف لداخ کے راجہ کے لیے لایا تھا۔ یہاں سے وہ یارقند کے راستے چین گیا تھا اور اب واپسی کے سفر پر تھا۔ مور کرافٹ کو یقین تھا کہ اسی نے اس کے یارقند داخلے پر پابندی لگوائی تھی۔ اسے یہ بھی یقین تھا کہ زار کے ایجنٹ روسی سرحد سے سینکڑوں میل دُور ہندوستان پر حملے کے لیے راستوں کا سروے کرتے پھر رہے ہیں۔ شاید ہی اس کے ذہن میں یہ آیا ہو کہ ہزاروں میل دُور سات سمندر پار سے آنیوالے برطانوی یہاں کیا کرتے پھر رہے ہیں..... لیکن اس کا ذہن رسا ضرور اس کا کوئی جواز تراش لیتا ہوگا۔ مور کرافٹ کی رائے میں قدیم تجارتی کاروانوں کے راستے روسی فوجیں براستہ لداخ بلا روک ٹوک ہندوستان میں داخل ہو سکتی ہیں اور پھر وہ چین میں داخل ہو کر برطانیہ کی چائے کی تجارت کا بھی خاتمہ کر سکتی ہیں کیونکہ حال ہی میں زار برطانیہ کے ساتھ مل کر نپولین کے خلاف جنگ لڑ چکا تھا لہٰذا کلکتہ میں مور کرافٹ کی رپورٹوں کو کوئی اہمیت نہ دی گئی۔ اسے خوابوں کی دنیا میں رہنے والا ایک شخص قرار دیا گیا لیکن صرف ایک عشرے کے بعد اس کی رپورٹس پرانی الماریوں کے نچلے خانوں میں سے برآمد کی گئیں

Scanned by CamScanner

اور جھاڑ پونچھ کر برطانوی خارجہ پالیسی کا حصہ بنادی گئیں۔

ستمبر 1822ء میں مورکرافٹ کا قافلہ دو سال لداخ میں گزارنے کے بعد یارقند کے بجائے کشمیر کے راستے بخارا جانے کے لیے کشمیر کی طرف روانہ ہوا۔ کشمیر مستشرقین کے لیے ایک خواب تھا' ایک جنت' ایک شنگریلا۔ مورکرافٹ اور ٹریبک چالیس سال بعد کشمیر میں داخل ہونے والے پہلے مغربی تھے۔ مورکرافٹ کے ''نامعقول'' خط کے باوجود سرینگر کے سکھ گورنر نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی طرف سے ان کی شاندار پذیرائی کی۔ مورکرافٹ ہفتے میں دو دن ہسپتال چلاتا تھا اور باقی پانچ دن کشمیر کی جھیلوں' جنگلوں' مساجد' مقابر' خانقاہوں اور کھنڈرات کی کھوج میں گزارتا۔ اس نے لکھا کہ ''عوام مصائب کا شکار ہیں' سکھوں نے عوام پر بھاری اور ظالمانہ ٹیکس لگائے ہوئے ہیں' کشمیر کی یہ حالت اسے روسی حملے کے لیے خاصا سازگار بنادے گی اور روسی مداخلت کار جب ایک بار یہاں داخل ہوگئے تو کشمیر کے اطراف واقع بلند پہاڑ اس پوری وادی کو ان کے لیے ایک محفوظ قلعہ بنادیں گے۔''

جب مورکرافٹ کشمیریوں کی مظلومیت کا تذکرہ کررہا تھا تو اس کے ذہن کے کسی دور دراز گوشے میں بھی یہ خیال نہ اُبھرا ہوگا کہ اس کی سرکار اس ریاست کو ڈوگروں کے ہاتھ فروخت کرکے کشمیریوں کے مصائب میں مزید اضافہ کردے گی اور یہ تو وہ سوچ بھی کیسے سکتا تھا کہ 125 سال بعد اس کے ہم قوم ہندوستان چھوڑ کر بھاگیں گے تو کشمیر کو ایک ایسی حالت میں چھوڑ جائیں گے کہ کشمیری دو طاقتور فوجوں کے درمیان یوں پستے رہیں گے جیسے چکی کے پاٹوں میں دانے پستے ہیں۔ مورکرافٹ نے کشمیر کی شال بافی کی صنعت کا گہرا مطالعہ کیا' اس نے کشمیری شالوں کے 34 نمونوں کی ڈرائنگ بنائیں جو بعدازاں برطانیہ میں شال بافی کی صنعت کی ترقی میں بے پناہ مددگار ثابت ہوئیں۔

امیر کابل کا بھتیجا' مراد بیگ ازبک کا قیدی... باختر کا مدفون

ولیم مورکرافٹ کشمیر سے راجوری کی چھوٹی سی ریاست میں پہنچا۔ درّۂ پیر پنجال عبور کیا اور پھر دریائے سندھ کی طرف گیا جس کے پار افغان قبائل تھے۔ دریائے سندھ عبور کرکے اکوڑہ کے مقام پر کیمپ کیا۔ دریائے کابل کے کنارے انہیں مسلح گھڑسواروں کا ایک دستہ ملا۔ یہ خٹک قبیلے کے سردار عباس خان کے آدمی تھے۔ انہوں نے انتہائی شائستگی کے ساتھ مورکرافٹ سے ٹیکس

Scanned by CamScanner

ادا کرنے اور سردار کی آمد تک رُکنے کے لیے کہا' اتنی ہی شائستگی کے ساتھ مورکرافٹ نے انکار کر دیا۔ اگلی صبح ان کے قافلے کو مسلح گھڑسواروں نے گھیر لیا۔ مورکرافٹ نے انتہائی دلیری کے ساتھ اس صورتِ حال کا سامنا کیا' اس کے محافظوں نے لڑائی کے لیے صفیں بنائیں' غیر مسلح افراد کو پیچھے لے جایا گیا اور ٹریبک توپ کو آگے لے آیا (انہوں نے کشمیر سے ایک چھوٹی توپ حاصل کی تھی)۔ مورکرافٹ نے جیسے ہی توپچی کو بلند آواز میں بارود کو شعلہ دکھانے کے لیے کہا خنک منتشر ہو گئے۔ اس فتح سے پشاور اور اس کے اطراف کے قبائلیوں میں مورکرافٹ کے نام کی دُھوم مچ گئی۔ پشاور میں ایک ہیرو کی طرح اس کا استقبال کیا گیا' دسمبر 1823ء میں وہ پشاور میں داخل ہوا۔ اس سے قبل اہل پشاور نے 1809ء میں برطانوی ایلچی مانسٹورٹ ایلفنسٹن کو دیکھا تھا جو فرانسیسی حملے کی صورت میں مدد کے حصول کے لیے معاہدہ کرنے کابل جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ پشاور میں مورکرافٹ کے میزبان سردار دوست محمد کے بھائی تھے اور وہ شاہ شجاع کو تخت کابل سے ہٹانے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ انہوں نے مورکرافٹ سے بھی ساتھ دینے کو کہا لیکن اس نے یہ کہہ کر معذرت کی کہ وہ تو ایک معمولی سا گھوڑوں کا سوداگر ہے۔ اس کے میزبانوں نے وزیری گھوڑوں کی تعریف کی اور اپنے آدمیوں کے ساتھ اسے وزیرستان بھیجا جہاں اس کی بہادری کی شہرت پہلے ہی پہنچ چکی تھی' لیکن وزیری گھوڑے بھی اس کے معیار پر پورے نہ اُترے۔ اپریل 1824ء میں اسے کلکتہ سے اپنے حکام بالا کا خط ملا جس میں کہا گیا تھا کہ اس نے اپنے اصل مشن میں کوئی قابل ذکر پیش رفت نہیں کی۔ اگرچہ اس کی بھیجی ہوئی اطلاعات بہت قیمتی اور اس کا قومی جذبہ قابل تعریف ہے لیکن اس بنیاد پر اسے سٹڈ فارم پر اصل فرائض سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا جا سکتا' لہٰذا اگر وہ کابل کے نواح میں نہیں پہنچا تو اسے فوراً لوٹ آنا چاہئے۔ ہاں! البتہ اگر وہ کابل کے مضافات میں پہنچ چکا ہے تو پھر بامر مجبوری بخارا کا سفر جاری رکھ سکتا ہے۔ مورکرافٹ نے اس جملے سے فائدہ اُٹھایا اور پشاور کو کابل کا نواح قرار دیتے ہوئے کابل کی طرف سفر کا آغاز کر دیا۔

مورکرافٹ کا قافلہ درۂ خیبر سے گزرا جس کی بلند پہاڑیوں پر مسلح آفریدی قبائل بیٹھے تھے لیکن مورکرافٹ کو ان کے سرداروں کا تحفظ حاصل تھا لہٰذا وہ بحفاظت یہاں سے گزر کر جلال آباد پہنچ گیا اور وہاں سے کابل۔ جون 1824ء میں جب وہ کابل میں داخل ہوا تو امیر دوست محمد شاہ شجاع کو ہٹا کر بالا حصار میں براجمان ہو چکا تھا۔ مورکرافٹ نے دوست محمد خان کو ایک دونالی بندوق کا تحفہ پیش کیا جسے امیر نے بہت پسند کیا اور اس نے اس کے پورے وفد کو اپنے ''بھتیجے''

قرار دیا اوران کے ساتھ بہت شفقت و محبت سے پیش آیا لیکن "چچا" کی یہ "محبت" بھتیجے کو قائل نہ کرسکی اور اس نے اپنی حکومت کو لکھا کہ دوست محمد خان کو ہٹا کر شاہ شجاع کو دوبارہ برسر اقتدار لانا برطانیہ کے لیے فائدہ مند ہے اور اس کام کے لیے ایک رجمنٹ فوج کافی ہوگی اور روسی پیش قدمی کو روکنے کے لیے برطانیہ کو اپنی "فارورڈ پالیسی" اپنانا چاہیے۔ آرتھر کنولی کی "گریٹ گیم" کی طرح مورکرافٹ کی فارورڈ پالیسی کو بے پناہ شہرت ملی اور بعدازاں برطانیہ نے انہی خطوط پر فارورڈ پالیسی کو اپنایا۔

اگست میں کابل میں بغاوت ہوئی تو مورکرافٹ بامیان چلا گیا' جہاں اس نے دو عظیم الشان مجسمے دیکھے ایک 175 فیٹ بلند اور دوسرا 125 فیٹ ۔ اُوپر چٹان پر اس نے چارکول کے ساتھ اپنا نام لکھا جو 1960ء تک پڑھا جاسکتا تھا۔ ہندوکش عبور کرنے کے بعد وہ ازبک جنگجو سرداروں کے علاقے میں داخل ہوئے اور ایک خونخوار لٹیرے سردار قندوز کے حاکم مراد بیگ کے ہتھے چڑھ گئے جو 1500 سواروں کے ساتھ افغانستان اور بخارا کے درمیان علاقے پر دھاوے بولتا تھا اور دہشت کی علامت بنا ہوا تھا (کیا آج بھی اس علاقے کے سردار ایسے ہی نہیں؟ رشید دوستم' عطا محمد اور عبدالمالک پہلوان وغیرہ)۔ مراد بیگ نے انہیں جاسوس کہا' تمام تعارفی خطوط کو کاغذ کے فضول پرزے قرار دیا اور قافلے کی رہائی کے لیے بھاری تاوان کا مطالبہ کیا۔ آزمودہ کار میر عزت اللہ جو بیمار تھا' پشاور چلا گیا۔ بیشتر ملازمین ساتھ چھوڑ گئے۔ اس موقع پر پشاور سے بھرتی کیا جانے والا ایک نیا ریکروٹ میر وزیر احمد کام آیا۔ اس نے مورکرافٹ سے کہا کہ اگر وہ یہاں سے نکل کر ازبک لباس پہن کر 150 میل دُور طالقان میں پیر قاسم جان خواجہ تک پہنچ جائے تو وہ انہیں مراد بیگ کے شر سے بچا سکتا ہے۔ چنانچہ مورکرافٹ نے بھیس بدلا اور رات کی تاریکی میں نکل گیا وہ دو راتوں کا مسلسل سفر کر کے پیرزادہ تک پہنچا اور گڑگڑا کر مراد بیگ سے رہائی کے لیے امداد طلب کی۔ پیرزادہ کو ترس آ گیا اور اس کی مداخلت پر معاملہ صرف دو ہزار روپے میں طے پا گیا۔ انہیں دریائے آمو پار کر کے بخارا کی طرف سفر جاری رکھنے کی اجازت مل گئی۔

فروری 1825ء میں وہ پیدل بخارا شہر میں داخل ہوئے کیونکہ غیر مسلم شہر کے اندر گھوڑوں پر سوار نہیں ہوسکتے تھے۔ وہ پانچ سال کے طویل سفر کے بعد اپنی منزل مقصود' اپنے خوابوں کے نگر پہنچے تھے لہٰذا بخارا کی مسجدوں' مدرسوں اور مقابر کے میناروں کو زائرین کی سی عقیدت کے ساتھ دیکھتے تھے اس کے آدھے سے زیادہ ساتھی ساتھ چھوڑ کر جا چکے تھے' خوراک

Scanned by CamScanner

کا ذخیرہ قریب الختم تھا۔

مورکرافٹ نے بخارا کی مساجد مدارس لائبریری نہروں اور باغات کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ اس کے مطابق چنگیز خان نے اس شہر کی مساجد اور لائبریریوں کو نذر آتش کردیا تھا۔ نکولو پولو اور مافیو پولو جو بالترتیب مارکو پولو کے والد اور چچا تھے تیرھویں صدی میں یہاں آئے تھے اور ایک برطانوی تاجر انتونی جینکنسن 1555ء میں بخارا آیا تھا۔ اس نے زار ''ایوان خوفناک'' کو دوست بنالیا تھا اور اس کی مدد سے یہاں پہنچنے میں کامیاب ہوا تھا۔ وہ بخارا کی منڈی میں برطانوی مصنوعات کی جگہ بنانا چاہتا تھا لیکن اسے مایوسی ہوئی تھی۔ مایوسی تو مورکرافٹ کو بھی ہوئی جو برطانوی مصنوعات ساتھ لایا تھا اور انہیں بخارا میں فروخت کر کے ان کے منافع کی رقم سے گھوڑے خریدنا چاہتا تھا لیکن یہاں کے تاجر روسی اور ایرانی مصنوعات کو ترجیح دیتے تھے۔ مورکرافٹ کو امیر بخارا حیدر خان نے شرفِ ملاقات بخشا۔ اس نے ان کی صحت کے بارے میں دریافت کیا' ان کے نام' عمروں اور پیشوں کے بارے میں پوچھا۔ برطانیہ کے بادشاہ کا نام پوچھا اور جواب ملنے پر کہا کہ اسے جارج چہارم کیوں کہتے ہیں۔ مورکرافٹ نے تحائف پیش کیے' پیتل کی دو چھوٹی توپیں امیر کو بہت پسند آئیں۔ امیر نے انہیں شہر میں گھوڑوں پر سوار ہونے کی اجازت بخش دی۔ اس کے مال تجارت پر ٹیکس کی شرح کم کر کے دس فیصد عائد کی گئی۔ روسی چہروں سے بخارا کے شہری اتنے شناسا تھے کہ جیسے ہی مورکرافٹ اور جارج ٹربیک دکھائی دیتے لڑکے بالے اُوروس اُوروس کے نعرے لگانے لگتے (مورکرافٹ جیسے ذہین آدمی نے نجانے اس حقیقت کو کیوں نظرانداز کیا کہ روس اور بخارا مشترکہ سرحد رکھتے تھے' یہاں تک کہ برطانیہ اور فرانس کی طرح ان کے درمیان کوئی رودبار بھی حائل نہیں تھی)۔ مورکرافٹ نے یہاں اپنے جاسوس بنائے اور انہیں کسی بھی روسی سرگرمی کی اطلاع خفیہ طور پر ہندوستان بھجوانے کی ہدایت کی۔ مورکرافٹ کے ہسپتال نے یہاں بھی کام کیا۔ مورکرافٹ نے لکھا کہ یہاں آنتوں کے کیڑوں کی بیماری بہت زیادہ ہے۔ اس نے بخارا میں عمدہ کپاس کی کاشت' بھنگ کی پیداوار اور لذیذ سفید روٹی کے بارے میں لکھا۔ یہاں بھی اسے مطلوبہ گھوڑوں کے حصول میں ناکامی ہوئی۔ اسے امید تھی کہ ازبک جنگجو مراد بیگ کے علاقے میں عمدہ گھوڑے مل جائیں گے۔ اب اس کی عمر 58 سال ہوچکی تھی' اس نے ریٹائر ہونے اور لداخ میں رہائش پذیر ہونے کا سوچا جہاں کے راجہ نے اسے ایک بڑی جاگیر دینے کا وعدہ کیا تھا۔

Scanned by CamScanner

جولائی 1825ء میں مور کرافٹ اور ٹریبک 60 گھوڑوں' اونٹوں اور تقریباً اتنے ہی افراد کے ایک کارواں کے ساتھ بخارا سے روانہ ہوئے۔ اگست کے شروع میں انہوں نے دریائے آموکو عبور کیا۔ وہ بلخ جا کر دنیا کے قدیم ترین شہر باختر کو دیکھنا چاہتا تھا۔ اس نے میر وزیر احمد کو مراد بیگ سے اجازت کے حصول کے لیے بھیجا۔

مور کرافٹ بلخ پہنچا لیکن گھوڑے کی پیٹھ پر نہیں بلکہ اونٹ کے پالان پر لیٹ کر۔ وہ اندخوئی کے مقام پر بیمار پڑ گیا تھا اور 27 اگست کو انتقال کر گیا۔ اسے بلخ کی فصیل کے سائے میں دفنایا گیا۔ چند ماہ بعد ٹریبک بھی فوت ہو گیا اور مزار شریف میں دفن ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ دونوں کو زہر دیا گیا' واللہ اعلم۔

کارواں کا کچھ حصہ اندخوئی میں لوٹا جا چکا تھا' باقی ماندہ مزار شریف میں لوٹ لیا گیا۔ عملے کو غلام بنا لیا گیا۔ ہندوستان پہنچنے والا واحد شخص غلام حیدر تھا جو دو سال بعد بریلی پہنچا۔ کمپنی بہادر نے مرنے والوں کے خاندانوں کی کوئی مدد نہ کی' نہ ان کی موت کے اسباب کی تحقیقات کی اور نہ ہی غلام بننے والوں کی رہائی کی کوئی کوشش کی۔ 1830ء میں کلکتہ کی رائل جغرافک سوسائٹی نے مور کرافٹ کے نوٹس حاصل کر کے شائع کیے۔ 1841ء میں یہ لندن میں چھپے۔ مور کرافٹ نے تبت' لداخ اور دیگر دنیا کی نظروں سے اوجھل علاقوں کے بارے میں برطانیہ کی رائل جغرافک سوسائٹی یا امپریل رشین جغرافک سوسائٹی سے بہت پہلے دنیا کو بتایا۔

☆☆☆☆

Scanned by CamScanner

سر الیگزینڈر برنس

سکاٹ لینڈ سے کلکتہ...رنجیت سنگھ کے دربار میں...
دریائے سندھ کا سروے اور بخارا برنس

الیگزینڈر برنس بازی عظیم کے اہم ترین کھلاڑیوں میں سے ہے۔ سندھ پر غاصبانہ قبضہ ہو یا بلوچستان پر تسلط برنس اور اس کے دست راست منشی موہن لعل کا کردار واضح نظر آتا ہے۔ فتح افغانستان میں بھی ان دونوں "گرو اور چیلے" کا کردار اہم رہا ہے اور افغانستان میں جیتی ہوئی بازی ہارنے میں بھی "گروجی" کچھ کم ذمہ دار نہیں ہیں۔ قلات کی تباہی اور میر محراب خان کو ہٹانے پر تو گویا برنس اُدھار کھائے بیٹھا تھا۔

الیگزینڈر برنس سکاٹ لینڈ کے مشرقی ساحل پر واقع اینگس کاؤنٹی کے قصبے مونٹ روز میں پیدا ہوا۔ برنس ایک بے چین روح اور ایک پیدائشی آوارہ گرد تھا۔ وہ خوش گفتار، حاضر جواب اور اچھا داستان ساز تھا۔ وہ ایک اچھا لکھاری بھی تھا۔ دوسروں کو قائل کرنے اور دوست بنانے میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ برنس نوجوانی میں اپنے قصبے کے ایک ممبر پارلیمنٹ جوزف ہیوم کی نظروں میں آ گیا۔ جوزف ہیوم ابتدا میں ایک انتہائی غریب شخص تھا۔ وہ ہندوستان گیا اور وہاں سے جیبیں سیم وزر سے پر کر کے لوٹا اور مونٹ روز سے رکن پارلیمان منتخب ہوا۔ جوزف ہیوم نے سولہ سالہ نوجوان الیگزینڈر کی صلاحیتوں کو بھانپ لیا، وہ اسے لندن لے گیا اور اس کی ملاقات ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک ڈائریکٹر سے کرائی جس نے اسے بمبے انفنٹری میں کیڈٹ شپ کی پیشکش کی۔ دو ماہ تک ہندوستانی زبانوں کا ابتدائی مطالعہ کرنے کے بعد 1821ء میں نوجوان الیگزینڈر بحری جہاز پر سوار ہوا اور ہندوستان کا رُخ کیا۔ اس وقت بمبے کا گورنر ایڈنبرگ کا ایک شہری تھا۔ گورنر مدراس گلاسگو کا باسی تھا۔ بلند عہدوں پر متمکن سکاٹ لینڈ کے یہ باسی اپنے سکاٹش

Scanned by CamScanner

بھائیوں کی ہر ممکن امداد کیا کرتے تھے اور یہ امداد کچھ اتنی بلا جواز اور ناجائز بھی نہ ہوتی تھی کیونکہ سکاٹش ذہانت اور محنت کے علاوہ تعلیم میں بھی انگلستان کے دیگر لوگوں سے آگے تھے۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں جہاں انگلستان میں دو یونیورسٹیاں آکسفورڈ اور کیمبرج تھیں' وہاں سکاٹ لینڈ میں ان کی تعداد چار تھی ایبرڈین' ایڈنبرگ' گلاسگو اور سینٹ اینڈریوز۔

سکاٹش ہونے کے ناتے الیگزینڈر اپنے بمبئی پہنچنے کے چند ہی روز بعد گورنر کی بال پارٹی میں شرکت کر رہا تھا جو ایک نوجوان کیڈٹ کے لیے ایک غیر معمولی بات تھی۔ اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنا پر نوجوان الیگزینڈر نے جلد ہی ایک لائق ماہر السنہ اور عمدہ لکھاری کی شہرت حاصل کر لی۔ جلد ہی اسے بمبے نیٹو انفینٹری کی تیسری رجمنٹ کا ہندوستانی زبانوں کا ترجمان مقرر کر دیا گیا۔

اس نے تیز رفتار ترقی کی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں لیفٹیننٹ برنس کچھ میں محاذ پر فوج کی کمان کر رہا تھا۔ بعد ازاں اس نے فارسی پر مہارت حاصل کی۔ 1829ء میں اس کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے اس کا تبادلہ سیاسی شعبے میں کر دیا گیا۔ 1830ء میں اسے ایک بڑے جاسوسی مشن پر سندھ کے راستے پنجاب بھیجا گیا۔ بظاہر وہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے لیے پانچ عمدہ نسل کے گھوڑے اور ایک سجی ہوئی شاندار بگھی لے جا رہا تھا۔ مقدونیہ کے سکندر کے بعد وہ پہلا یورپی تھا جو زیریں سندھ کا سفر کر رہا تھا اور عجب اتفاق ہے کہ وہ بھی سکندر ہی تھا۔ ساحل سمندر سے لے کر پنجاب کی حدود تک اس نے دریائے سندھ کی گزرگاہ اور اس کے اطراف کے بارے میں مکمل تحقیق و جستجو کی۔

اہل سندھ سے اس معصوم ایلچی کا اصل مقصد پوشیدہ نہ رہ سکا۔ ایک بزرگ نے کہا: ''انگریزوں نے دریا کا راستہ دیکھ لیا ہے اب سندھ کی خیر نہیں۔'' اور صرف چودہ سال بعد چارلس نیپئر نے سندھ کو فتح کر کے اس کا الحاق برطانوی ہند کے ساتھ کر لیا اگرچہ اس کے اپنے الفاظ تھے ''میں نے ایک گناہ کیا ہے۔''

لاہور پہنچ کر برنس نے مہاراجہ کی خدمت میں تحائف پیش کیے جنہیں مہاراجہ نے بے حد پسند کیا۔ برنس نے اپنی چرب زبانی سے مہاراجہ کو مسحور کر لیا اور یوں مہاراجہ کا قریبی دوست بن گیا۔ یہاں تک کہ مہاراجہ اسے اپنی محافل شبینہ میں بھی مدعو کرنے لگا جہاں ناؤ نوش اور رقص و سرود کے رنگ جمتے۔ برنس نے لکھا ''میں لاہور میں گزارے ہوئے چند دنوں پر نگاہ دوڑاتا ہوں تو وہ

مجھے اپنی زندگی کے پرمسرت ترین ایام لگتے ہیں۔'' مہاراجہ نے ایک رات برنس کو اپنی ذاتی رجمنٹ سے سلامی دلوائی اور یہ ذاتی رجمنٹ رقاصاؤں کا ایک گروہ تھا جو مردانہ لباس پہنے چھوٹے چھوٹے تیر کمانوں اور تیغ و تبر سے لیس تھا۔ گویا صرف نظروں کے تیر کافی نہ تھے۔ مہاراجہ نے مسکرا کر برنس سے کہا یہ میری ذاتی رجمنٹ ہے۔ اس رجمنٹ کے کمالات ملاحظہ کرتے ہوئے مہاراجہ کی زیر و زبر ہوتی ہوئی سانسوں سے برنس نے اندازہ لگایا کہ اس کے میزبان کا اب چل چلاؤ ہے اور اس کی سانسوں کی ڈور زیادہ عرصہ برقرار نہیں رہے گی۔ اس نے ترنت یہ رپورٹ اپنے حکام بالا کو ارسال کی۔

اسی نقطہ نگاہ سے اس نے معزول شاہ شجاع کو لدھیانہ میں دیکھا اور رپورٹ میں لکھا کہ معزول بادشاہ مالیخولیا کا شکار ہے۔ وہ تخت کابل کے حصول کی تاب و طاقت نہیں رکھتا اور اگر اسے تخت کابل پر بٹھا بھی دیا جائے تو وہ امورِ سلطنت نہیں چلا سکتا.....اور برنس کے حکام بالا کے لیے یہ ایک اچھی خبر تھی کیونکہ انہیں ایک کٹھ پتلی بادشاہ مل رہا تھا۔

زیریں سندھ کے راستوں' تذویراتی اہمیت کے قلعوں کا سروے کرنے کے بعد برنس دلی پہنچا۔ اس کی شاندار کارکردگی پر خوش ہو کر گورنر جنرل نے اسے اپنے ہاتھ سے ایک تعریفی خط لکھا اور ساتھ ہی افغانستان کے راستے دریائے آمو کے پار بخارا مشن لے جانے کی منظوری دے دی۔ اسی خطرناک راستے پر' جس پر سات سال قبل ولیم مور کرافٹ نے سفر کیا تھا اور وہ زندہ واپس نہ آیا تھا برنس افغانستان جانے کے لیے لدھیانہ سے لاہور پہنچا۔ اس کے ساتھ ڈاکٹر جیمز گلبرٹ جیرارڈ اور منشی موہن لال کشمیری تھے۔ لاہور میں اس کے دوست مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ وہ مہاراجہ کے ساتھ شکار پر گئے' برنس لکھتا ہے:

''ہماری رہائش کے لیے سرخ اور زرد بانات سے بنے ہوئے انتہائی نفیس اور شاندار خیمے تھے۔ ہر خیمہ تقریباً 14 مربع فیٹ کا تھا' خیمے کے فرش پر کشمیری شالیں اور فرانسیسی ساٹن بچھے ہوئے تھے۔ مجھے اس قیمتی فرش پر پاؤں رکھنے میں خاصا تامل ہوا۔ ہر خیمے میں ایک آراستہ پلنگ تھا جس کے گرد کشمیری شالوں کے پردے لٹک رہے تھے۔ یوں لگتا تھا ہم پنجاب کے ایک جنگل کے کسی پڑاؤ کے بجائے پرستان میں پریوں کے کسی محل میں ہیں۔''

اپنے میزبان مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بارے میں برنس نے لکھا:

''یہ شخص باقاعدہ تعلیم و تربیت کے بغیر اپنی سلطنت کے معاملات غیر معمولی قوت اور

Scanned by CamScanner

حوصلے کے ساتھ چلا رہا ہے اور اپنی طاقت کو ایسے اعتدال اور نرمی کے ساتھ استعمال کر رہا ہے، جس کی مثال ممالک مشرقیہ میں ناپید ہے۔ اس کے عہد میں قوانین پر عمل اتنا موثر ہے کہ بہت کم مشرقی ممالک ایسے ہوں گے جن میں اکیلا مسافر اتنے چین اور بے فکری کے ساتھ سفر کر سکتا ہے، جتنا پنجاب میں۔"

برنس کے اس سفر کا نسبتاً مفصل ذکر منشی موہن لعل کے تذکرے میں موجود ہے۔

1832ء میں الیگزینڈر برنس نے کابل سے اپنے والدین کو ایک خط میں لکھا:

"اگر آپ مجھے دیکھ لیں تو کبھی گھر میں نہ گھسنے دیں۔ میرا لباس خالص ایشیائی ہے اور میں نچلے طبقے کے لوگوں کا بھیس بدلے ہوئے ہوں۔ سر منڈا ہوا ہے اور داڑھی کالی سیاہ رنگی ہوئی ہے۔ میں کھانا ہاتھوں سے کھاتا ہوں اور..... اوہ میرے خدا..... میری انگلیاں کس قدر چپ چپی ہو جاتی ہیں۔ میں درختوں تلے سوتا ہوں۔ بعض اوقات کوئی دیہاتی ترس کھا کر مجھے اپنے گھر لے جاتا ہے، لیکن میں اپنا یورپی ہونا چھپاتا نہیں۔ میں نے مسلمانوں کی سی عادات اپنا لی ہیں۔ میں فارسی بولتا ہوں۔ لوگ مجھے سکندر کہہ کر پکارتے ہیں، جو فارسی میں الیگزینڈر کا مترادف ہے۔"

جب کابل میں امیر دوست محمد نے اس سے دریافت کیا کہ اس نے ایشیائی لباس کیوں پہن رکھا ہے تو برنس نے جواب دیا: "میں نے اپنا انگریز ہونا کبھی نہیں چھپایا اور نہ ہی چھپانا چاہتا ہوں۔ یہ لباس دراصل میں نے راستے میں لوگوں کے سوالات اور اس طرح غیر ضروری تاخیر اور رکاوٹوں سے بچنے کے لیے پہنا۔"

برنس کے کابل میں قیام کے دوران امیر دوست محمد اس سے بہت متاثر ہوا، خاص طور پر اس کی سپاہیانہ مہارت سے، یہاں تک کہ اس نے برنس کو بارہ ہزار گھڑ سواروں اور بیس توپوں پر مشتمل افغان فوج کی کمان سنبھالنے کی پیشکش کی۔ وہ اس کی مدد سے پشاور کو سکھوں سے آزاد کرانا چاہتا تھا..... لیکن برنس نے انتہائی شائستگی کے ساتھ معذرت کر لی۔

اس نے امیر سے ہندوکش کے پار سفر کرنے کا اجازت نامہ حاصل کر لیا۔ وہ بلخ کے چھوٹے سے تباہ حال قصبے میں رکا، جو قدیم تاریخی شہر باختر کے کھنڈروں پر آباد ہے۔ یہاں اسے کئی قدیم سکے ملے۔ وہ بلخ کے کھنڈروں میں گارے کی ایک شکستہ دیوار کے زیر سایہ محو خواب ابدولیم مورکرافٹ کی قبر پر گیا اور اسے خراج عقیدت پیش کیا۔ خود کو غریب ارمنی ظاہر کر کے وہ لٹیرے ازبکوں کے غلام بننے سے بمشکل بچے۔ دلی سے روانگی کے چھ ماہ بعد جون 1832ء میں وہ بخارا

Scanned by CamScanner

میں داخل ہوئے۔اس نے پگڑی اُتار کر بھیڑ کی کھال کی ازبک انداز کی ٹوپی پہن رکھی تھی۔اس نے امیر بخارا کو یقین دلا کہ وہ محض سیاح ہیں جو بیرونی دنیا کو سرزمین بخارا کے عجائبات سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں۔اس نے بخارا کے اشیاء سے بھرے ہوئے بازاروں' بڑے بڑے مدارس اور غلاموں کی منڈیوں کے بارے میں تفصیلی نوٹ تیار کیے۔اس نے دو سال قبل اغوا کیے جانے والے روسی غلام گریگری بلاکوف سے گفتگو کی۔ برنس نے لکھا کہ مقامی مسلمان روسیوں کو اغوا کر کے غلام بنانا جرم نہیں سمجھتے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ روسی تو پہلے ہی اپنے مطلق العنان حکمرانوں کے غلام ہیں اور آزاد شہری نہیں۔ایرانیوں اور قزلباشوں کو وہ شیعہ ہونے کی بنا پر قابل نفرت سمجھتے ہیں اور غلام بنا لیتے ہیں۔اس نے ایک طویل سفرنامہ لکھا جسے بہت شہرت اور مقبولیت ملی۔رائل جغرافک سوسائٹی نے اسے طلائی تمغہ دیا۔بادشاہ ولیم نے خود اسے شرف ملاقات بخشا اور پذیرائی کی.....لوگ اسے بخارا برنس کہنے لگے۔

سکندر غریب نواز...کیپٹن ایوان وکٹووچ...کابل سے واپسی

1836ء میں لارڈ آکلینڈ نیا گورنر جنرل بن کر آیا۔اسے ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو افغانستان کو بخوبی جانتا ہو اور پورے ہندوستان میں ''بخارا برنس'' سے زیادہ بہتر ایسا کوئی اور برطانوی نہ تھا۔اسے وسط ایشیا کی منڈیوں کو برطانوی اسبابِ تجارت اور مصنوعات کے لیے کھولنے کے مشن پر کابل بھیجا گیا لیکن اصل مقصد امیر دوست محمد کو تنبیہ کرنا تھا کہ وہ روسیوں سے دُور رہے اور برطانوی تحفظ قبول کر لے (دوسرے معنوں میں برطانوی تسلط)۔ برنس کے ساتھ بمبے انجینئرز کے لیفٹیننٹ لیچ' نیوی کے جان وڈ اور منشی موہن لعل تھے۔ برنس نے مشرق کے کاروانوں اور قافلوں کے بارے میں لکھا:

''قافلہ ایک مکمل جمہوریہ ہوتا ہے لیکن اکثر جمہوری حکومتوں سے کہیں زیادہ منضبط ایک دوسرے کا خیال رکھا جاتا ہے' ایک دوسرے کی رائے کو اہمیت دی جاتی ہے۔ایک دوسرے کا انتظار کیا جاتا ہے۔اگر ایک اونٹ کا بوجھ گر جائے تو جب تک وہ دوبارہ لادنہ لیا جائے پوری قطار رُکی رہتی ہے۔یوں قافلے سے بچھڑ جانے والوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔''

وہ مشرقی روایات اور فراخدلانہ جذبات کے بارے میں لکھتا ہے:

''یورپ کے مہذب ماحول میں یہ فراخدلانہ جذبات ناپید ہیں۔ایشیا کا ہر باشندہ خواہ

Scanned by CamScanner

چھوٹا ہو یا بڑا' اپنی ملکیت کا ہر نوالہ دوسرے کے ساتھ مل بانٹ کر کھاتا ہے۔ مسلمانوں میں مہمان نوازی کے معاملے میں بڑے چھوٹے کی کوئی تمیز نہیں' خان ہو یا معمولی کسان دونوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک کیا جاتا ہے۔ کوئی شخص ایک لقمہ اس وقت تک منہ میں نہیں لے جاتا جب تک اردگرد کے لوگوں کے ساتھ اسے بانٹ نہ لے۔ میں خود غریبوں اور امیروں دونوں کی اس فیاضی سے مستفید ہو چکا ہوں۔"

کابل کے دروازے پر امیر دوست محمد کا فرزند اکبر خان ایک گھڑ سوار دستے کے ساتھ ان کے استقبال کے لیے موجود تھا۔ اکبر خان نے گرم جوشی کے ساتھ اسے خوش آمدید کہا اور اسے ایک ہاتھی پر بٹھا کر شہر کے اندر لے گیا۔ دوست محمد خان اسے اپنا ذاتی دوست سمجھتا تھا اور اب تو وہ ایک بڑی طاقت کا نمائندہ اور ایلچی بھی تھا۔ برنس کے پاس دوست محمد خان کو دینے کے لیے کچھ نہ تھا' سوائے اس یقین دہانی کے کہ روسی مداخلت کے خلاف برطانیہ اس کی مدد کرے گا لیکن اس کے بدلے میں وہ جو کچھ مانگتا تھا وہ بہت مہنگا سودا تھا۔ اسے کہا گیا تھا کہ وہ روس کے ساتھ کسی قسم کے دوستانہ اور قریبی تعلقات قائم نہ کرے اور پشاور پر اپنے دعوے سے دستبردار ہو جائے۔ اس سے دوست محمد خان کو خاصی مایوسی ہوئی۔

کابل میں نوجوان خبر نگار چارلس میسن اس کی مدد کے لیے موجود تھا' میسن لدھیانہ میں کیپٹن ویڈ کو جواب دہ تھا اور اسے رپورٹیں ارسال کرتا تھا۔ میسن کی رائے میں برنس ابھی کم عمر اور ناتجربہ کار تھا۔ موجودہ شرائط کے ساتھ اس کا مشن افغانستان میں برطانوی مداخلت اور اپنے معزز میزبان کی اہانت کے سوا کچھ نہ تھا۔ میسن وسط ایشیا کے ساتھ آزاد تجارتی منڈی کے قیام کو ایک لغو بات سمجھتا تھا کیونکہ تجارت تو عرصہ دراز سے آزاد تھی اور کسی تجارتی معاہدے کی محتاج نہ تھی۔ وہ اس مشن کی ناکامی کا ذمہ دار برنس کو ٹھہراتا تھا۔ برنس نے ہندوستان واپسی پر میسن کو خط میں لکھا "مجھے ناممکنات کو ممکنات میں بدلنے کے لیے کابل بھیجا گیا تھا اور اگر میری کوششیں کامیاب نہیں ہوئیں تو یہ امر متوقع تھا۔"

برنس ایک سال تک کابل میں مقیم رہا اور امیر دوست محمد اس پر مہربان رہا' حکومت برطانیہ کے توہین آمیز اور مداخلت کارانہ رویے کے باوجود۔ اور امیر کے اس اچھے رویے میں برنس کی سفارت کارانہ صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ اس کی چرب زبانی اور خوشامدانہ اطوار کو بھی خاصا دخل تھا۔ امیر کے ساتھ برنس کا رویہ انتہائی فرمانبردارانہ تھا۔ وہ بادشاہ سے مخاطب ہوتے وقت

Scanned by CamScanner

کھڑے ہو کر ہاتھ باندھ لیتا تھا اور اسے ہمیشہ غریب نواز کہہ کر پکارتا تھا..... یہاں تک کہ کابل کے لوگوں نے اس کا عرف غریب نواز رکھ دیا اور وہ سکندر غریب نواز کے نام سے مشہور ہو گیا۔

برنس نے اپنی ایک رپورٹ میں ولیم میکناٹن کو لکھا کہ: ''امیر دوست محمد ایک لائق شخص ہے۔ وہ برطانیہ کے بارے میں اچھی رائے رکھتا ہے' ہمیں چاہیے کہ اس کے ہاتھ مضبوط کریں کیونکہ ایک مضبوط بادشاہ ہی افغانستان کو متحد رکھ سکتا ہے اور افغانستان کا استحکام واتحاد ہمارے حق میں ہے۔ کیونکہ ایک کمزور اور منقسم افغانستان روس اور فارس کے لیے آسان شکار بن جائے گا' ہمیں دوست محمد خان کو یقین دہانی کرانی چاہیے کہ ہم پنجاب کے ساتھ کیے گئے سمجھوتے پر صرف بوڑھے اور بیمار رنجیت سنگھ کی زندگی تک ہی کاربند رہیں گے اور اس کی وفات کے بعد پشاور افغانستان کو لوٹا دیا جائے گا۔''

شومئی قسمت سے برنس کی ہفتہ وار رپورٹیں لدھیانہ میں کیپٹن ویڈ کو ملتی تھیں جو دوست محمد کا مخالف تھا اور اسے ہٹا کر شاہ شجاع کو لانے کا جنون کی حد تک حامی' چنانچہ وہ برنس کی رپورٹوں میں ردوبدل کرتا تھا اور بعض خطوط کو تو غائب کر دیتا تھا۔

دسمبر 1837ء میں اورنبرگ کے روسی گورنر کا اے ڈی سی کیپٹن ایوان وکٹر ووچ جو سینٹ پیٹرزبرگ کی وزارتِ خارجہ کا نمائندہ بھی تھا کابل آیا۔ برنس نے اسے کرسمس ڈنر پر مدعو کیا۔ وہ تیس سال کا ایک ذہین' خوش اخلاق' تعلیم یافتہ اور باخبر نوجوان تھا۔ وہ ترکی' فارسی اور فرانسیسی زبانیں روانی کے ساتھ بولتا تھا۔ وہ تین مرتبہ بخارا جا چکا تھا۔ کیپٹن ایوان ایک لیتھوینین تھا۔ ابتدا میں اس کا تعلق ایک انقلابی اور آزادی خواہ گروہ سے تھا۔ روسیوں نے اسے گرفتار کیا اور اسے سزائے موت سنائی گئی لیکن اس کی نوجوانی کے پیش نظر اس کی سزائے موت لازمی فوجی سروس میں بدل دی گئی۔ اورنبرگ میں تعیناتی کے دوران اس نے قازق اور فارسی زبانیں سیکھیں۔ باغی قازقوں کے ساتھ مذاکرات میں وہ ایک اچھا ترجمان اور سفارتکار ثابت ہوا۔ اس کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے اسے ایک سفارتی مشن پر بخارا بھیجا گیا۔ اس کا مقصد یہ جاننا تھا کہ اگر روس خیوا پر حملہ کرے تو بخارا کا ردعمل کیا ہو گا۔ برطانویوں نے سب سے پہلے اسے ہرات کے محاصرے کے دنوں میں مشرقی فارس میں شاہ ایران کے کیمپ کے قرب وجوار میں دیکھا تھا۔ میجر ہنری رالنسن نے اس کے ساتھ سوال وجواب کی کوشش کی لیکن اس نے روسی کے علاوہ کسی بھی زبان سے عدم واقفیت کا اظہار کیا' لیکن بعد ازاں جب وہ دوبارہ ملے تو انہوں نے فارسی اور فرانسیسی میں گفتگو کی'

Scanned by CamScanner

تب اس نے رالنسن کو بتایا کہ وہ ایک مشن پر کابل جا رہا ہے۔ کابل میں امیر دوست محمد نے وِکٹووچ کا استقبال نسبتاً سرد مہری کے ساتھ کیا۔ دوست محمد کے مشیروں نے دیکھا کہ جو خط وہ زار کی طرف سے لایا ہے' اس پر زار کے دستخط نہیں ہیں۔ وہ خط معائنے کے لیے برنس کو بھجوایا گیا برنس نے خط کی ایک نقل بنائی اور چارلس میسن کو بلا کر خط اسے دکھایا جس نے دعویٰ کیا کہ لفافے پر لگی ہوئی مہر بھی جعلی ہے' اس قسم کی مہریں بازار میں دستیاب روسی شکر کے تھیلوں پر لگی ہوتی ہیں لہٰذا یہ خط جعلی ہے اور کیپٹن ایوان وِکٹووچ جو کوئی بھی وہ ہے زار کی طرف سے کسی بھی قسم کا اختیار نہیں رکھتا۔ چنانچہ امیر دوست محمد نے روسی ایلچی کی ذرّہ بھر حوصلہ افزائی نہ کی۔ یوں بھی اس کی اوّلین ترجیح برطانیہ کے ساتھ کسی سمجھوتے پر پہنچنا تھا۔

جنوری 1839ء میں لارڈ آکلینڈ نے دوست محمد خان کو پیغام بھیجا کہ وہ پشاور دوبارہ حاصل کرنے کی مہمات ختم کر دے اور ایک طاقتور اور خود مختار بادشاہ رنجیت سنگھ سے پشاور پر حملہ کرنے کے لیے معافی مانگے۔ مارچ میں اسے باقاعدہ تنبیہ کی گئی اور الٹی میٹم دیا گیا کہ وہ فارس اور روس کے ساتھ تعلقات ختم کر دے۔ کیپٹن وِکٹووچ کو کابل سے نکال دے اور پشاور پر سے اپنا دعویٰ واپس لے لے۔ ردِعمل کے طور پر امیر دوست محمد نے وِکٹووچ کو دربار میں طلب کر کے اسے اہمیت دینا اور پذیرائی بخشنا شروع کر دیا۔

اپریل 1838ء میں برنس کابل سے واپسی کے سفر پر روانہ ہو گیا۔

گریٹ آرمی آف انڈس... سیاہ چشم حسینائیں... افغان بغاوت

برنس نے جان لیا تھا کہ لارڈ آک لینڈ ہر صورت میں دوست محمد کو ہٹا کر شجاع الملک کو لانا چاہتا ہے' وہاں فوجی تیاریاں شروع ہیں اور وہ اپنی رپورٹوں میں گورنر جنرل کے ارادوں کی مخالفت کیے جا رہا ہے' اسے اپنا مستقبل مدِنظر رکھ کر آئندہ مہم میں کوئی اہم پوزیشن حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے' چنانچہ اب اس نے بالکل مختلف نظریات کا اظہار شروع کر دیا۔ اب اس نے لکھا کہ: ''روس اور فارس کے ایجنٹ دوست محمد کے بہت قریب ہیں' لہٰذا ان دونوں ممالک کی سازشوں سے برطانوی ہند کو محفوظ رکھنے کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ دوست محمد کو ہٹایا جائے اور جلد از جلد شاہ شجاع کو دو برطانوی رجمنٹوں کے ساتھ کابل روانہ کیا جائے۔''

جولائی میں جب وہ شملہ پہنچا تو وہ آرمی آف انڈس کا پرنسپل پولیٹیکل آفیسر بننے کے

Scanned by CamScanner

خواب دیکھ رہا تھا لیکن لارڈ آکلینڈ اس مقصد کے لیے پہلے ہی ولیم میکناٹن کا انتخاب کر چکا تھا۔ برنس سے کہا گیا کہ وہ فوج کی روانگی سے قبل سندھ کے امیروں اور بلوچستان کے سرداروں سے مل کر فوج کے راستے کی ممکنہ رکاوٹیں دُور کرے اور رسد کے لیے انتظامات کرے۔

لارڈ آکلینڈ نے اس کی حوصلہ افزائی کے لیے اس کے نام بھیجے جانے والے ہدایت نامے پر ''لیفٹیننٹ کرنل سر الیگزینڈر برنس نائٹ'' تحریر کیا۔ برنس نے سندھ اور بلوچستان میں دھونس، دھمکی، لالچ، رشوت اور مکروفریب کے گھناؤنے کھیل کا آغاز کیا، جس کا تذکرہ منشی موہن لعل کے باب میں موجود ہے۔ کابل پر حملے کے لیے پنجاب، پشاور اور خیبر کا راستہ زیادہ موزوں تھا لیکن پنجاب میں کیونکہ ایک طاقتور حکومت تھی، جس نے انگریزوں کو راہداری دے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کے مقابلے میں سندھ کے امیر کمزور تھے اور بلوچستان میں بھی بہت سے سردار اور ان کے قبائل محض علامتی طور پر خان قلات کی عملداری میں شامل تھے اور کچھ تو اس کے مخالف بھی تھے لہٰذا سندھ اور بولان کا راستہ اختیار کیا گیا۔ برنس اور اس کے ساتھیوں نے بولان اور اس کے پار تک تمام راستے صاف کر لیے۔ حد یہ کہ فوج کے اخراجات بھی امیرانِ سندھ سے وصول کیے گئے، انہیں کہا گیا کہ ماضی میں انہوں نے شاہ شجاع کو خراج ادا نہیں کیا تھا، امیروں کی دکھائی گئی دستاویزات کو ماننے سے انکار کر دیا گیا اور پرانے ''ایریئرز'' Arrears وصول کر لیے گئے۔

فوج کے لیے سب سے خطرناک جگہ درّہ بولان تھی۔ ایک پچاس میل طویل پہاڑی درّہ جس کے اطراف 450 فٹ سے لے کر 5600 فٹ تک بلند پہاڑیاں تھیں، عمودی پہاڑیوں اور تنگ گھاٹیوں پر مشتمل اس درّے کے پار ایک چھوٹا سا قصبہ شال (کوئٹہ) تھا جو بعد میں برطانوی ہند کا سب سے بڑا گیریژن بنا۔ انگریزوں کو درّہ بولان سے فوج، رسد اور مویشی گزارنے کے لیے بے انتہا محنت کرنا پڑی۔ سرداروں کو رقوم دی گئیں اور دھمکیاں بھی، قلات کے والی میر محراب خان کو بھی نقد رقم کا تحفہ بھجوایا گیا۔ برنس اور اس کے وفد نے دھمکی آمیز رویہ اختیار کیا۔ میر محراب خان نے اپنی سرزمین پر برطانوی غیر قانونی مداخلت پر شدید احتجاج کیا، وہ برطانیہ کی اس فوج کشی کو لاحاصل سمجھتا تھا۔ اس نے انتباہ کیا:

''تم اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ کچھ عرصے کے لیے شاہ شجاع کو کابل کے تخت پر رکھ سکتے ہو لیکن جیسے ہی تم وہاں سے نکلو گے افغان لوگ شاہ شجاع کو ملک کی حدود سے نکال باہر کریں گے۔''

میر محراب خان نے برطانوی وفد سے یہ بھی کہا:

Scanned by CamScanner

''تم قندھار اور غزنی پر قبضہ کرلو گے شاید کابل پر بھی لیکن تم برفوں پر فتح حاصل نہیں کر سکو گے اور جب برف پڑے گی تو تم اپنی فوج کو نہ تو وہاں رکھ سکو گے اور نہ واپس نکال سکو گے۔''

تھوڑی جانوں اور بہت زیادہ مویشیوں اور سواری کے جانوروں کے نقصان کے ساتھ درّہ بولان عبور کرلیا گیا۔ اگلی رکاوٹ درّہ خوجک تھی' وہاں بھی مقامی سرداروں کو کافی رشوتیں دی گئیں۔ اگرچہ وہاں بھی کاکڑوں نے کچھ پریشانیاں پیدا کیں۔ برنس اور میکناٹن شاہ شجاع کے ساتھ فاتحانہ کابل میں داخل ہوئے۔ میکناٹن نے اپنے ایک دوست سے کہا:

''اگر ہم احتیاط اور قرینے کے ساتھ کھیلیں تو ہمارے ہاتھوں میں ایک شاندار گیم ہے۔''

برطانوی فوج کے ایک نوجوان لیفٹیننٹ نے اپنے اہل خانہ کو خط میں لکھا:

''نقشے پر کابل پر ایک نظر ڈالو ہرات کو دیکھو... مجھے توقع ہے کہ بہت جلد ہم تاتارستان اور سائبیریا کو ملکہ کی سلطنت میں پائیں گے۔''

قندھار' غزنی اور جلال آباد میں گیریژن قائم کیے گئے' درّہ بولان میں کوئٹہ اور خیبر میں علی مسجد کے مقامات پر برطانوی چوکیاں قائم ہوئیں۔ بامیان میں فوجی دستے بھیجے گئے۔ شملہ سے لے کر لندن تک اس عظیم الشان فتح کا جشن منایا جا رہا تھا۔

سر الیگزینڈر برنس جو درانی سلطنت کے نائٹ کا اعزاز بھی رکھتے تھے' یہ اعزاز شاہ شجاع نے ان کی خدمات کے پیش نظر عطا کیا تھا' اب کابل میں ریذیڈنٹ تھے... ماہانہ تنخواہ 3500 روپیہ۔ شاہ شجاع الملک بالا حصار میں اپنے وسیع و عریض حرم کے ساتھ قیام پذیر تھے... بے شمار بیویاں' کنیزیں' داشتائیں اور خواجہ سرا۔

ان معاملات میں سر الیگزینڈر برنس بھی پیچھے نہیں تھے۔ سیاہ چشم حسیناؤں سے ان کی رغبت کی خاصی شہرت تھی' جو سر سے پاؤں تک لبادوں میں لپٹی ان کی رہائش گاہ پر آتی تھیں اور کہا جاتا ہے کہ ان میں کئی افغان سرداروں کی بیویاں بھی ہوتی تھیں۔ اگرچہ ان کا منشی موہن لعل اس بات کی تردید کرتا ہے' لیکن موہن لعل اپنی مردانہ وجاہت کی وجہ سے خود کابل کی خواتین میں بہت مقبول تھا۔ صرف کابل میں کیوں' اس نے تو اپنے دورۂ یورپ کے دوران بھی ایک لیڈی کلر کی شہرت حاصل کی۔ جب ریذیڈنٹ اور ان کے نفس ناطقہ کی یہ حالت ہو تو دیگر انگریز افسر کہاں

Scanned by CamScanner

چوکنے والے تھے۔ اہل کابل کو یہ شکایت پیدا ہونے لگی کہ فرنگی ہماری عورتوں کو ورغلاتے ہیں۔
بنگال آرٹلری کے ایک کپتان رابرٹ وار برٹن نے تو امیر دوست محمد کی ایک بھتیجی کے ساتھ باقاعدہ شادی کی جس کی تقریب میں دونوں بگ باسز سر ولیم میکناٹن اور سر الیگزینڈر برنس بھی شریک ہوئے۔ انگریزوں نے چھاؤنی میں ایک کرکٹ پچ بچھائی' گاف کورس بنائے' ایک تھیٹر قائم ہوا' آئس سکیٹنگ' فاکس ہنٹنگ' ہارس ریس اور دریائے کابل میں رافٹنگ ہونے لگی۔ شاندار ڈنر پارٹیاں ہوتیں جن میں انواع واقسام کی شرابیں پیش کی جاتیں' خاص طور پر مسٹر برنس کی ایبرڈین سے درآمد کردہ سکاچ کی تو بہت شہرت تھی۔ شراب تو انگریز سپاہی کابل کی سڑکوں پر سرعام پیتے تھے جس سے چھپ چھپ کر پینے والے کابل کے شہری رشک وحسد میں مبتلا ہوتے جبکہ اہل ایمان کے جذبہ جہاد میں اضافہ ہوتا۔

برطانوی حکومت نے جب افغان پالیسی پر بلیو بک شائع کی تو سر برنس یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان کی رپورٹوں کو صریحاً تبدیل کر کے شاہ شجاع کو لانے اور دوست محمد کو ہٹانے کی بات کی گئی تھی۔ گویا وہ جعلی طور پر موجودہ افغان پالیسی کے معمار بنا دیے گئے تھے حالانکہ انہوں نے افغانستان سے نکلتے وقت محض دو خطوط اس پالیسی کی حمایت میں لکھے تھے' وہ تو مسلسل دوست محمد کے حامی رہے تھے اور اب بھی انہوں نے جب شاہ شجاع اور ان کے وزراء کی لوٹ کھسوٹ اور کرپشن کے بارے میں رپورٹ لکھی اور اس کا سخت نوٹس لینے کو کہا تو مسٹر میکناٹن نے اسے اعلانِ شملہ کے منافی قرار دیا جس کے مطابق افغانستان میں عدم مداخلت کی بات کی گئی تھی۔

کمپنی کے ڈائریکٹرز افغانستان پر اُٹھنے والے بے تحاشا اخراجات پر دبے دبے لہجے میں اعتراض کرنے لگے۔ لیکن انہیں بتایا گیا کہ اگر فوج واپس بلالی گئی تو شاہ شجاع کا بالا حصار دھڑام سے گر جائے گا اور پھر روس اور ایران کا حامی امیر دوست محمد واپس اقتدار میں آ جائے گا۔

اسی دوران دوست محمد نے بخارا سے واپس آ کر ازبکوں کی مدد سے کوہستان میں بغاوت بھی کی اور ابتدائی کامیابیوں کے بعد بھاری شکست کھا کر کابل واپس آ کر خود کو "برطانوی انصاف" کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا۔ انہیں بحفاظت ولیم میکناٹن کی اس رپورٹ کے ساتھ لدھیانہ بھیج دیا گیا کہ "امیر دوست محمد نے برطانیہ کو کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچایا' انہوں نے ہماری پالیسیوں کی کبھی مخالفت نہیں کی اور خود ہماری پالیسی کا شکار ہو گئے لہٰذا ہمیں انہیں عزت واحترام کے ساتھ رکھنا چاہئے۔"

گویا افغانستان پر برطانوی حملے کے جواز کی خود ہی تردید کر دی گئی۔

کیا آج بھی برطانیہ اور اس کی نوآبادیاتی اور نوسامراجی جانشین امریکہ کی پالیسیاں اسی طرح دجل و فریب، کذب وریا اور منافقت پر مبنی نہیں؟

امیر دوست محمد کے ہتھیار ڈال دینے کے بعد مزاحمت کی سب سے بڑی علامت سرنگوں ہو گئی تھی، لہٰذا راوی چین ہی چین لکھتا تھا۔ گورنر جنرل نے کہا افغانستان اتنا نارمل ہے جتنا ویلز wales۔ ولیم میکناٹن نے کہا "نارملسی" آ چکی ہے (یہی اصطلاح ڈیڑھ سو سال بعد روسیوں نے دہرائی اور پونے دو سو سال بعد امریکن اس کی تکرار کیے جا رہے ہیں)۔

لیکن انہی دنوں مسٹر برنس کے گوش و چشم موہن لعل کشمیری نے انہیں بتایا کہ کابل کے بازاروں میں دوست محمد کے بیٹے اکبر خان کی بامیان آمد کی باتیں ہو رہی ہیں۔ افغان سردار ایک دوسرے سے خفیہ ملاقاتیں کر رہے ہیں اور وہ کسی بھی وقت بغاوت کر سکتے ہیں۔ 31 اکتوبر کو اس نے برنس کو بتایا کہ ایک بڑے سردار عبداللہ خان اچکزئی نے قسم کھائی ہے کہ وہ برنس کو قتل کرے گا کیونکہ برنس نے اس کی محبوبہ کو ورغلا کر اس سے چھین لیا ہے۔ برنس نے اس تنبیہ کو قہقہے میں اُڑا دیا۔ موہن لعل نے یہ بھی بتایا تھا کہ بغاوت کا آغاز برنس کے گھر پر حملے سے ہوگا.....اور صرف دو دن بعد برنس کی رہائش گاہ کو سکندر سکندر کے نعرے لگاتے ہوئے ایک ہجوم نے گھیر لیا اور الیگزینڈر اور اس کے بھائی چارلس کو تلواروں کے ساتھ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس وقت برنس کی عمر 36 سال تھی۔

الیگزینڈر برنس برطانیہ کے لیے بے پناہ خدمات کے باوجود اپنے ہم قوموں کی نظروں میں ایک متنازعہ کردار رہا۔ کرنل ڈیورنڈ کے مطابق: "کابل مشن کے لیے برنس کا انتخاب افسوسناک تھا۔ وہ حد سے زیادہ جاہ طلب، عامیانہ ذہنیت اور سطحی اوصاف کا مالک تھا۔ خود پر ضبط کا یارا نہ رکھتا تھا۔ کامیابی کے لیے درکار اہلیت کا اس کے پاس فقدان تھا۔"

ونسنٹ آئیر کے الفاظ میں "الیگزینڈر برنس سلطنت کے انتہائی ذہین اور بہادر ترین افسروں میں سے تھا۔ وہ ایک ایسا شخص تھا جو اپنے مقاصد کی صداقت، قوتِ فیصلہ کی معقولیت اور بصیرت میں لاثانی تھا۔"

☆☆☆☆

Scanned by CamScanner

منشی موہن لال کشمیری (1871-1812)

جنرل پولاک بنام لارڈ ایلن برا گورنر جنرل ہند

"میں منشی موہن لعل کا ماہ گزشتہ کی 28 تاریخ کو ارسال کردہ مراسلہ آپ کی خدمت میں بھیجنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں جس کے ہمراہ افغانستان کے معاملات پر اس کا مضمون منسلک ہے۔ اگرچہ یہ موضوع اتنا اہم ہے کہ منشی موہن لعل جیسا معمولی تعلیم یافتہ شخص اس کے ساتھ مکمل انصاف نہیں کرسکتا لیکن افغان کردار سے اس کی آگاہی اور اس کے دانشمندانہ تبصرے قابل توجہ ہیں۔ سرالیگزینڈر برنس اور مرحوم سفیر (ولیم میکناٹن) کی ماتحتی میں اس کی خدمات نے بغاوت اور کابل سے متعلق دیگر معاملات پر اس کی معلومات کو انتہائی گراں قدر بنا دیا ہے۔"

——O——

"میں اپنا فرض منصبی سمجھتا ہوں کہ دہلی کے طالب علم موہن لال کی نہایت اطمینان بخش خدمات کی طرف حکومت کی مشفقانہ توجہ مبذول کراؤں یہ خدمات ان اٹھارہ ماہ پر محیط ہیں جن کے دوران وہ میرا واحد ساتھی رہا..... اس سے کہیں زیادہ تجربہ کار شخص کے لیے بھی یہ امتحان خاصا کٹھن ہوتا لیکن موہن لال اس امتحان سے سرخرو ہو کر نکلا ہے..... اس کا فارسی زبان کا علم اس قدر پختہ ہے کہ اسی وجہ سے فارسی زبان بولنے والے ممالک میں اسے نہایت عزت واحترام کے ساتھ دیکھا جاتا تھا..... موہن لال کا رویہ ایسے مواقع پر بھی مثالی ہوتا تھا جب وہ اپنی ذات یا انا کو خطرے میں پاتا تھا..... شاہِ ہرات کے ساتھ مذاکرات میں مجھے موہن لال کی خدمات انتہائی ناگزیر محسوس ہوئیں..... موہن لال کی ذہانت افغان ریاستوں کے امور پر پوری اُترے گی اور اس معاملے میں اس پر مکمل اعتماد کیا جاسکتا ہے..... مسٹر برنس نے موہن لال کے لیے گورنر جنرل کی ذاتی توجہ کی سفارش کی ہے....."

ڈاکٹر جیمز گلبرٹ جیرارڈ

Scanned by CamScanner

منشی موہن لال کشمیری

موہن لال کاشمیری ایک حیران کن کردار ہے۔ کہنے کو تو وہ محض ایک منشی تھا لیکن اس کی خدمات دیکھتے ہوئے اسے بلاخوف تردید گریٹ گیم کے بڑے کھلاڑیوں کی صف میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ خیر پور سے بخارا' ملتان سے مشہد اور قلات سے کابل تک موہن لال نے برطانوی سرکار کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دیں.....جو مشن اس کے حکام بالا سرانجام نہ دے پاتے موہن لال وہ پورا کر دکھاتا تھا۔

خاندانی پس منظر... تعلیم

موہن لال کا تعلق ایک ایسے کشمیری پنڈت خاندان سے تھا جو ترکِ وطن کر کے دلی میں آباد ہو گیا تھا اس کے دادا منی رام کو مغل شہنشاہ شاہ عالم نے راجہ کا خطاب دیا تھا اور اس کے پاس ایک بڑی جاگیر تھی۔ اس کے والد پریم ناتھ عرف بدھ سنگھ کا ریاست فیروز پور جھرکہ کے والی کے ساتھ جھگڑا ہو گیا اور نواب نے جاگیر کا ایک بڑا حصہ ضبط کر لیا تھا چنانچہ بدھ سنگھ کو مجبوراً ملازمت اختیار کرنا پڑی تھی۔ وہ افغانستان جانے والے پہلے برطانوی مشن (جو جمرود سے آگے نہ جاسکا تھا) کے سربراہ سر ماؤنسٹورٹ الفنسٹن کے ساتھ بطور فارسی ترجمان کام کرتا رہا۔

موہن لال 1812ء میں پیدا ہوا' فارسی' ہندی اور اُردو کی تعلیم اس نے گھر پر حاصل کی۔ بعدازاں اسے دلی فارسی کالج (بعد میں دلی انگلش کالج) میں داخل کرایا گیا۔ کالج کی انتظامی کمیٹی کے ممبر مسٹر ای ٹریولن نے اس کی مدد اور سرپرستی کی۔ وہ ریذیڈنٹ دلی سر چارلس مٹکاف کے اسسٹنٹ تھے۔ اس نے انگریزی کے علاوہ جغرافیہ اور سائنس کی تعلیم بھی حاصل کی۔ وہ اسی کالج میں اسسٹنٹ ٹیچر بھی رہا۔

موہن لال انتہائی خوش شکل' ذہین' خوش اطوار' شیریں گفتار اور ہردلعزیز نوجوان تھا۔ انگریزی روانی اور درستگی کے ساتھ بولتا تھا اور فارسی میں خاصی مہارت رکھتا تھا۔

الیگزینڈر برنس سے ملاقات اور وسط ایشیا کا سفر...لاہور میں بسنت

دسمبر 1831ء میں موہن لال کی ملاقات سر الیگزینڈر برنس سے ہوئی جو وسط ایشیا کے

Scanned by CamScanner

سفر کی تیاریوں میں مصروف تھے اور انہیں ایک فارسی ترجمان کی اشد ضرورت تھی۔ ان کی دُور بین نگاہوں نے موہن لال کے اندر موجود ایک عمدہ ڈپلومیٹ کو بھانپ لیا اور ہزار روپے سالانہ پر منشی کی ملازمت کی پیشکش کر دی جو اس نے دوستوں اور اہل خانہ سے مشورے کے بعد قبول کر لی۔
موہن لال 27 دسمبر کو دلی سے روانہ ہو کر نو دن بعد لدھیانہ چھاؤنی پہنچا جہاں سر الیگزینڈر اپنی ٹیم کے دوسرے ارکان ڈاکٹر جیرارڈ اور گرداور پیمائش محمد علی کے ساتھ موجود تھے۔ 3 جنوری کو وہ لدھیانہ سے روانہ ہوئے اور دریائے ستلج کے بائیں کنارے پر سفر شروع کیا۔ ستلج اور بیاس کے سنگم ہَری کے مقام پر انہوں نے دریائے بیاس کو عبور کیا اور 17 جنوری کو لاہور پہنچے۔ اگلے دن مہاراجہ رنجیت سنگھ نے دربار میں انہیں شرفِ باریابی بخشا اور انتہائی خوشگوار بلکہ دوستانہ ماحول میں دو گھنٹے تک ان کے ساتھ گفتگو کی۔ کشمیر اور کابل کے پھلوں کے ساتھ ان کی تواضع کی گئی اور گیارہ سو روپے کی تھیلی بھی مہاراجہ نے عطا کی۔

لاہور میں قیام کے دوران وہ مہاراجہ کے ساتھ شکار پر بھی گئے۔ جنگل میں ان کے لیے بانات کے نفیس خیمے لگائے گئے جن کے اندر کشمیری قالین اور فرانسیسی ساٹن بچھے تھے۔ شاندار پلنگ تھے جن پر ریشمی پلنگ پوش بچھے تھے اور ان کے گرد ریشمیں پردے لٹک رہے تھے۔ مہاراجہ نے لاتعداد سور شکار کیے' کئی زندہ پکڑے گئے اور ان کی ایک ایک ٹانگ باندھ کر ان پر بل ٹیریئر کتے چھوڑے گئے اور یوں انہوں نے پہلی بار سوروں اور کتوں کی وحشیانہ لڑائی دیکھی۔

6 فروری کو انہوں نے لاہور میں بسنت کی تقریبات میں شرکت کی جو تزک واحتشام کے ساتھ منائی گئیں۔ مہاراجہ خود زرد لباس پہنے ان تقاریب میں شامل تھا۔

لاہور سے کابل... سکندر خان اور حسن جان... سلطان بی بی

11 فروری کو وہ لاہور سے چلے دریائے راوی کو کشتی میں عبور کیا۔ رات شاہدرہ میں بسر کی۔ الیگزینڈر برنس اور ڈاکٹر جیرارڈ نے پنجابی لباس پہن لیا۔ بھاری پگڑیاں' لمبے کرتے' کھلی شلواریں اور بغیر جرابوں کے سلیپر..... کھانا انہوں نے انگلیوں کے ساتھ کھایا۔ 16 فروری کو وہ دریائے چناب کے مشرقی کنارے پر پہنچے جہاں وہ سہارن نامی گاؤں میں ٹھہرے' جو موہن لال کے بقول اپنی خواتین کے حسن کی وجہ سے مشہور ہے۔ چھ روز بعد وہ دریائے جہلم کے کنارے ایک گاؤں میں پہنچے اور وہاں بھی موہن لال کو عورتوں کے حسن اور زندہ دلی کے علاوہ کوئی قابل ذکر چیز

Scanned by CamScanner

نظر نہ آئی۔ انہوں نے کوہستان نمک میں کھیوڑہ کی کانیں دیکھیں۔ پنڈ دادنخان اور جلالپور کے درمیان پچیس میل کا علاقہ بنجر اور غربت زدہ تھا اور یہاں کے لوگ ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کے لیے اولاد تک فروخت کرنے پر مجبور تھے۔ روہتاس اور مانکیالہ سے ہوتے ہوئے وہ 7 مارچ کو راولپنڈی پہنچے جہاں انہوں نے معزول شاہ افغانستان شاہ شجاع الملک کے ہاں قیام کیا۔ یہاں انہوں نے اپنے اسباب میں کمی کی۔ پختونوں جیسے لباس پہنے' خود کو درانی ظاہر کرنے لگے۔ برنس نے اپنا نام سکندر خان رکھ لیا جبکہ موہن لال نے حسن جان۔ ٹیکسلا کے قریب اس کی ملاقات ایک ہندو صراف سے ہوئی جس نے افغانستان' فارس' ترکستان اور روس کی سیاحت کی ہوئی تھی۔ اس نے موہن لال کو خاصی معلومات فراہم کیں۔ حسن ابدال سے گزرتے ہوئے وہ اٹک پہنچے' لیکن فوج کی بغاوت کے باعث قلعہ نہ دیکھ سکے۔ دریائے سندھ انہوں نے ہاتھیوں کی پشت پر بیٹھ پر پار کیا۔ ان کے کارواں کے تین سوار اور سات گھوڑے دریا کی تند و تیز لہروں کی نذر ہو گئے۔ 20 مارچ کو وہ پشاور پہنچے جہاں مقامی گورنر سلطان محمد خان نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ وہ ایک پڑھا لکھا' نفیس اور خوش لباس انسان تھا لیکن عیش و عشرت کا دلدادہ تھا اور ہر وقت حسین اپسراؤں میں گھرا اندر دیوتا بنا رہتا تھا۔ موہن لال لکھتا ہے کہ اس کی خوش لباسی اور نفاست کی وجہ سے امیر کابل دوست محمد خان اسے سلطان بی بی کہتا ہے۔

وہ لوگ ایک ماہ تک پشاور میں مقیم رہے اور مطلوبہ معلومات جمع کرتے رہے۔

19 اپریل کو سوا افراد پر مشتمل کارواں کابل کے لیے روانہ ہوا۔ خیبر پار کیا اور جلال آباد پہنچا وہاں اس نے گورکھ ناتھ مندر میں حاضری دی جو ہزاروں کبوتروں کا گھر تھا۔ یکم مئی کو وہ کابل پہنچے اور دوست محمد خان کے بڑے بھائی نواب جبار خان کے مہمان بنے۔ کابل میں موہن لال کی ملاقات بخارا سے لٹ پٹ کر واپس آنے والے مشنری جوزف وولف سے ہوئی۔ وہ موہن لال کے ساتھ انتہائی مہربانی کے ساتھ پیش آیا۔ وہ اس سے بہت متاثر ہوا اور وعدہ کیا کہ وہ کلکتے میں اپنی رشتہ دار لیڈی ولیم بینٹنگ سے اس کی سفارش کرے گا۔ موہن لال نے کابل کی خوب سیر کی۔ وہ قزلباشوں کے محلے میں گیا جو شیعہ مسلمان تھے اور ان کی آبادی پانچ ہزار کے قریب تھی۔ وہاں ہندو بھی تھے اور دو ہزار کے قریب سکھ بھی اور انہیں مکمل مذہبی آزادی حاصل تھی۔ آبادی کی اکثریت سنی مسلمان تھی اور زبان پشتو' لیکن کابل کے شہریوں کی اکثریت فارسی بولتی تھی۔ کابل کے شہریوں کے بارے میں اس نے لکھا ''لوگ عیاشی کے

Scanned by CamScanner

دلدادہ ہیں' چھپ چھپ کر شراب پیتے ہیں' عورتوں کی تلاش میں دیوانوں کی طرح پھرتے ہیں اور ان کی عورتیں خواہ وہ معزز گھرانوں سے ہی کیوں نہ تعلق رکھتی ہوں حسن سیرت سے محروم ہیں اور برائی کے پیچھے بھاگتی ہیں۔"

بامیان کے عظیم بت' خلام کی غلاموں کی منڈی' نازت بکشم کہ نازنینی

18 مئی کو کارواں کابل سے بخارا کے لیے روانہ ہوا۔ انہوں نے کوہستان کی برفوں میں سفر کیا' ندیوں کو برفوں سے بنے محرابی پلوں کے ذریعے عبور کیا' پانچویں دن وہ بامیان پہنچے جہاں پہاڑ پر سو سوفٹ بلند تین بت تراشے گئے تھے۔ ان کے نیچے غاریں تھیں جن میں کئی حجرے تھے۔ قریب ہی پچاس فٹ طویل ایک پتھر پڑا تھا جس کے اندر سے ایک چشمہ پھوٹ رہا تھا جس کا پانی باہر آتے ہی جم جاتا تھا۔

بامیان سے روانہ ہو کر وہ ہندوکش کے بلند و بالا سلسلۂ کوہ میں سفر کرتے ہوئے ساڑھے دس ہزار فٹ بلند درّہ اکبر آباد کو عبور کر کے ترکستان میں داخل ہوئے' جہاں کا حاکم مراد بیگ ازبک تھا جو انتہائی بدشکل' بد اطوار اور جفا شعار شخص تھا۔ اس نے ولیم مور کرافٹ پر تشدد بھی کیا تھا۔ وہ کسی ایسے کارواں کو جس کے ساتھ کوئی کم عمر لڑکا ہو اس وقت تک اپنی حدود سے نہیں گزرنے دیتا تھا جب تک اس کے ساتھ بدفعلی نہ کر لے۔ اس کے حرم میں بے شمار لونڈیاں اور غلام تھے۔ اس کا وزیر اعظم ایک ہندو آتمارام تھا' جو خود بھی ایک بڑا حرم رکھتا تھا۔

خلام کے مقام پر انہوں نے غلاموں کی ایک منڈی دیکھی اور ان کی خستہ حالت پر غمگین اور دل گرفتہ ہوئے۔ دو جون کو انہیں مراد بیگ کی خدمت میں پیش ہونے کا حکم ملا۔ مراد بیگ فرنگیوں کا شدید دشمن تھا چنانچہ موہن لال ملتان کے باسی ایک تاجر چمن داس کے پاس گیا جو ترکستان میں کافی با اثر تھا اور ایک برہمن کی حیثیت سے موہن لال کا بے حد احترام کرتا تھا۔ موہن لال اس کے سامنے دست بستہ کھڑا ہو گیا اور گزارش کی کہ وہ انہیں مراد بیگ کے غضب سے بچا لے چنانچہ چمن داس ان کے ہمراہ مراد بیگ کے دربار میں گیا اور اپنی لچھے دار گفتگو کے ذریعے مراد بیگ کو ان کے خلاف کسی بھی اقدام سے باز رکھا۔ مزار شریف میں محصول خانے کا ایک ازبک افسر موہن لال پر عاشق ہو گیا' اسے دیکھ کر سرد آہیں بھریں اور ایک کاغذ پر چند اشعار لکھ کر اسے دیئے جن میں ایک شعر یہ بھی تھا:

Scanned by CamScanner

گر بے سر و چشم من نشینی
نازت بکشم کہ نازنینی

اس نے موہن لال کو چار سو روپے ماہانہ تنخواہ دینے کی پیشکش کی اور اسے روکنے کی کوشش کی۔ دریائے آمو عبور کر کے انہوں نے ایک وسیع و عریض ریگستان میں سفر کیا۔ راستے میں انہیں ترکمان ملے جو گلہ بان تھے اور لٹیرے بھی' ان کا خاص مشغلہ قزلباشوں کو غلام بنانا تھا جو اکثر و بیشتر اپنے آقاؤں کی بیویوں کے ساتھ تعلقات استوار کر لیتے تھے اور پھر رہائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔

27 جون کو وہ بخارا پہنچے۔ بخارا کا موسم جون میں بھی ہندوستان کے موسم سرما جیسا تھا۔ سورج غروب ہوتے ہی نوبت بجتی اور شہر میں کرفیو لگ جاتا۔ کسی کو باہر نکلنے کی اجازت نہ ہوتی۔ موہن لال یہودیوں کے محلے میں گیا۔ ان کی آبادی تین ہزار کے قریب تھی۔ وہ بھی خوش حال تھے اور تجارت پیشہ' ان کی عورتیں حسن و جمال میں بے مثال تھیں۔ اس نے لکھا "مجھے یقین ہے کہ اگر کوئی حسن کا پرستار ہندوستانی بخارا آ جائے تو خود کو کوچہ یہود پر قربان کر دے۔"

ایک روز انہوں نے دو افراد کو سر عام کوڑے پڑتے دیکھے' معلوم ہوا انہوں نے نماز فجر قضا کی تھی۔ لوگوں کو شراب نوشی' تمباکو اور نسوار خوری کی پاداش میں بھی کوڑے مارے جاتے تھے۔

موہن لال کے مطابق بخارا کے لوگ اچھے گھڑ سوار اور زبردست قوت برداشت کے مالک تھے لیکن غلیظ بھی تھے۔ خود کو صاف کرنے کے لیے پانی کے بجائے ڈھیلے استعمال کرتے تھے اور سیدھے ہی نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ مرد عموماً بیویوں سے اجتناب کرتے اور لڑکوں کی صحبت کو ترجیح دیتے تھے۔ عورتیں حسن صورت میں امیر اور حسن سیرت میں مفلس تھیں۔ لوگوں کی اکثریت سنی مسلمان تھی جو شیعوں کے ساتھ ذلت آمیز سلوک کرتے اور انہیں غلام بنا لیتے تھے۔ یہودیوں اور ہندوؤں کے ساتھ برا سلوک تو کیا جاتا تھا لیکن ناپاک سمجھے جانے کی وجہ سے انہیں غلام نہیں بنایا جاتا تھا۔ وہ جزیہ دیتے تھے۔ انہیں گھوڑے پر سوار ہونے کی ممانعت تھی۔ وہ شال نہیں اوڑھ سکتے تھے۔ کمر کے گرد کپڑے کے بجائے رسی باندھنے کی اجازت تھی۔ ان کے بخارا قیام کے دوران وزیر کا بیٹا نشے کی حالت میں ایک گھر میں گھس گیا اور ایک لڑکی کے ساتھ زبردستی کی۔ اس کے خلاف مقدمہ چلایا گیا۔ قاضی کے فیصلے کے مطابق اسے 75 کوڑے مارے گئے اور ایک مریل سے اونٹ پر سوار کر کے بازار میں گھمایا گیا۔ اس کا وزیر باپ اونٹ کے ساتھ ساتھ چل

Scanned by CamScanner

رہا تھا اور بلند آواز سے کہتا جاتا تھا ''یہ ہے زانی کی سزا۔''

بخارا سے مشہد، پنجتن کا محبّ، گندھارا کی کھدائی، مہاراجہ کی خلعت

ضروری معلومات جمع کرنے کے بعد وہ 21 جولائی کو بخارا سے واپسی کے سفر پر روانہ ہوئے۔ 17 اگست کو ساخس کے مقام پر خراسان میں داخل ہوئے۔ یہاں انہوں نے ترکمانوں کے ہزاروں خیمے دیکھے، جہاں 1500 قزلباش غلام اور ہزار کنیزیں تھیں۔ پچاس یہودی غلام بھی تھے۔ ابھی وہ اس گاؤں میں ہی تھے کہ ترکمانوں کا ایک گروہ مشہد سے مزید 115 غلام لے کر آیا۔ وہیں الیگزینڈر برنس کا ٹٹو بھی چوری ہو گیا۔

14 ستمبر کو وہ مشہد کے مقدس شہر پہنچے اور ایک امریکن خاتون مادام شی کے ہاں ٹھہرے جس کا شوہر ایرانی فوجیوں کو تربیت دے رہا تھا۔ موہن لال ایرانی لباس میں امام علی رضاؑ کے روضے کے اندر گیا اور مسلمانوں کی دُعاؤں اور عادات کی نقل کرتا رہا۔ کسی کو اس پر شبہ نہ ہوا۔ مشہد کے لوگ صاف ستھرے شائستہ اور نرم خو تھے اور افغانوں اور ازبکوں کے مقابلے میں بہت زیادہ مہذب تھے۔

مشہد سے وہ کوچان گئے، جہاں انہوں نے امریکن کپتان اور ولی عہد عباس مرزا سے ملاقات کی۔ یہاں سے مسٹر برنس کیسپین کے راستے برطانیہ کے لیے روانہ ہو گیا۔ موہن لال کئی روز مشہد میں رہا۔ اس نے ایک روز ولی عہد کے دربار میں حاضری دی۔ ولی عہد نے دریافت کیا کہ وہ شیعہ ہے یا سنی؟ موہن لال نے جواب دیا کہ وہ پنجتن کا محبّ ہے۔ پھر ولی عہد نے پوچھا آیا رنجیت سنگھ کا دربار شان و شوکت میں ہمارے دربار سے اور اس کی فوج جرأت و تنظیم میں ہمارے سربازوں کا مقابلہ کر سکتی ہے؟ موہن لال نے جواب دیا ''حضور رنجیت سنگھ کا درباری خیمہ بھی کشمیری شالوں کا بنا ہوا ہوتا ہے اور رہی فوج کی بات، اگر اس کا کمانڈر انچیف ہری سنگھ اس طرف کا قصد کرتے ہوئے دریائے سندھ پار کر لے تو اعلیٰ حضرت کو فوراً اپنے آبائی شہر تبریز کے لیے رخت سفر باندھ لینا چاہئے۔'' شہزادہ اس کی بیباکی اور جرأت سے متاثر ہوا اور اہل دربار سے کہا کہ یہ تعلیم انگلیسی کا اثر ہے کہ ایک بندہ اس قدر دلیر ہے اور پھر کہا اگر علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم نے ہماری مدد کی تو ہم کشمیر پر اپنے پرچم لہرا دیں گے اور اپنے تمام سربازوں کو کشمیری شالوں کی شلواریں پہنائیں گے۔ شہزادے نے موہن لال کو ''تمغہ شیر و خورشید'' سے نوازا۔

Scanned by CamScanner

مشہد سے روانہ ہوکر موہن لال اور ڈاکٹر جیرارڈ ہرات پہنچے' ہرات بارونق شہر تھا' وہاں سات کاروان سرائیں تھیں' ایک کارواں سرائے شکار پور کے ہندو تجار سے بھری ہوئی تھی۔ حاکم ہرات کامران شاہ شراب' افیون اور بھنگ کا عادی تھا اور ہر وقت خوبصورت لڑکوں میں گھرا رہتا تھا۔ لوگوں پر ظالمانہ ٹیکس عائد تھے' وہ انتہائی بے رحم انسان تھا اور اس کے بیٹے بھی باپ کے نقش قدم پر چل رہے تھے۔ ہرات سے قندھار جاتے ہوئے ڈاکوؤں نے کارواں کو لوٹ لیا' غارت شدہ سامان میں موہن لال کی ڈائری بھی شامل تھی۔ اس نے مقامی حاکم سے شکایت کی لیکن کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ آخر اس نے ڈاکوؤں سے رابطہ کیا اور معقول رقم دے کر ڈائری (روزنامچہ) واپس لی۔ قندھار میں ایک بڑے سردار رحمدل خان نے دو ماہ تک انہیں اپنا مہمان رکھا اور خاطر تواضع کی۔ قندھار سے وہ براستہ غزنی کابل پہنچے' وہاں ان کی ملاقات معروف سیاح چارلس میسن سے ہوئی۔ موہن لال نے بابر کا مقبرہ دیکھا۔ وہ بگرام گیا جہاں اسے بہت سے یونانی سکے ملے۔ بادشاہ دوست محمد خان کے ہاں رات کے کھانے میں شریک ہوا۔ اس نے لکھا کہ انگلستان کی درآمدی اشیاء اخراجاتِ سفر اور محصولات کی ادائیگی کے بعد کابل میں تیس فیصد منافع دیں گی بشرطیکہ انہیں بمبئی سے خلیج کچھ اور پھر سندھ اور بلوچستان کے راستے قندھار پہنچایا جائے۔ کابل سے واپس آتے ہوئے وہ پانچ دن جلال آباد میں ٹھہرے جہاں وہ آثارِ قدیمہ کی کھوج لگاتے رہے۔ انہیں گندھارا کا ایک سٹوپا ملا اور کئی سکے مورتیاں اور دیگر اشیاء ملیں' موہن لال نے سٹوپے کی تفصیلات کسی ماہر آثارِ قدیمہ کی طرح بیان کی ہیں۔ درۂ خیبر میں ڈاکوان پر حملہ آور ہوئے اور کچھ سامان چھین کر لے گئے۔ پشاور میں سلطان محمد خان نے ان کی تواضع کی۔ واپسی پر روہتاس میں مہاراجہ کے اطالوی جرنیل ونیتورا اور فرانسیسی جرنیل کورٹ نے ان کا خیر مقدم کیا۔ وزیر آباد میں ایک ہندو نے موہن لال کو ہدایت کی کہ وہ منسارام کے مندر میں حاضری دے کیونکہ مسلمان ممالک کی طویل سیاحت کی وجہ سے ہندو اس کے عقیدے کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا ہیں۔ لاہور میں انہوں نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں حاضری دی۔ مہاراجہ نے موہن لال کو پانچ سو روپے اور سات پارچات پر مشتمل خلعت عطا کی۔

بطور انٹیلی جنس خبر نویس بہاولپور' ملتان' ڈیرہ غازی خان اور شکار پور میں

وسط ایشیا کے دورے میں موہن لال کی عمدہ کارکردگی کے پیش نظر گورنر جنرل کے دفتر

Scanned by CamScanner

سے موہن لال کے بطور انٹیلی جنس اور پولیٹیکل خبر نویس کے 250 روپے ماہانہ مشاہرہ پر تعیناتی کے احکامات جاری ہوئے۔ وہ دلی سے کلکتہ گیا جہاں اس کی ڈائری شائع ہوئی۔ وہ لیڈی ولیم بینٹنگ اور سر چارلس منکاف سے ملا۔ وہاں اسے ہندو کالج میں پانچ ماہ تک سروے اور ڈرائنگ کی تربیت دی گئی۔ سرویئر جنرل کے دفتر سے سروے کے آلات حاصل کرنے کے بعد وہ دلی واپس آ گیا۔ دلی میں وہ مغل بادشاہ اکبر شاہ ثانی کی خدمت میں لال قلعے میں حاضر ہوا اور اپنے بزرگوں کی خدمات کا تذکرہ کیا۔ بادشاہ نے اسے خلعت عطا کی اور ہیرے سے مرصع ریشمی دستار اپنے دست مبارک سے اس کے سر پر رکھی۔

وہ اخیر ماہ اکتوبر میں بہاولپور، ملتان، ڈیرہ غازی خان اور شکار پور کے لیے انٹیلی جنس مشن پر روانہ ہوا۔ دلی سے وہ لدھیانہ پہنچا اور وہاں سے دریائے ستلج کے ساتھ ساتھ سفر کرتا ہوا اوائل دسمبر میں بہاولپور پہنچا۔ اثنائے سفر مبارک پور میں وہ لیفٹیننٹ میکسن سے ملا جس نے اسے ملتان کے گورنر دیوان ساون مل اور شکار پور کے ایک بڑے تاجر خوب چند کے نام خطوط دیے۔ بہاولپور کے چاروں طرف باغات تھے اور نیل کے کھیت تھے۔ یہاں ریشم کی صنعت کافی ترقی یافتہ تھی۔ وہ نواب محمد بہاول خان عباسی کے دربار میں حاضر ہوا جو اس کے ساتھ مہربانی سے پیش آئے۔ بہاولپور میں قیام کے دوران اسے کیپٹن ویڈ کی طرف سے ہدایات موصول ہوئیں جن کے مطابق اسے بہاولپور، ملتان، ڈیرہ غازی خان، داجل، ہڑند، مٹھن کوٹ اور شکار پور کے راستوں، پیداوار، تجارت، ذرائع نقل و حمل، محصولات اور تاجر طبقے کے بارے میں رپورٹیں تیار کرنا تھیں۔ خاص طور پر دریائے سندھ میں جہاز رانی پر مفصل رپورٹ تحریر کرنا تھی اور مقامی حکام کے شک و شبہ سے بالاتر رہ کر کام کرنا تھا۔

وہ دس دسمبر کو بہاولپور سے غریب مسافروں کا سا حلیہ بنا کر روانہ ہوا۔ وہ دریائے ستلج کے کنارے پہنچا۔ دریا کا پانی گدلا تھا، چوڑائی 300 گز تھی اور گہرائی 112 فیدم اور وہاں درجہ حرارت 54 ڈگری فارن ہائٹ تھا۔ بہاولپور سے بیس میل کے فاصلے پر میراں پور کا قصبہ تھا جس کے اطراف نیل کی کاشت ہوتی تھی۔ کھیتوں سے پرے پیلو اور لئی کا گھنا جنگل تھا اور ہرنوں کی فراوانی تھی۔ وہ کپاس اور نیل کے کھیتوں میں سے گزرتا ہوا تیرہ میل کا سفر طے کر کے شجاع آباد پہنچا۔ شہر کے گرد پختہ فصیل تھی جس پر تین توپیں نصب تھیں۔ فصیل کے ساتھ ساتھ گہری خندق تھی۔ شہر کے بازار بہت عمدگی اور منصوبہ بندی کے ساتھ تعمیر کیے گئے تھے۔ شہر خوبصورت اور

Scanned by CamScanner

صاف ستھرا تھا۔ تین سو سے زائد دکانیں سامانِ تجارت سے بھری ہوئی تھیں۔ خوشحال لوگوں کے سہ منزلہ اور چہار منزلہ گھر تھے۔ نواب کا محل قابل دید تھا۔

شجاع آباد سے وہ سکندر آباد پہنچا اور وہاں اتفاق سے اس کی ملاقات راجن پور کے مزاری قبیلے کے سردار بہرام خان کی خوش دامن سے ہوئی جو پانچ ماہ پیشتر سکھوں اور مزاریوں کے درمیان لڑائی میں دیگر قیدیوں کے ہمراہ سکھوں کے ہاتھ لگی تھی کیونکہ مزاریوں نے سکھوں کے کئی قافلوں کو لوٹا تھا چنانچہ سکھوں کے لیے بدلہ لینے کا اچھا موقع تھا۔ انہوں نے اس خاتون کی رہائی کے عوض پچیس اونٹ طلب کیے تھے جن میں سے بیس اونٹ آ چکے تھے اور پانچ ابھی آنا باقی تھے۔ موہن لال کو مزاریوں کے علاقے میں سے گزرنا تھا چنانچہ اسے موقع ملا کہ وہ مسماۃ جنت کے ذریعے بہرام خان کے ساتھ تعلقات استوار کرے۔ اس نے جنت کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا اور اسے چار روپے نقد اور ایک ریشمی واسکٹ پیش کی۔ موہن لال ملتان پہنچا تو اسے فصیل شہر سے باہر روک لیا گیا۔ دیوان ساون مل کو اطلاع ملی تو اس نے موہن لال کو نارنگیوں کا ٹوکرا اور اکیس روپے نقد بھیجے۔ اسے دولت گیٹ کے باہر ایک مکان رہائش کے لیے دیا گیا۔ ملتان میں اس نے بخارا کے ساتھ تجارت کرنے والے تاجروں سے ملاقاتیں کیں اور انہیں ہندوستان کی منڈیوں کی برآمدی اشیاء کی فہرست اور نرخ مہیا کیے۔ اس نے تاجروں سے ملتان تا بخارا راستے منازل اور شرح محصولات کے بارے میں تفصیلات معلوم کیں۔ ملتان بخارا سے خام ریشم درآمد کرتا تھا اور پھر شہر کے 180 کارخانوں میں اس سے پارچہ بافی کی جاتی تھی۔ ملتان کی برآمدات میں ریشمی پارچہ جات قالین' چھینٹ' تیل' تمباکو جبکہ درآمدات میں بخارا سے ریشم' افغانستان سے مختلف جڑی بوٹیاں' امرتسر سے انگریزی کپڑا' ہلدی' ادرک' چینی' تانبا اور پیتل وغیرہ شکار پور سے موتی' ڈیرہ غازی خان سے مکھن' بھنگ' چرس' افیون اور نسوار اور دواجل سے تیل شامل تھیں۔

30 جنوری کو ملتان کے تاجروں نے اس کے اعزاز میں ایک الوداعی عشائیہ دیا اور ایک محفل رقص و سرود ترتیب دی۔ اس نے لکھا "ملتان کی رقاصائیں دلی کی رقاصاؤں کی نسبت زیادہ محنت کرتی ہیں لیکن کم معاوضہ پاتی ہیں۔" 6 فروری کو وہ ڈیرہ غازی خان پہنچا۔ ڈیرہ کی سب سے بڑی پیداوار نیل تھی جو تقریباً تیرہ ہزار من سالانہ پیدا ہوتا تھا۔ اس نے لکھا کہ گزشتہ سال یعنی 1835ء میں پندرہ سو اونٹ نیل خراسان برآمد کیا گیا فی بار شتر پانچ سو روپے کے حساب سے!

راجن پور کے قریب مزاری ڈاکو اس کی گھات میں تھے لیکن سکھ سواروں کو ساتھ دیکھ کر

Scanned by CamScanner

غائب ہوگئے۔ وہ مٹھن کوٹ پہنچا جہاں بگتی ڈاکوؤں کا خوف تھا اور شہری رات بھر اپنے گھروں کی چھتوں پر پہرہ دیتے تھے۔ بگتیوں نے چند روز قبل عمر کوٹ میں سکھوں پر حملہ کیا تھا اور پچاس سکھ مار ڈالے تھے جبکہ ان کے صرف دو آدمی مارے گئے تھے۔ کوٹ مٹھن میں صرف دس سکھ سپاہی موجود تھے جو انتہائی ناکافی تعداد تھی۔ وہ ایک فقیر کے بہروپ میں مٹھن کوٹ سے روانہ ہوا اور روجہان پہنچا جو مزاریوں کے سردار کی قیام گاہ ہے۔ مزاری مویشیوں کے گلے پالتے تھے۔

وہ گھاس پھونس کے جھونپڑوں اور نمدے سے بنے خیموں میں رہتے تھے۔ وہ تلوار کے دھنی تھے اور ساتھ ہی بھنگ کے عادی بھی۔ ان کی عورتیں مہمان نواز تھیں۔ دوران جنگ وہ پانی لیے میدان میں پھرتی تھیں اور اپنے جنگجوؤں کے ساتھ ساتھ دشمن کو بھی پانی پلاتی تھیں۔ اس نے سردار بہرام خان کو ایک فرضی رام کہانی سنا کر رام کر لیا' جس نے اسے حفاظتی دستہ دیا جو مزاری حدود کے خاتمے تک اس کے ساتھ رہا۔ عمر کوٹ سے گزرتے ہوئے اس نے بگتی سکھ جنگ کے آثار دیکھے۔ سکھوں کی پگڑیوں کے خون آلود چیتھڑے' خون سے سرخ زمین اور کٹے ہوئے اعضاء۔ 12 مارچ کو وہ شکار پور پہنچا۔ بہاولپور' ملتان اور ڈیرہ غازی خان کے برعکس شکار پور کی اپنی کوئی صنعت اور بڑی پیداوار نہیں تھی لیکن اپنے محل وقوع کی بنا پر وہ ایک بڑی تجارتی منڈی تھا۔ کئی تجارتی راستے وہاں آ کر ملتے تھے۔ قلات' شال' قندھار' ہرات' مشہد' پشاور' کابل' قندوز' بلخ' بخارا' بہاولپور' ڈیرہ غازی خان' ملتان' امرتسر ہر جگہ کا مال تجارت شکار پور آتا تھا اور دیگر مقامات کو برآمد ہوتا تھا۔ شکار پور کے تاجروں کے کارندے مذکورہ تمام مقامات پر موجود تھے۔ آپ کسی چیز کا نام لیتے وہ شکار پور میں آپ کو مل جاتی۔ شکار پور کے بارے میں مفصل رپورٹ تیار کرنے کے بعد وہ گھوٹکی اور پھر سبزل کوٹ گیا۔

سبزل کوٹ کے گرد ایک فصیل تھی اور دروازۂ شہر پر ایک توپ نصب تھی۔ موہن لال نے بڑی سادگی سے محافظوں سے پوچھا "یہ کیا چیز ہے؟" انہوں نے جواب دیا "یہ توپ ہے!" موہن لال نے ان سے اسے چھونے کی اجازت مانگی اور اسے ناپ لیا' توپ کی لمبائی سات بالشت اور محیط اس کا نصف تھا۔ یہاں سے وہ احمد پور اور پھر وہاں سے بہاولپور پہنچا۔

برطانوی نمائندہ لیکسن بوجہ علالت لدھیانہ گیا ہوا تھا چنانچہ موہن لال کو یہاں کئی ماہ تک رُکنا پڑا۔ موہن لال نے نواب محمد بہاول خان کو حکومت برطانیہ کی طرف سے اس اطلاع پر مبنی مکتوب پیش کیا کہ لارڈ آک لینڈ نے ہندوستان کے گورنر جنرل کا عہدہ سنبھال لیا ہے۔ اس موقع

Scanned by CamScanner

پر اسے توپ کی سلامی پیش کی گئی۔ تمام امراء دربار میں موجود تھے۔ نواب نے بڑے احترام کے ساتھ مکتوب وصول کیا' اسے بوسہ دیا' آنکھوں سے لگایا اور بآواز بلند پڑھ کر جملہ اہل دربار کو سنایا۔

موہن لال کو بہاولپور اور لاہور کے درمیان تنازعات کے حل میں مدد دینے اور بہاولپور اور مٹھن کوٹ کے درمیان جہاز رانی کے لیے امن وامان کی صورت حال بہتر بنانے کے فرائض بھی سونپے گئے۔

سر الیگزینڈر برنس کے ہمراہ کابل مشن پر

نومبر 1837ء میں موہن لال ملتان میں تھا کہ اسے حیدرآباد جا کر کچھ کے ریذیڈنٹ کے نائب اور اپنے سابق آقا الیگزینڈر برنس سے ملنے کے احکامات ملے جو ایک ''تجارتی وفد'' لے کر کابل جانے والا تھا۔ وہ یکم دسمبر کو روانہ ہوا۔ دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر پہنچا اور اس کے ساتھ ساتھ سفر کرتا ہوا مٹھن کوٹ کے بالمقابل چاچڑاں کے پتن (گھاٹ) پر پہنچا جہاں اسے خان پور میں مقیم نواب آف بہاولپور کا مراسلہ موصول ہوا جس میں ملاقات کی خواہش ظاہر کی گئی تھی۔ وہ کئی روز نواب کا مہمان رہا۔ فروری میں وہ حیدرآباد پہنچا جہاں اس کی ملاقات مشن کے دیگر ارکان' الیگزینڈر برنس' میجر لیچ' لیفٹیننٹ وڈ اور نوروز جی فریدوں جی سے ہوئی۔ حیدرآباد سے وہ لوگ خیر پور گئے اور والئ ریاست میر رستم خان سے ملاقات کی۔ خیر پور کی اہم پیداوار کپاس اور نیل تھیں۔ خیر پور' رانی پور اور گمبٹ میں دھاگہ بنایا جاتا تھا اور سوتی کپڑا بھی' مصنوعات دریا کے راستے کراچی اور ٹھٹھہ جاتی تھیں۔ کپاس کا نرخ نو سے دس روپے فی من اور نیل کا چالیس سے ستر روپے من تھا۔ خیر پور میں اونی مصنوعات بھی بنتی تھیں لیکن کم مقدار میں۔ خیر پور سے لٹھا' چھینٹ اور چمڑا قندھار برآمد کیا جاتا تھا' تمرس کا پھل جو کپڑا رنگنے میں استعمال ہوتا' حیدرآباد' پنجاب اور ایران برآمد کیا جاتا تھا۔

خیر پور سے وہ دریائے سندھ اور پھر ستلج میں سفر کرتے ہوئے احمد پور پہنچے اور وہاں سے خشکی کے راستے بہاولپور۔ بہاولپور کی صنعت وتجارت کے بارے میں موہن لال کی رپورٹ برنس نے تعریفی کلمات کے ساتھ گورنر جنرل کو ارسال کی۔ بہاولپور میں آم' نارنگیاں' لیموں اور شہتوت فراوانی کے ساتھ پیدا ہوتے تھے۔ یہاں سوتی اور ریشمی کپڑا بنتا تھا۔ ریشم کی لنگیاں تو بہت شاندار ہوتی تھیں۔ طلائی اور نقرئی حاشیوں والی ان لنگیوں کی خراسان تک مانگ تھی۔ چینی اور نیل

Scanned by CamScanner

بھی یہاں کی برآمدات میں شامل تھیں۔

بہاول پور سے وہ کشتیوں کے ذریعے اوچ شریف گئے۔ چاچڑاں سے ذرا آگے وہ دریائے سندھ میں داخل ہوئے۔ مٹھن کوٹ میں رنجیت سنگھ کے نمائندے نے ان کی پذیرائی کی۔ یہاں سے وہ ڈیرہ غازی خان اور ڈیرہ اسماعیل خان ہوتے ہوئے کالا باغ پہنچے۔ کالا باغ کا سردار ملک اللہ یار اعوان تھا' جو سالانہ 32 ہزار روپے مالیہ وصول کرتا تھا اور اس میں سے دس ہزار روپے مہاراجہ کو ارسال کرتا تھا۔ اس کے پاس دو سو گھڑ سوار اور اتنے ہی پیادے تھے۔ کالا باغ میں پھٹکری بنانے کی دس فیکٹریاں تھیں جبکہ دریا پار موچھ میں دو سو۔ 21 مقامات سے نمک نکالا جاتا تھا جس کی سالانہ پیداوار کی مالیت تین لاکھ روپے بنتی تھی۔ نصف رقم مزدوروں کو' ایک تہائی سردار کو اور باقی مہاراجہ کو ملتی تھی۔ وہاں گندھک کی کانیں بھی تھیں جس کا استعمال مقامی سردار مہاراجہ کے علم میں لائے بغیر بارود سازی میں کرتا تھا۔ لوگوں کی صحت اچھی نہ تھی۔ وہ اکثر بخار' صفرا اور گلہڑ میں مبتلا رہتے تھے۔

کالا باغ سے خشکی کے راستے وہ پشاور پہنچے وہاں ان کی ملاقات مہاراجہ کے فرانسیسی جرنیل ایوٹا بائیل سے ہوئی جو پچاس ہزار کے لشکر جرار کے ساتھ وہاں مقیم تھا۔ فوج کی سربراہی شہزادہ کھڑک سنگھ کر رہا تھا۔

پشاور سے وہ درۂ خیبر میں واقع قلعہ علی مسجد پہنچے جہاں ان کا استقبال نومسلم کیپٹن فدا محمد خان نے کیا۔ فدا محمد قبول اسلام سے پہلے کیپٹن لیزلی ہوا کرتا تھا۔ خیبر سے کابل تک کے سفر میں ہر منزل پر انہیں امیر دوست محمد خان کی طرف سے تحائف' کھانے اور خیر مقدمی خطوط موصول ہوتے رہے۔ کابل کے باہر شہزادہ محمد اکبر خان نے ان کا استقبال کیا۔ انہیں ہاتھیوں پر سوار کر کے بالا حصار لے جایا گیا اور قصر شاہی کے پہلو میں واقع ایک خوبصورت باغ میں ٹھہرایا گیا۔

21 ستمبر 1830ء کو وفد دربار میں باریاب ہوا۔ مراسلہ بلند آواز سے پڑھا گیا۔ گفت وشنید خوشگوار اور دوستانہ ماحول میں ہوئی۔ آخر میں امیر نے ایک سخت شرط پیش کی اور وہ یہ کہ پشاور کا صوبہ اسے رنجیت سنگھ سے واپس دلایا جائے اور افغانستان اور پنجاب کے مابین سرحد دریائے اٹک کو قرار دیا جائے۔ ان کے قیام کے دوران زار روس کا نمائندہ بھی کابل پہنچا اور اس نے وعدہ کیا کہ روس نہ صرف پشاور کا علاقہ بلکہ ڈیرہ جات' ملتان اور کشمیر بھی امیر دوست محمد کو دلوائے گا۔

حکومت برطانیہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ساتھ تعلقات خراب کرنے پر آمادہ نہ تھی (وہ

Scanned by CamScanner

اس کی موت کا انتظار کر رہے تھے) جبکہ امیر پشاور کی واپسی کی شرط پر ڈٹا ہوا تھا۔ چنانچہ لارڈ آک لینڈ کی اجازت کے بعد برنس نے واپسی کا اعلان کر دیا۔ میجر لیچ کو قندھار سے شکار پور واپس لوٹ جانے کا پیغام بھجوایا گیا۔ لیفٹیننٹ وڈ اور ڈاکٹر لارڈ کو قندوز سے واپس بلا لیا گیا۔

آخر کار 26 اپریل 1838ء کو مشن کابل سے روانہ ہو گیا۔ امیر کا فرزند غلام حیدر خان شہر سے باہر چار میل تک ان کے ساتھ آیا۔ وزیر سمیع اللہ بوتک کے درّے تک اور ناظر علی محمد جلال آباد تک ہم رکاب رہے۔ جلال آباد میں اکبر خان نے ان کے ساتھ بہت عمدہ سلوک کیا۔ جلال آباد سے وہ رافٹ کے ذریعے دریائے کابل میں سفر کرتے ہوئے پشاور پہنچے اور 17 جون کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں حاضر ہوئے۔ لاہور میں ان کی ملاقات ولیم میکناٹن سے ہوئی جو بعد میں کابل میں سفیر بنا اور وہیں انہیں لارڈ آک لینڈ کی خدمت میں شملہ حاضر ہونے کا حکم ملا۔

پہلی افغان جنگ میں پولیٹیکل اسسٹنٹ کے طور پر اہم کردار، رسد کی فراہمی

الیگزینڈر برنس کے مشن کی ناکامی کے بعد لارڈ آک لینڈ نے کابل میں حکومت کی تبدیلی کا فیصلہ کیا۔ اگرچہ یہ غیر منطقی فیصلہ پہلے ہی کیا جا چکا تھا۔ برنس کے مشن کی ناکامی اور روسی وفد کی کابل میں پذیرائی محض بہانہ بازی تھی۔ گرینڈ آرمی آف انڈس کا فیروز پور میں اجتماع ہوا۔ یہاں سے اسے 450 میل کا سفر طے کر کے سکھر اور سکھر سے تقریباً اتنا ہی سفر کر کے درہ بولان کے راستے قندھار اور وہاں سے 325 میل مارچ کر کے کابل جانا تھا۔ اس طویل مارچ کے دوران فوج کو بے پناہ رسد کی ضرورت تھی۔ اس سلسلے میں موہن لال کو اہم کردار سونپا گیا۔ شملہ میں گورنر جنرل نے اسے شرفِ ملاقات بخشا اور رسد کی بہم رسانی کے سلسلے میں تبادلہ خیالات کیا۔ موہن لال کو ملتان کے بنیوں اور درہ کے لوہانی تاجروں سے رسد، گاڑیاں اور رقم اکٹھی کرنے کے لیے ملتان بھیجا گیا۔ سر ہنری پونگر کو حیدر آباد، الیگزینڈر برنس کو خیر پور جبکہ کیپٹن لیکسن کو اس سلسلے میں بہاول پور روانہ کیا گیا۔ موہن لال کی کاوشوں کے نتیجے میں ملتان کے ساہوکاروں نے نقد رقم اور اناج کی بڑی کھیپ شکار پور پہنچائی جبکہ لوہانی سوداگروں نے بعد ازاں کئی ہزار اونٹ جمع کر کے سامانِ رسد قندھار پہنچایا۔ ملتان میں اپنا مشن کامیابی سے سرانجام دینے کے بعد وہ بذریعہ کشتی الیگزینڈر برنس کے پاس خیر پور پہنچا جو میر رستم خان کو معاہدے پر دستخط کرنے پر آمادہ کرنے میں ناکام رہا تھا۔ میر کا بھائی علی مراد خان اور وزیر فتح محمد خان انگریزوں کے ساتھ کسی بھی معاہدے

کے خلاف تھے اور وہ امیر پر اثر انداز ہو رہے تھے۔ اس مسئلے کے حل کے لیے موہن لال کے منصوبے کے مطابق الیگزینڈر برنس شکار پور چلا گیا اور وزیر کو وہاں مدعو کیا اور تاخیری ہتھکنڈوں کے ذریعے اسے وہاں روکے رکھا۔ علی مراد خان اپنے قلعہ کوٹ ڈی جی گیا ہوا تھا۔ اسی دوران موہن لال میر رستم خان سے ملا اور چھ گھنٹے کی طویل گفت وشنید کے بعد اپنی چرب زبانی کے ذریعے اسے معاہدے کی تمام شقیں تسلیم کرنے پر قائل کر لیا۔ اسی دوران علی مراد کو بھنک پڑ گئی اور وہ خیر پور آ پہنچا لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ جیسے ہی معاہدے پر دستخط اور مہر ثبت ہوئے موہن لال نے ایک اور دستاویز میر کے سامنے رکھ دی جس کے مطابق ایام جنگ میں بھکر کا قلعہ انگریزوں کے حوالے کیا جانا تھا۔ میر نے اعتراض کیا کہ یہ معاہدے کی اس شق کے منافی ہے، جس کے مطابق برطانوی حکومت کا دریائے سندھ کے کنارے واقع کسی بھی قلعے پر کوئی حق نہ ہوگا۔ موہن لال نے جواباً کہا کہ بھکر کا قلعہ دریا کے کسی بھی کنارے پر نہیں بلکہ دریا کے بیچ میں ایک جزیرے پر واقع ہے۔ میر علی مراد خان نے کہا وہ دن دُور نہیں جب یہ پوری ریاست انگریزوں کے قبضے میں ہوگی۔ اس پر موہن لال نے اسے بے بنیاد خدشہ قرار دیا اور برطانوی حکومت اور الیگزینڈر برنس کی طرف سے یقین دہانی کرائی کہ جنگ کے فوراً بعد قلعہ میر کو واپس کر دیا جائے گا۔ موہن لال نے میر سے قلعہ بھکر کے قریب دریائے سندھ پر پل بنانے کی اجازت بھی حاصل کر لی۔ میر سے یہ بھی کہا گیا کہ جنگ کے بعد اس کی اس مہربانی کے صلے میں ڈیرہ غازی خان اور ڈیرہ اسماعیل خان اس کے حوالے کر دیئے جائیں گے..... لیکن ہوا یہ کہ قلعے کی واپسی تو درکنار اس کی پوری ریاست پر قبضہ کر لیا گیا جبکہ میر کو ملک بدر کر دیا گیا۔

ولیم میکناٹن نے شکار پور میں مقیم الیگزینڈر برنس کو خان آف قلات میر محراب خان سے معاہدے کے لیے قلات جانے کی ہدایت کی۔ برنس نے موہن لال کو اپنے ساتھ رکھنے کی اجازت حاصل کر لی۔ شکار پور سے وہ بولان کے راستے شال (کوئٹہ) پہنچے۔ وہاں سے چل کر 28 مارچ 1839ء کو کیپٹن الیگزینڈر برنس، کیپٹن پٹی سن، کیپٹن سمپسن اور موہن لال بلوچستان کے صدر مقام قلات پہنچے اور میر کے دربار میں حاضر ہوئے۔ معاہدے کی دستاویز میر کے سامنے رکھی گئی۔ معاہدے کے مطابق میر محراب خان کو برطانوی فوج کی اناج اور چارے کی رسد کے بارے میں مدد کرنا تھی۔ بلوچ چھاپہ ماروں کو فوج پر حملہ کرنے سے باز رکھنا تھا۔ شاہ شجاع الملک کی اطاعت قبول کرنا تھی اور اس کے کیمپ میں حاضری دینا تھی۔ خان کو شاہ شجاع کی اہلیت پر شبہ تھا۔

Scanned by CamScanner

اسے برطانوی مہم کی کامیابی کا یقین بالکل نہ تھا۔ خان نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا ''تم قندھار اور غزنی پر قبضہ کرلو گے' شاید کابل پر بھی لیکن تم برفوں پر فتح حاصل نہ کرسکو گے' اور جب برف پڑے گی تو تم اپنی فوج کو نہ تو وہاں رکھ سکو گے اور نہ وہاں سے نکال سکو گے۔''

نواب کے دربار میں برنس کی شہ پر موہن لال کا روّیہ تمام آداب کے منافی تھا۔ اس نے دستاویز خان کے ہاتھ سے کھینچتے ہوئے کہا ''یہ آپ کے حق میں ہے کہ آپ برطانوی سرکار کے ساتھ اچھے تعلقات رکھیں'' خان نے دستاویز اس کے ہاتھ سے جھپٹ کر کہا ''یہ کیسی سرکار ہے اور کیسے نمائندے ہیں جو معقول گفتگو کے بجائے دھمکیاں دیتے ہیں۔'' چنانچہ معاہدہ نہ ہوسکا اور برنس واپس چلا گیا۔ موہن لال کو خان کے ساتھ مذاکرات جاری رکھنے کے لیے قلات میں چھوڑ دیا گیا۔ لیکن وہ خان کو معاہدے پر دستخط کرنے کے لیے قائل نہ کرسکا۔ چنانچہ اسے کوئٹہ بلالیا گیا۔

کوئٹہ سے قندھار جاتے ہوئے درہ خوجک عبور کرنے کے لیے موہن لال نے کاکڑ قبیلے کا ایک دستہ کرائے پر لیا' راستے میں اس نے سینکڑوں فوجیوں کی لاشیں اور مرے ہوئے اونٹ اور گھوڑے دیکھے جنھیں کاکڑوں اور اچکزئیوں نے شب خون مار کر ہلاک کردیا تھا۔ کاکڑوں کا ایک گروہ ان پر حملے کے لیے پہاڑ سے اُتر آیا لیکن موہن لال کے محافظوں نے انھیں بتایا کہ یہ کوئی فرنگی نہیں بلکہ شاہ شجاع کا بیٹا ہے چنانچہ چھاپہ مار واپس چلے گئے۔

قندھار' غزنی اور کابل کی فتح میں کردار' کابل میں داخلہ

موہن لال نے اپنے ایک کاکڑ ملازم محمد طاہر کے ذریعے قندھار کے وزیر ملا ناصر کو خرید لیا' جس نے حاکم قندھار کو خوفزدہ کرکے راہِ فرار اختیار کرنے پر آمادہ کیا۔ بعد ازاں ملا ناصر سرکار برطانیہ کا تاحیات وظیفہ خوار بنا۔ غزنی پر قبضے کے لیے موہن لال نے شہر میں مقیم امیر دوست محمد کے بھتیجے عبدالرشید خان کے ساتھ تعلق پیدا کیا چنانچہ اس نے شہر کے دفاع اور قلعہ اور فصیل کے کمزور مقامات کے بارے میں تفصیلی معلومات فراہم کیں۔ اس کے بغیر غزنی جیسے مضبوط قلعے کا سرنگوں ہونا ناممکن نہیں تو بے حد مشکل ضرور تھا اور غزنی کا محاصرہ مہینوں چل سکتا تھا۔ عبدالرشید کے لیے پانچ سو روپے پنشن مقرر کی گئی۔ غزنی کے حاکم غلام حیدر خان کو گرفتار کرکے موہن لال کے خیمے میں زیرِ حفاظت رکھا گیا۔

موہن لال ہی نے لوگر کے سردار غلام محمد خان پوپل زئی کو خریدا اور اسے الیگزینڈر

Scanned by CamScanner

برنس سے چالیس ہزار روپے دلوائے' اس نے کوہستان میں بغاوت کرادی۔ ایک طرف برطانوی فوج قندھار اور ناقابل تسخیر سمجھے جانے والے غزنی کو فتح کر کے تیزی سے کابل کی طرف بڑھ رہی تھی دوسری طرف کوہستانی بھی دارالحکومت کی طرف آرہے تھے۔ چنانچہ امیر دوست محمد اس قدر خائف ہوا کہ اپنا توپ خانہ میدان میں چھوڑ کر بامیان کی طرف فرار ہوگیا۔

جب شاہ شجاع الملک گرینڈ آرمی آف انڈس کی قیادت کرتے ہوئے فاتحانہ کابل میں داخل ہوا تو موہن لال اہم شخصیات میں نمایاں تھا۔ وہ عمدہ لباس پہنے' شاندار پگڑی باندھے' گھوڑے پر سوار الیگزینڈر برنس کے شانہ بشانہ چل رہا تھا اور ایک برطانوی مصنف ہیولاک کے بقول سب سے زیادہ خوش وخرم' دانشمند اور کامیاب ہستیوں میں نمایاں نظر آتا تھا اور ہرگز نہیں لگتا تھا کہ اس کے فرائض منصبی میں غلط ترین سفارتی کام انجام دینا بھی شامل ہے۔

موہن لال کی خدمات کے پیش نظر اسے ''آرڈر آف درانی امپائر'' عطا کیا گیا۔ موہن لال نے شہر کے وسط میں ایک شاندار مکان تعمیر کیا اور عیش وعشرت کے ساتھ ساتھ اپنے فرائض یعنی جاسوسی اور سرداروں اور حکام میں پھوٹ ڈالنے کی سرگرمیاں زور شور کے ساتھ جاری رکھیں۔ موہن لال اس قدر طاقت ور تھا کہ ایک بار اس کے ایک ملازم کشمیری موسیقار قادر جو کو شاہ شجاع نے دربار میں طلب کیا لیکن اس نے معذرت کی کہ وہ اپنے آقا کی اجازت کے بغیر حاضر نہیں ہوسکتا۔ شاہ نے سفیر ولیم میکناٹن سے شکایت کی لیکن اس نے ایک سرکاری ملازم کے نجی معاملات میں دخل اندازی سے انکار کر دیا۔

کابل کی بغاوت اور موہن لال کی انٹیلی جنس

برٹش انڈیا کی حکومت نے اگست 1841ء میں اعلان کیا تھا کہ افغانستان اتنا ہی پرسکون ہے جتنا ویلز' لیکن صرف ڈیڑھ ماہ بعد ہی بغاوت کا آتش فشاں پھوٹ پڑا جس کے تند وتیز آتشیں لاوے نے برطانوی فوج کو جلا کر راکھ کر دیا۔ ستمبر میں انگریزوں کے ذلت آمیز سلوک اور جھوٹے وعدوں کے ستائے ہوئے تمام سردار جمع ہوئے اور انہوں نے قرآن پاک کے ایک نسخے پر دستخط کر کے بغاوت کا فیصلہ کیا۔ موہن لال کو اس کے جاسوسوں نے اس کی اطلاع دے دی' اس نے برنس تک یہ خبر پہنچائی اور یہ بھی کہا کہ وہ قرآن پاک کا نسخہ حاصل کر سکتا ہے لیکن برنس نے اس خبر پر کان نہ دھرے۔ موہن لال کو ایک اور اطلاع ملی کہ بغاوت کا آغاز برنس کے

Scanned by CamScanner

گھر پر حملے سے ہوگا۔ موہن لال نے اس سے کارروائی کرنے کو کہا لیکن برنس نے کہا کہ وہ ولیم میکناٹن کے اختیارات اور اقدامات میں مداخلت نہیں کرے گا۔

ایک سردار تاج محمد بھی برنس کو تنبیہ کرنے کے لیے آیا لیکن برنس اس کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آیا اور کہا کہ وہ افواہوں سے خوفزدہ ہونے والا نہیں اور یہ بھی کہا کہ ''شما بسیار شیطان است'' اگلے روز مبینہ باغیوں میں شامل ایک سردار محمد مرزا خان حالات کی ٹوہ لگانے آیا۔ موہن لال نے اس سے کہا حالات پرسکون ہیں۔ میجر میگریگر نے کوہستان کی بغاوت کو کچل دیا ہے اور رابرٹ سیل کامیابی کے ساتھ جلال آباد پر چڑھائی کر رہا ہے۔ مرزا ہنسا اور کہا جس دروازے پر تم بیٹھے ہو کل یہی آگ کی لپیٹ میں ہوگا۔ موہن لال نے یہ روداد الیگزینڈر برنس کو سنائی تو اس نے تسلی دی کہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔

2 نومبر 1841ء کو صبح سات بجے موہن لال کے ملازم نے اسے جگایا اور بغاوت کی اطلاع دی۔ موہن لال نے اسے برنس کی رہائش گاہ پر بھیجا' برنس نے اسے کہا کہ وہ فوج طلب کر رہا ہے۔ موہن لال کو گھر میں چھپے رہنا چاہئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد برنس کے گھر پر حملہ ہوگیا۔ برنس باغ میں کھلنے والے دروازے میں آیا اور لوگوں سے جاں بخشی کے لیے منتیں کرنے لگا لیکن جواباً گالیاں ملیں۔ اس کے ساتھی مارے جا چکے تھے۔ تب اس نے اپنا سیاہ سکارف آنکھوں پر باندھا اور باغیوں کے درمیان کود گیا۔ پلک جھپکتے میں اس کے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ نائب شریف خان نے خاصی رقم خرچ کر کے دو روز بعد اس کی لاش حاصل کر کے دفنا دی۔

موہن لال اپنے گھر کی چھت سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ وہ نیچے اترا اور ساتھ والے گھر میں کود گیا اور پھر دیوار میں سوراخ کر کے عقبی گلی میں نکل آیا لیکن باغیوں نے اسے پکڑ لیا' اس سے قبل کہ وہ اپنے آقا جیسے انجام کو پہنچتا نواب محمد زمان خان نے اسے چھڑا لیا اور اپنے کمبل میں لپیٹ کر گھر لے آیا۔ اس کا گھر لوٹ لیا گیا اور ملازمین قتل کر دیئے گئے۔ رات کو نواب زمان خان اسے حفاظت کی خاطر قزلباشوں کے محلے میں سردار شیریں خان کے گھر چھوڑ آئے۔

اس روپوشی کے دوران بھی موہن لال کا جاسوسی کا نظام کام کرتا رہا' وہ رپورٹیں لے رہا تھا اور حکام بالا کو بھیج رہا تھا۔ باغیوں نے بالا حصار پر قبضے کا منصوبہ بنایا۔ انہوں نے قلعے کے ایک برج کے محافظ کو سو اشرفیوں کے عوض خرید لیا تھا۔ موہن لال نے یہ اطلاع شاہ شجاع کو بھجوائی چنانچہ محافظ جمعدار کو گرفتار کر لیا گیا' برج روہیلوں کی حفاظت میں دے دیا گیا اور

Scanned by CamScanner

یوں یہ منصوبہ ناکام ہو گیا۔

سفیر ولیم میکناٹن نے خفیہ طور پر لالچ اور رشوت کے ذریعے باغی سرداروں کو قتل کرانے کا فیصلہ کیا اور موہن لال کو لکھا ''تمہیں چاہیئے کہ امین اللہ خان کے مخالفوں کی ہر ممکن حوصلہ افزائی کرو اور یہ بدمعاش اور عبداللہ خان ہاتھ لگیں تو انہیں قتل کر دینا چاہیئے۔''

''مفسدوں'' کے سر لانے پر دس سے پندرہ ہزار روپے کا انعام بھی رکھا گیا۔ موہن لال نے دو باغی سرداروں عبداللہ خان اور میر مسجدی کے قتل کے لیے دو افراد محمد اللہ اور عبدالعزیز تلاش کر لیے اور انہیں اٹھارہ ہزار روپے پیشگی ادا کیے' باقی بارہ ہزار سر لانے پر ادا کیا جانا تھے۔ نومبر کے آخر میں یہ دونوں سردار مارے گئے لیکن باقی رقم کی ادائیگی سے اس بنیاد پر انکار کر دیا گیا کہ ان کے سر نہیں لائے گئے تھے۔

موہن لال نے کابل کے بعض ملاؤں کے ساتھ بھی گفت و شنید کی اور انہیں بھاری رقوم دے کر انگریزوں کے خلاف مذہبی جذبات بھڑکانے کے سلسلے کو بند کرنے پر آمادہ کیا۔

اس نے غلزئیوں کو باغیوں کا ساتھ چھوڑنے اور جلال آباد کی طرف جانے والے درّے اور سڑک کھولنے کے عوض دو لاکھ روپے کی پیشکش کی' قرآن پاک کے ایک نسخے پر معاہدہ تحریر کیا گیا لیکن غلزئیوں نے پچاس ہزار روپے پیشگی دینے پر اصرار کیا لیکن میکناٹن نے پیشگی رقم دینے سے معذوری ظاہر کی چنانچہ غلزئی برہم ہو کر اکبر خان کے ساتھ جا ملے۔

ولیم میکناٹن کے قتل کے بعد اس کا سر کاٹ کر غلام بھیج دیا گیا تھا' موہن لال نے سر حاصل کرنے کی کوشش کی جو ناکام رہی البتہ وہ اس کی انگوٹھی خریدنے میں کامیاب رہا اور اسے لیڈی میکناٹن کو بھجوا دیا۔

جب فوج نے کابل ترک کرنے کا فیصلہ کیا تو موہن لال نے اس کی مخالفت کی لیکن جب دیکھا کہ ایلڈر پوٹنگر اور دیگر حکام ہر قیمت پر چھاؤنی چھوڑ کر جانے پر آمادہ ہیں تو اس نے افغان سرداروں سے ان کی بحفاظت واپسی کے لیے ضمانت اور مہر شدہ تحریر حاصل کی (اگرچہ اس پر عمل نہ ہوا اور پوری فوج تہہ تیغ کر دی گئی)۔

موہن لال خود کابل میں روپوش رہا اور دارالحکومت کے حالات کے بارے میں مفصل رپورٹیں بمعہ تجاویز قندھار اور جلال آباد بھجواتا رہا۔ آٹھ ماہ کے دوران اس نے اوسطاً فی ہفتہ دو یا تین خطوط ارسال کیے اور راستوں میں شدید جانچ پڑتال کے باوجود اس کا ایک خط بھی پکڑا نہیں

Scanned by CamScanner

گیا‘ ان سرگرمیوں کے لیے رقوم بھی وہ کابل میں اکٹھی کرتا رہا۔

اکبر خان اور امین اللہ نے متعدد بار قزلباشوں سے موہن لال کی حوالگی کا مطالبہ کیا لیکن وہ ڈٹے رہے۔ آخر کار جون 1842ء میں اکبر خان اسے گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ قید کے دوران پہلی رپورٹ اس نے گرفتاری کے محض دو دن بعد بھجوائی۔ قید کے دوران اس نے مرزا خان کو اپنا حامی بنالیا تھا۔ وہ فی خط ڈیڑھ سے دو سو روپے ادا کرتا تھا۔ اکبر خان کو شبہ ہوا تو اس نے اسے ایک سخت گیر شخص ملا جلال کی نگرانی میں دے دیا جس نے اس پر بے پناہ جسمانی تشدد کیا۔ اس کی مشکیں کسی گئیں‘ سینے پر بھاری وزن رکھ دیا جاتا‘ کئی آدمی اس پر چڑھ کر اُچھلتے‘ اسے مرچوں کی دھونی دی جاتی‘ تلوؤں پر ڈنڈے برسائے جاتے۔ اکبر خان نے جان بخشی کے لیے اس سے تیس ہزار روپے طلب کیے اور اذیتیں دے کر اٹھارہ ہزار روپے وصول بھی کر لیے۔ جیل سے بھجوائے گئے خطوط میں وہ جنرل پولک کو حملے کے لیے سبز جھنڈی دکھاتا رہا اور حملے کے لیے حالات سازگار بتاتا رہا‘ لیکن حملہ بہت تاخیر سے ہوا۔ نو ستمبر کو موہن لال اکبر خان کی قید سے بھاگ کر قلعہ افشار میں قزلباشوں کی پناہ میں چلا گیا اور اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ شاہ شجاع کے زمان خان کے بیٹے شجاع الدولہ کے ہاتھوں قتل کی خبر بھی موہن لال ہی نے بھجوائی۔

برطانوی قیدیوں کی رہائی میں موہن لال نے اہم کردار ادا کیا۔ اس نے ہزارہ سردار صلاح محمد سے جس کی تحویل میں برطانوی قیدی بامیان کے ایک قدیم قلعہ میں مقید تھے‘ امیر مرتضٰی کشمیری نامی ایک شخص کے ذریعے رابطہ کیا اور ہزار روپے ماہانہ پنشن‘ عام معافی‘ بیس ہزار روپے نقد اور اس کے ساتھیوں کے لیے بھی معقول رقم کی پیشکش کی۔ اکبر خان ان قیدیوں کو ترکستان بھیج کر غلام کی منڈی میں فروخت کرنا چاہتا تھا؟ 15 ستمبر کو جنرل پولاک درّوں کی تمام رکاوٹوں کو تہس نہس کرتا فاتحانہ کابل میں داخل ہوا‘ دو روز بعد جنرل ناٹ بھی قندھار سے آ گیا۔ موہن لال درّانی اور قزلباش سرداروں کے ہمراہ جنرل پولاک کے خیر مقدم کے لیے کابل کے باہر موجود تھا۔

جنرل پولاک نے بالا حصار اور قزلباشوں کے محلے کے علاوہ تمام شہر کو تباہ کرنے اور نذرِ آتش کرنے کا حکم دیا۔ کوہستان میں واقع خوبصورت قصبے استالیف کو بھی تباہ و برباد کر دیا گیا۔ شہریوں کا قتل عام کیا گیا اور چھ سو عورتوں کو اٹھا لیا گیا جن میں چودہ سال کی بچیاں بھی شامل تھیں۔ بعد میں جنرل پولاک کے حکم پر عورتوں کو چھوڑ دیا گیا۔ اس دوران کئی انگریز سپاہی افغان خواتین

کے ساتھ باقاعدہ شادیاں بھی کر چکے تھے۔ یہ بربریت انتقامی کارروائی کے طور پر کی گئی اور بے گناہ شہریوں کو سزا دی گئی جن میں سے بے شمار تو انگریزوں کے محسن تھے۔ دوست محمد خان کو تخت پر بٹھانے کے بعد 12 اکتوبر کو برطانوی فوج نے کابل چھوڑ دیا اور واپسی پر جلال آباد کو بھی تباہ کر دیا حالانکہ جلال آباد میں کوئی بغاوت نہیں ہوئی تھی اور جلال آباد کے شہریوں نے انگریزوں کے ساتھ مکمل تعاون کیا تھا۔ جن قبائلیوں نے انگریزی لشکر کا صفایا کیا تھا وہ اپنی کوہستانی پناہ گاہوں میں محفوظ رہے۔

پندرہ دسمبر کو فیروز پور کے نواح میں لارڈ ایلن برا نے ان ''بہادروں'' کا خیر مقدم کیا جن میں ''ہمارا ہیرو'' موہن لال بھی شامل تھا۔ اس موقع پر ہونے والے جشن میں ہندوستانی ریاستوں کے نوابوں اور امیر دوست محمد خان کے اہل خانہ کو بھی مدعو کیا گیا۔ افغان فوج سے چھینی گئی بتیس توپوں اور دیگر ساز و سامان کی نمائش کی گئی۔ اس نمائش میں سلطان محمود غزنوی کے مزار سے اکھاڑے گئے دروازے بھی شامل تھے جو کہا جاتا ہے کہ سوم ناتھ کے مندر کے تھے۔ افغان قیدیوں کو بھی یہ جشن دیکھنے پر مجبور کیا گیا۔

موہن لال کی انگلستان میں پذیرائی اور کیریئر کا خاتمہ

موہن لال سے آغا حسن جان

30 جولائی 1844ء کو موہن لال ایک دخانی جہاز میں بمبئی سے روانہ ہوا۔ عدن، سکندریہ اور قاہرہ کی سیر کرتا ہوا 17 ستمبر کو وہ آئل آف وائٹ پہنچا۔ سر کلاڈ ویڈ نے اس کے استقبال کے لیے ایک بگھی بھیجی جس میں ان کا بھتیجا پھلوں کی ٹوکری اور اخبارات لیے خود موجود تھا۔ اگلے روز رکن پارلیمنٹ لارڈ ایشلے نے اس کے اعزاز میں عشائیہ دیا۔

23 ستمبر کو وہ لندن پہنچا جہاں کئی اعلیٰ شخصیات نے اسے مدعو کیا۔ وہ بکنگھم پیلس میں ملکہ کی دعوتِ رقص میں شامل ہوا جہاں ملکہ کے ساتھ اس کا تعارف کرایا گیا اور اس کی خدمات کا ذکر ہوا۔

سر ماؤنسٹورٹ الفنسٹن نے اسے اوکلے میں مدعو کیا۔ یہ وہی صاحب تھے جن کے ساتھ موہن لال کا والد بطور ترجمان پشاور گیا تھا۔ الیگزینڈر برنس کے والدین نے اسے کئی روز تک

Scanned by CamScanner

سکاٹ لینڈ میں اپنے پاس رکھا۔ موہن لال نے انہیں ان کے بیٹے کی ڈائری پیش کی۔ وہ ایڈنبرا گیا جہاں معروف مصور سرولیم نے اس کی تصویر بنائی جسے نمائش میں رکھا گیا۔ آئر لینڈ میں بھی اس کے اعزاز میں دعوتیں ہوئیں۔ اس کے لیے ایک ہزار پونڈ سالانہ اور پانچ سو روپے ماہوار پنشن دینے کا اعلان کیا گیا۔

موہن لال جرمنی بھی گیا جہاں برطانوی سفیر نے اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ بادشاہ فریڈرک ولیم نے اسے اپنے محل میں ضیافت پر بلایا۔ بادشاہ اور ملکہ اس کے ساتھ خاصی شفقت اور محبت کے ساتھ پیش آئے۔ لندن واپسی پر سفیر جرمنی نے شاندار طلائی فریم میں بادشاہ کے ساتھ اس کی تصویر اسے پیش کی۔

نومبر 1846ء میں وہ ہندوستان واپس آیا۔ تمام تر کوششوں کے باوجود اسے کوئی اچھی ملازمت نہ دی گئی بلکہ اس کی تنخواہ 320 روپے ماہانہ بھی روک لی گئی اور کہا گیا کہ اسے چھٹی بیرون ملک جانے کے لیے نہیں دی گئی تھی۔ حکام یورپ میں اس کی پذیرائی کی وجہ سے حسد میں مبتلا ہو گئے تھے۔ حکومت ہند بھلا کسی ایسے نیٹو شخص کو کیونکر کوئی معقول ملازمت دے سکتی تھی جس کی رسائی انگلینڈ کے اعلیٰ ترین طبقے تک ہو۔ چنانچہ صرف 34 سال کی عمر میں موہن لال کے کیریئر کا خاتمہ ہو گیا۔ اگرچہ اسے ایک معقول پنشن ملتی تھی جس سے وہ ایک اچھی ریٹائرڈ زندگی گزار سکتا تھا' لیکن اپنے شاہانہ طرز زندگی کی وجہ سے وہ مالی مشکلات کا شکار رہا۔ اس کے خوابوں کا ٹوٹنا' ایڈونچر کا خاتمہ اور پھر اسے مقدمہ بازی میں الجھا دیا جانا' ان تمام عوامل نے اسے عادی شراب نوش بنا دیا۔

کابل میں قیام کے دوران اس نے رسد کے لیے ایک تاجر سے 80 ہزار روپے بطور قرض لیے تھے اور اس ہنڈی پر کئی برطانوی افسروں کے دستخط بھی تھے لیکن حکومت ہند اس کی ادائیگی سے انکاری ہو گئی بلکہ تحقیقات کے نام پر اسے پریشانیوں میں مبتلا کیا گیا۔ اس مقدمے میں ایک پیشی پر حاضر نہ ہونے پر اسے گرفتار کیا گیا اور وہ بھی اس وقت جب وہ اپنے بھائی کی آخری رسومات میں شرکت کے لیے جا رہا تھا۔ 1855ء میں اس نے دلی میں سکونت اختیار کر لی۔

1857ء کی بغاوت میں اس کا گھر لوٹ لیا گیا اور وہاں موجود اس کے اینگلو انڈین رشتہ دار ہاجز کو قتل کر دیا گیا۔ موہن لال کو بھی قتل کر دیا جاتا لیکن اس کے ہندو مسلمان بھی پڑوسیوں نے انہیں یہ ارادہ مناسب تفتیش تک ملتوی کرنے پر آمادہ کر لیا۔ موہن لال وہاں سے فرار ہو گیا اور کئی مقامات پر چھپتا چھپاتا میرٹھ پہنچ گیا۔ غدر کے بعد اس نے ایک مسلمان خاتون حیدری بیگم

Scanned by CamScanner

سے شادی کرلی اور مسلمان ہو گیا اور نام وہی اختیار کیا جو پہلے سفر کابل میں رکھا تھا یعنی آغا حسن جان۔ اس نے لدھیانہ میں ایک عبادت گاہ بنوائی جو آغا حسن جان کا امام باڑہ کے نام سے مشہور تھی۔ اس نے اپنی لائبریری لدھیانہ میونسپلٹی کو بطور عطیہ دی۔ 1877ء میں ملکہ وکٹوریہ کا قیصر ہند کے خطاب قبول کرنے کے موقع پر اسے طلائی تمغہ دیا گیا۔ اسی سال اس کا انتقال ہوا اور وہ لال باغ میں دفن ہوا۔

☆☆☆☆

Scanned by CamScanner

فرانسس ینگ ہسبنڈ...اور تبت کی مہم

فرانسس ینگ ہسبنڈ مری میں پیدا ہوا۔ اس کے والد برطانوی فوج میں جنرل تھے۔ اس کے چچا رابرٹ شاوہ پہلی شخصیت تھے جو ہمالیہ کو عبور کر کے یارقند اور کاشغر گئے۔ نوعمر فرانسس کو تعلیم کے لیے انگلستان بھیجا گیا۔ وہ پہلے کلفٹن اور پھر سینڈ ہرسٹ میں زیر تعلیم رہا۔ کمیشن حاصل کرنے کے بعد وہ ہندوستان واپس آ گیا۔ ہندوستان میں وہ کئی تحقیقی اور سروے مہمات پر گیا۔ دریائے سندھ سے افغان سرحد، پھر کشمیر سے کلو۔ اس کی سب سے بڑی مہم جوئی صحرائے گوبی عبور کرنا اور مانچوریا سے پیکنگ جانا تھا۔ قراقرم اور پامیرز میں اس کی تحقیق نے رائل جغرافک سوسائٹی کا فاؤنڈرز میڈل جیتا۔ ان مہمات پر اس کی کتاب Heart of a Continent 1890ء میں چھپی۔ ان سفروں کے دوران اس کا دو بار روسی افسران کے ساتھ آمنا سامنا ہوا۔ ایک بار کرنل گرومب چیوسکی کے ساتھ پامیرز کی بلندی میں جب اس نے خود کو فوٹوگرافر ظاہر کیا اور کرنل کے ساتھ فرانسیسی میں گفتگو کی اور ہندوستان پر حملے کے راستوں پر گفتگو کی۔ اس نے روسی افسر کو درّوں کے بارے میں غلط اطلاعات فراہم کیں اور اسے ایک بے آب و گیاہ راستے کی طرف بھٹکا دیا۔ دوسری ملاقات کرنل یانوف کے ساتھ ہوئی جس نے اسے روسی حدود سے چلے جانے کو کہا لیکن ساتھ ہی اسے ہرن کا گوشت بھی تحفے میں دیا اور معذرت خواہی بھی کی کہ اس کا رویہ سخت تھا۔ بعدازاں روسی وزارتِ خارجہ نے بھی ایک معذرت نامہ ارسال کیا۔

1893-94ء میں چترال کے ایک دُوردراز قلعے میں محصور برطانوی دستے کو بچانے کے لیے دو مہمات بھیجی گئیں۔ ایک پشاور اور دوسری چترال سے، کیپٹن ینگ ہسبنڈ اس مہم میں ٹائم آف لندن کے رپورٹر کی حیثیت سے شامل تھا۔ یہیں اس کی ملاقات کرزن سے ہوئی اور دونوں نے ممکنہ روسی خطرات کے حوالے سے گفتگو کی۔ کرزن نے برطانیہ واپس جا کر حکومت کو قائل کیا

Scanned by CamScanner

کہ چترال کے قلعے کو اپنے زیر تسلط رکھا جائے تا کہ روس اس پر قبضہ نہ کر پائے۔ چترال میں قیام کے دوران ینگ ہسبنڈ نے لیوٹالسٹائی کی کتاب Kingdom of God is with in you (خدا کی بادشاہی تمہارے ہی اندر ہے) پڑھی۔ وہ اپنی ڈائری میں لکھتا ہے ''اس نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے۔ اب میں ٹالسٹائی کے ان دلائل کو سمجھ سکتا ہوں کہ حکومت' سرمایہ اور نجی ملکیت برائی ہیں۔ ہمیں خود کو مسیح کی ان تعلیمات کے فروغ کے لیے وقف کر دینا چاہئے کہ ایک دوسرے سے محبت کرو اور بدی کا جواب بدی سے نہ دو۔ ٹالسٹائی نے اگرچہ یہ مقصد حاصل کرنے کا طریق کار نہیں بتایا' لیکن اس نے اشارے دیے ہیں کہ کولمبس کی طرح راستہ تلاش کیا جائے اور میں یہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔'' لیکن صوفی ینگ ہسبنڈ کو فوجی مہم جو ینگ ہسبنڈ نے شکست سے دوچار کر دیا اور بعدازاں اس نے کرزن کی جنگ لڑی۔

چترال کی مہم کے بعد وہ رہوڈیشیا اور جنوبی افریقہ چھٹیاں منانے گیا' واپسی پر اسے اندور میں ریذیڈنٹ مقرر کر دیا گیا جو اس جیسے مہم جو کے لیے کسی سزا سے کم نہ تھا۔ اس نے کرزن کو لکھا کہ وہ نوکری سے استعفیٰ دینا چاہتا ہے لیکن وائسرائے نے اسے ایسا کرنے سے منع کیا۔ ایڈورڈ ہفتم کے جشن تاجپوشی میں اس کی کرزن کے ساتھ ملاقات ہوئی' بعد میں کرزن نے اسے تفصیلی ملاقات کے لیے شملہ طلب کیا اور اسے تبت کی مہم پر جانے کے لیے تیار کیا۔

جولائی 1903ء میں ینگ ہسبنڈ ایک درجن برطانوی افسروں اور دوسو سپاہیوں کے ساتھ تبت کی حدود میں داخل ہوا۔ وہ کھمبا ژونگ نامی وادی میں پہنچا اور 16 ہزار فیٹ بلند وادی میں کیمپ لگایا۔ تبتی حکام نے ان کے پیغامات لہاسہ پہنچانے سے انکار کر دیا۔ اسی دوران تبتیوں نے برطانیہ کے لیے جاسوسی کرنے والے دو سکھی سکاؤٹوں پر تشدد کیا جسے وائسرائے نے مہذب دنیا کے اصولوں کی توہین آمیز خلاف ورزی قرار دیا۔ انہی دنوں تبت کے قزاقوں نے نیپالیوں کے یاک کے گلوں کو لوٹا اور ایسی رپورٹیں بھی ملیں کہ روس اور چین کے درمیان ایک معاہدہ ہوا ہے جس کی رُو سے روسیوں کو تبت تک رسائی کے لیے خصوصی مراعات دی گئی ہیں' لیکن ان دنوں برطانیہ بوائر کی جنگ کے علاوہ داخلی سیاسی بحران میں بھی گھرا ہوا تھا۔ 1903ء میں آرتھر بالفور کی جگہ سینٹ جان بروڈرک وزیر اعظم بنے جو کرزن کے ہم جماعت رہ چکے تھے۔ مندرجہ بالا دلائل کے ذریعے کرزن نے وزیر اعظم کو تبت میں مداخلت کے لیے آمادہ کر لیا۔

اس مہم کے اخراجات کے لیے ایک لاکھ ترپن ہزار پونڈ کا تخمینہ لگایا گیا۔

Scanned by CamScanner

6 نومبر 1903ء کو بروڈرک نے ایک تار کے ذریعے اس مہم کی منظوری دے دی لیکن تبت پر قبضے یا طویل مداخلت کی مخالفت کی گئی۔ تبت میں مستقل مشن کے قیام کی بھی مخالفت کی گئی' لیکن تبت سے تجارتی سہولیات کے حصول کے لیے کوشش کرنے کو کہا گیا۔

مشن کو تبت کے 150 میل اندر گیانزے جانا تھا۔ ینگ ہسبنڈ کو کمشنر کی حیثیت دی گئی۔ کمانڈر انچیف جنرل کچنر نے بریگیڈیئر جنرل میکڈونلڈ کو فوجی دستے کا سربراہ مقرر کیا۔ دو ہزار فوجیوں میں اکثریت سکھوں اور گورکھوں کی تھی۔ افواج دارجلنگ لائن کے اختتام پر سلگری کے مقام پر جمع ہوئیں۔ ان کے لیے خاصے مسائل تھے۔ اس سے قبل اتنی بلندی اور اتنے دشوار گزار علاقے میں کوئی اتنی بڑی مہم نہیں بھیجی گئی تھی۔ بہت زیادہ حمالوں کی ضرورت تھی۔ جانوروں کے لیے چارے کی صورت حال غیر یقینی تھی۔ اس فورس کے ساتھ 7096 خچر' 5234 بیل' 1513 یاک' 136 بھینیں اور ایک ٹٹو' 185 گھوڑے' چھ اونٹ اور 138 بھینسے تھے۔ سامان اٹھانے کے لیے 10890 حمال بھی تھے۔ کارواں نے درّہ جلاب عبور کیا اور تبتی سطح مرتفع میں داخل ہوئے۔ دسمبر میں وہ بغیر کسی مزاحمت کے چمبی وادی میں خیمہ زن ہو چکے تھے۔ ہراول نے پھری نامی قلعے پر بھی قبضہ کر لیا۔ مارچ میں لشکر کو پہلی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ گورو نامی گاؤں میں مزاحمت کاروں نے مضبوط رکاوٹیں کھڑی کر دیں جن کے عقب میں ایک ہزار بندوق بردار تھے۔ تبتی اور برطانوی وفود آپس میں ملے۔ تبتیوں کا کہنا تھا کہ برطانویوں کا ان کے علاقے میں کوئی کام نہیں جبکہ برطانوی ہر قیمت پر آگے جانا چاہتے تھے۔ اس دوران مبینہ طور پر برطانوی فوجوں کو گالیاں دی گئیں اور ان پر پتھر پھینکے گئے جبکہ ایک سکھ فوجی پر فائر بھی کیا گیا' چنانچہ برطانویوں نے تبتیوں پر اچانک توپوں سے گولہ باری شروع کر دی۔ تبتی مذاکرات کی کامیابی کی توقع کر رہے تھے۔ وہ جنگ کے لیے بالکل تیار نہ تھے۔ انہوں نے بندوقیں بھی خالی کر کے رکھی ہوئی تھیں۔ چالاک برطانویوں کے اس ظالمانہ حملے میں 628 تبتی ہلاک اور 222 زخمی ہوئے۔ توپوں کے گولوں کے علاوہ مشین گن کے 1400 راؤنڈ اور رائفل کے 14035 راؤنڈ فائر کیے گئے۔ کسی برطانوی فوجی کی نکسیر تک نہ پھوٹی۔ برطانوی پریس نے اس سانحہ کی مذمت کی' پارلیمنٹ میں بھی اس پر سوالات اٹھائے گئے۔ ایک برطانوی یونٹ کمانڈر نے اپنی بیوی کو لکھا ''میں اس قتل عام سے اس قدر اُکتا گیا تھا کہ فائر بند کر دیا جبکہ جنرل کا حکم تھا کہ زیادہ سے زیادہ گولہ باری کی جائے۔ میری خواہش ہے کہ اب آگے ہمیں اور خونریزی نہ کرنی پڑے۔''

Scanned by CamScanner

گیانزے پہنچ کر ینگ ہسبنڈ نے اپنے اختیارات سے تجاوز کرتے ہوئے توپیں اور ایک بڑا دستہ لہاسہ روانہ کر دیا۔ میکڈونلڈ اس وقت چمبی میں تھا' اس نے وہاں سے پیغام بھیجا کہ دستے کو فوراً واپس بلا لیا جائے۔ ینگ ہسبنڈ نے کمانڈر کا پیغام ایک سست رفتار خچر والے کے ہاتھ لہاسہ روانہ کیا اور ساتھ ہی اپنا پیغام بھی کہ پولیٹکل افسر کی حیثیت سے مجھے تمہاری واپسی پر شدید اعتراض ہوگا۔

ینگ ہسبنڈ کو اپنی جارحیت کا جواز یوں مل گیا کہ 800 تبتیوں نے اس کے کمپاؤنڈ پر اچانک حملہ کر دیا' جوابی کارروائی میں 200 تبتی مارے گئے جبکہ محض دو برطانوی زخمی ہوئے۔ کچھ بعید نہیں کہ لہاسہ پر حملے کا جواز پیدا کرنے کے لیے انہوں نے خود ہی ایسے حالات پیدا کیے ہوں کہ کیمپ پر حملہ ہو جائے۔ کئی ماہ کے قیام کے دوران برطانوی مقامی باشندوں میں خاصے گھل مل گئے تھے' وہ بازار میں خریداری کرتے تھے' مقامی لوگوں کی تجارت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ مقامی لوگوں میں ایک گیت بہت مقبول تھا:

پہلے تو وہ ہمارے لیے دین کے دشمن تھے
پھر وہ صرف غیر ملکی رہ گئے
لیکن جب ہمارے علاقے میں روپیہ آنے لگا
تو وہ صاحب لوگ اور جنٹلمین ہو گئے

کرزن کے نام ایک ٹیلی گرام میں ینگ ہسبنڈ نے لکھا ''تبتی حسب معمول ہمارے ہاتھوں میں کھیلے۔'' کرزن نے وزیراعظم کو لکھا کہ ''ہمارے کمشنر کی رپورٹ کے مطابق اس حملے سے تبتی حکومت کے عزائم واضح ہو گئے ہیں لہٰذا ہماری حکومت کو ان کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے کہ وہ آئندہ تاج برطانیہ کے نمائندے کے سامنے گستاخی کی جرأت نہ کر سکیں۔'' وزیراعظم نے جواباً کہا ''حالیہ واقعات کے نتیجے میں ضروری ہو گیا ہے کہ مشن لہاسہ تک پیش قدمی کرے' ہاں اگر تبتی گیانزے میں بامقصد مذاکرات پر آمادہ ہو جائیں تو پیش قدمی ترک کی جا سکتی ہے۔''

3 اگست 1904ء کو برطانوی مشن پتالہ پہنچ گیا۔ انہوں نے لہاسہ کے مضافات میں دلائی لامہ کے گرمائی محل کے قریب کیمپ لگایا۔ دلائی لامہ منگولیا فرار ہو گئے۔ چینی نمائندہ یوتائی انگریزوں کے کیمپ میں آیا۔ اگلے دن ینگ ہسبنڈ ایک مختصر دستے کے ساتھ لہاسہ گیا جہاں یوتائی

Scanned by CamScanner

نے بینڈ باجوں اور آتش بازی کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ انہیں چائے اور سگار پیش کیے گئے۔ ستمبر میں سہ فریقی معاہدہ طے پایا جس پر تبتی لاماؤں، چینی نمائندے اور ینگ ہسبنڈ نے دستخط کیے۔ معاہدہ درج ذیل نکات پر مشتمل تھا۔

1- تبت 1890ء کے اینگلو چینی معاہدے اور سکم کی سرحدوں کا احترام کرے گا۔

2- حکومت ہند گیانزے، گرتوک اور یا تنگ میں تجارتی کوٹھیاں قائم کرے گی۔

3-1897ء کے تجارتی معاہدے میں ترامیم بعد میں زیر بحث لائی جائیں گی۔

4- ہندوستان سے آنے والی اشیاء پر باہمی رضامندی سے طے پانے والے محصول کے علاوہ کوئی اور ٹیکس نہیں لگایا جائے گا۔

5- تجارتی کوٹھیوں تک جانے والے راستوں کو کھلا رکھنے اور مرمت کی ذمہ داری تبت پر ہوگی۔

6- تبت 75 ملین روپے تاوان 75 سالانہ اقساط میں ادا کرے گا۔

7- تاوان کی ادائیگی تک برطانیہ چمبی وادی کو ضمانت کے طور پر قبضے میں رکھے گا۔

8- لہاسہ اور برطانوی سرحد کے درمیان تمام قلعہ بندیاں مسمار کر دی جائیں گی۔

9- تبت حکومت برطانیہ کی رضامندی کے بغیر کسی غیر ملکی طاقت سے تعلق نہیں رکھے گا۔

اس دوران کرزن کا عہد ختم ہو چکا تھا۔ وزیر اعظم اور محکمہ خارجہ نے معاہدے کی کئی شرائط کو ناپسند کیا۔ انہوں نے تاوان کی رقم ایک تہائی کر دی۔ چمبی پر قبضے کی مدت تین سال اور ادائیگی کے لیے تین ہی اقساط مقرر کی گئیں۔ چینیوں نے تاوان ادا کر دیا اور تبت پر اپنا دعویٰ مضبوط کر لیا۔

لندن میں بیٹھے ہوئے کرزن اور ینگ ہسبنڈ کے مخالفین نے اسے نائٹ ہڈ کے بجائے کے سی آئی ای کا خطاب دینے کی اجازت دی۔ ینگ ہسبنڈ کا سیاسی کیریئر ختم ہو گیا۔ بعد از اں وہ رائل جغرافک سوسائٹی کا سربراہ بنا۔ اس نے ایورسٹ کی طرف پہلی برطانوی مہم بھیجنے کے انتظامات کیے۔ اب اسے اپنی صوفیانہ سرگرمیوں کے لیے فرصت مل گئی اور اس نے خود کو روحانی اور مذہبی سرگرمیوں کے لیے وقف کر دیا۔ اس نے ''خدا کی سلطنت'' اور ''ستاروں میں زندگی'' جیسی کتابیں لکھیں۔ جولائی 1942ء میں وہ برف کے ایک شدید طوفان کے دوران اپنی دوست میڈلین لیز کے بازوؤں میں انتقال کر گیا۔

☆☆☆☆

Scanned by CamScanner

گریٹ گیم سندھ اور پنجاب

''ہمارے پاس سندھ پر قبضہ کرنے کا کوئی جواز نہیں، لیکن ہم ایسا کریں گے اور یہ ایک شاندار اور مفید بدمعاشی ہوگی۔'' چارلس نیپئر

''کل میں سیہون پہنچوں گا اور سکندرِ اعظم کا تعمیر کردہ مینار میرے قدموں تلے ہوگا.... مجھے یقین کامل تھا کہ میں ان تمام علاقوں کو بآسانی فتح کرسکتا ہوں۔'' چارلس نیپئر

Scanned by CamScanner

چارلس نیپئر اور سقوطِ سندھ

1842ء میں گورنر جنرل ہند لارڈ ایلن برو نے سر چارلس نیپئر کو برطانوی افواج کا سربراہ بنا کر سندھ بھیجا۔ ان دنوں برطانوی افغانستان میں برسرپیکار تھے اور اپنے دعوے کے مطابق روسی پیش قدمی کا راستہ روکنے کا ''عظیم فریضہ'' سرانجام دے رہے تھے۔ پنجاب سکھوں کے قبضے میں تھا' مہاراجہ کے پاس فرانسیسیوں کی تربیت یافتہ طاقتور اور منظم فوج تھی۔ برطانیہ کا افغانستان تک رسائی کا راستہ سندھ اور دریائے سندھ ہی تھا۔ تالپور حکمرانوں نے سندھ کو تین الگ ریاستوں میں بانٹ رکھا تھا۔ تینوں حاکم ایک دوسرے کے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار تھے چنانچہ سندھ انگریزوں کے لیے آسان شکار تھا۔ اس سے قبل 1830ء میں الیگزینڈر برنس مہاراجہ رنجیت سنگھ کے لیے گھوڑوں کا تحفہ لے جانے کے بہانے دریائے سندھ کا تفصیلی سروے کر چکا تھا۔

1835ء میں انگریز کراچی میں ریذیڈنسی قائم کر چکے تھے۔ وہ سندھ کے ساحل اور دریائے سندھ کے ڈیلٹا اور بندرگاہوں کے بارے میں مکمل معلومات رکھتے تھے۔ وہ دریائے سندھ کے راستے تجارتی سرگرمیاں شروع کر چکے تھے۔ دریائے سندھ ان کے لیے محض ایک تجارتی گزرگاہ نہیں بلکہ روسی پیش قدمی کے خلاف ایک دفاعی حصار بھی تھا۔

1839ء میں جب امیر دوست محمد کو تختِ کابل سے ہٹا کر وہاں شاہ شجاع الملک کو متمکن کرنے کے لیے سر جان کین کی زیرکمان لشکر بھیجا گیا تو اس کے اخراجات امیرانِ سندھ سے وصول کیے گئے۔ امیرانِ سندھ پر الزام عائد کیا گیا کہ انھوں نے شاہ شجاع کے خراج کی کافی رقم دبا رکھی ہے۔ ہوا یوں تھا کہ شاہ شجاع نے ایک معاہدے کے تحت شکار پور اور بعض دیگر علاقے جو اس کے زیرنگیں تھے' ایک مخصوص سالانہ خراج کے بدلے امیرانِ سندھ کے حوالے کر دیئے تھے۔

امیرانِ سندھ نے دستاویزات کے ذریعے انگریزوں کے الزام کو غلط ثابت کیا لیکن ان ثبوتوں کو رد کر دیا گیا۔

1839ء میں انڈس آرمی سندھ اور درۂ بولان سے گزر کر افغانستان چلی گئی۔ گورنر جنرل ہند اپنی افواج کی رسد لائن کو محفوظ بنانے کے لیے سندھ پر مکمل قبضے کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔ اس منصوبے کے تحت آزاد تجارت، محصولات میں جائز کمی اور سرداروں کی علاقائی خودمختاری کے نام پر سندھی حکمرانوں کو دیوار سے لگایا جا رہا تھا۔ بعدازاں انہیں دریائے سندھ کے راستے تجارت پر محصول یکسر ختم کرنے پر مجبور کیا گیا۔ تذویراتی اہمیت کے علاقے اور قلعے کراچی، سکھر اور بھکر پر قبضہ کر لیا گیا۔

امیرانِ سندھ پر مسلسل عہد شکنی کے الزامات لگا کر دباؤ ڈال کر ان سے رعایتیں حاصل کی جاتی رہیں۔ سندھ میں تعینات برطانوی فوج کے اخراجات ان سے وصول کیے جاتے تھے۔ انڈس آرمی کی افغان مہم کا خرچ ان سے وصول کیا گیا۔

برطانوی حکام میجر آؤٹرم، ایسٹ وِک اور کیپٹن میکی سندھ کے امیروں کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنے لگے، ان کے درمیان پھوٹ ڈالنے لگے اور امیروں کو سیاسی طور پر اپاہج بنا دیا۔ میجر آؤٹ رم کو 1840ء میں سندھ کا ریذیڈنٹ مقرر کیا گیا۔ اس نے امیرانِ سندھ کو اپنی چرب زبانی اور چالاکی سے شیشے میں اُتارا اور میٹھی چھری سے ان کی کھال بھی ادھیڑتا رہا۔ 1842ء میں کابل میں برطانوی لشکر کی تباہی کے دوران اس نے امیرانِ سندھ کو خاموش اور غیر فعال رکھا حالانکہ یہ ان کے لیے بہترین موقع تھا کہ وہ کراچی، سکھر اور بھکر کو انگریزوں سے واپس لے لیتے۔

اسی سال جارحانہ پالیسیوں کے حامل لارڈ آکلینڈ کے بجائے لارڈ ایلن برو گورنر جنرل بن کر آیا اور اس نے آتے ہی اعلان کیا کہ وہ برطانوی ہند میں امن اور خوشحالی کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں بروئے کار لائیں گے۔ اپنے اتحادیوں، والیانِ ریاست اور سرداروں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے گا نیز مزید علاقوں پر قبضہ نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اس اعلامیے کے الفاظ ابھی ہواؤں میں تھے کہ ساٹھ سالہ چارلس نیپئر کو سندھ پر قبضے کے لیے بھیج دیا گیا۔

1843ء میں سندھ پر قبضہ اصول شکنی، بدعہدی، دروغ گوئی اور اخلاقی دیوالیہ پن کا ایک بدترین نمونہ ہے۔ برطانوی پریس اور سیاستدانوں نے بھی اس پر تنقید کی۔ دارالعوام میں بھی

Scanned by CamScanner

اس کے خلاف آوازیں اُٹھیں لیکن بہر حال انگریزوں کو سندھ جیسی وسائل رکھنے والی ریاست مل گئی۔ دریائے سندھ کے وہ بلا شرکت غیرے مالک بن گئے اور افغانستان میں ہونے والی شکست فاش کا ازالہ بھی کسی حد تک ہو گیا۔

لارڈ ایلن برو کا قابل اعتماد ساتھی سر چارلس نیپئر اپنے سینئر کی طرح جاہ پرست اور بہت زیادہ خواہشات رکھنے والا شخص تھا۔ وہ خود پر حد سے زیادہ اعتماد رکھنے والا انتہا پسند اور ضدی شخص تھا۔ وہ اپنی کمیونٹی میں ایک غیر معقول شخص سمجھا جاتا تھا اور انتہائی نامقبول تھا۔ چارلس نیپئر کی خواہش پر لارڈ ایلن برو نے سندھ میں سیاسی عہدے ختم کر دیئے چنانچہ آؤٹ رم جیسے تجربہ کار سیاسی مشیروں کے بجائے پالیسیاں بنانے کا کام اس خطے سے ناآشنا فوجی افسروں کو سونپ دیا گیا اور چارلس نیپئر کے اپنے الفاظ میں تمام معاملات فوجی بدمعاشوں کے ہاتھ میں آ گئے۔ فوجی بدمعاشوں کے اس ٹولے نے بے رحمی اور سفا کی کے ساتھ سندھ کو کچلنا شروع کر دیا۔ انہوں نے خیر پور، حیدر آباد اور میر پور خاص کے امیران سے ناجائز مطالبات کیے۔ امیر خیر پور پر جھوٹا الزام لگا کر امام گڑھ کا صحرائی قلعہ مسمار کر دیا۔ خیر پور کے امیر رستم خان کو ہٹا کر اس کے بھائی علی مراد کو میر بنا دیا۔ نیپئر نے اپنی افواج کو حیدر آباد کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔ اس دوران میجر آؤٹرم واپس آ چکا تھا اور وہ امیر حیدر آباد سے مذاکرات کر رہا تھا۔ اس نے نیپئر کو روکنے کی کوشش کی لیکن اس کی ایک نہ چلی۔ حیدر آباد کے امیر نے فیصلہ کیا کہ وہ بغیر لڑے حیدر آباد انگریزوں کے حوالے نہیں کریں گے۔ انگریزوں نے سندھیوں کو اس قدر زچ کیا کہ انہوں نے برطانوی ریذیڈنسی پر حملہ کر دیا۔ جنگ ہوئی اور 17 فروری 1844ء کو میانی میں حیدر آباد کی افواج شکست سے دوچار ہوئیں لیکن انہوں نے شجاعت کی شاندار مثالیں قائم کیں۔ خاص طور پر کماندار ہوش محمد شیدی رہتی دنیا تک اہل سندھ کے لیے مزاحمت کی ایک بڑی علامت بن گئے اور ان کے نعرہ ''سر دیں گے سندھ نہ دیں گے'' کی بازگشت آج بھی سندھ میں سنائی دیتی ہے۔ ایک ماہ بعد میر پور بھی اس انجام سے ہمکنار ہوا۔

نیپئر کی میرانِ سندھ کے ساتھ بدسلوکی، جنگ میں غیر اخلاقی ہتھکنڈوں کے استعمال، حیدر آباد قلعے میں لوٹ مار اور خواتین کے ساتھ بدسلوکی پر برطانیہ میں شدید تنقید کی گئی۔ جواباً سر رابرٹ پیل نے پارلیمنٹ میں کہا:

''جب تہذیب اور بربریت کا ٹکراؤ ہوتا ہے تو یہ ناممکن ہو جاتا ہے کہ وہاں مہذب

Scanned by CamScanner

اقوام کے درمیان بروئے کار لائے جانے والے اصولوں پر عمل پیرا ہوا جائے۔"

اگرچہ سندھ پر انگریزوں کا قبضہ بلا جواز اور غاصبانہ تھا لیکن سقوطِ سندھ کی ذمہ داری تالپور امیروں پر بھی عائد ہونی چاہئے۔ انہوں نے سندھ کے حصے بخرے کر کے تین ریاستیں قائم کر رکھی تھیں' ان کے درمیان بداعتمادی حد سے بڑھی ہوئی تھی وہ ایک دوسرے کے خلاف سازشیں کرتے تھے۔ وہ مال و زر جمع کرنے میں دلچسپی رکھتے تھے۔ حالات کے تقاضوں سے ناآشنا تھے۔ انہوں نے اپنے دفاع سے مجرمانہ غفلت برتی' قبائلی لیویز پر انحصار کرتے رہے اور کوئی منظم فوج تشکیل نہ دے پائے۔ ان کے دَور میں عام آدمی کی حالت خاصی ناگفتہ بہ تھی اور انہوں نے اس سلسلے میں کوئی اقدامات نہ اُٹھائے۔

☆☆☆☆

Scanned by CamScanner

پنجاب اور گریٹ گیم

والیٔ کابل شاہ زمان درانی 1799ء میں دلی پر حملے کے ارادے سے ایک لشکر لے کر آیا۔ وہ لاہور میں مقیم تھا کہ اس کے بھائی محمود شاہ نے شاہ ایران کی مدد سے ہرات پر حملہ کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ محمود شاہ نے یہ اقدام لارڈ ولزلی کے اشارے پر اٹھایا تھا۔ عجلت میں واپسی کے دوران شاہ زمان کی کچھ توپیں دریائے چناب میں گر گئیں۔ علاقے کے ایک نوجوان مہم جو رنجیت سنگھ ولد میاں سنگھ نے یہ توپیں نکلوا کر شاہ زمان کو پہنچا دیں، جس نے خوش ہو کر اسے لاہور کے صوبیدار کی حیثیت سے تقرری کا پروانہ لکھ کر دے دیا لیکن یہ فرمان ایک اخلاقی امداد سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا تھا کیونکہ لاہور پر شاہ زمان کے واپس جاتے ہی تین سکھ سرداروں صاحب سنگھ، ہیر سنگھ اور چیت سنگھ نے قبضہ کر لیا تھا۔ اہل لاہور اس سکھا شاہی سے بہت تنگ تھے چنانچہ لاہور کے چند بااثر لوگوں حاکم رائے، محمد عاشق، محمد باقر، محمد طاہر اور مفتی محمد اکرم نے شاہ زمان کے نامزد کردہ حاکم لاہور رنجیت سنگھ سے لاہور پر حملہ آور ہونے کی درخواست کی اور جب رنجیت سنگھ نے لاہور کا محاصرہ کیا تو ان لوگوں کے ایک ہم خیال میر محکم الدین نے لاہوری دروازہ کھول دیا۔ رنجیت سنگھ فاتحانہ لاہور میں داخل ہو گئے۔ خلافِ روایت فاتح لشکر کو لوٹ مار سے سختی سے منع کر دیا گیا۔ اہل شہر کی جان و مال اور آبرو محفوظ رہی۔ یوں رنجیت سنگھ نے اہل لاہور کی ہمدردیاں حاصل کر لیں۔ 1801ء میں اس نے مہاراجا کا خطاب اختیار کر کے اپنے نام کا سکہ جاری کیا۔ نظام الدین کو قاضی، امام بخش کو کوتوال اور فقیر الدین کو شاہی طبیب مقرر کیا۔

مہاراجا کی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ 1820ء تک اس کی سلطنت کی حدود ستلج سے سندھ کے کناروں تک پھیل چکی تھیں۔ کشمیر، ہزارہ، کانگڑہ، چمبہ، قصور، گجرات، ملتان اور ڈیرہ جات اس کے زیر تسلط آ چکے تھے۔ 1823ء میں مہاراجا نے پشاور فتح کر لیا۔ مہاراجا کے جنوب میں

Scanned by CamScanner

کمپنی کی حکومت تھی اور شمال میں افغانستان کی۔ 1809ء میں کمپنی اور مہاراجا کے درمیان ایک معاہدۂ امن ہو چکا تھا۔ رنجیت سنگھ ایک بہادر، انتھک، ذہین اور مدبر حکمران تھا۔ جب تک وہ زندہ رہا کمپنی کو پنجاب میں مداخلت کی جرأت نہ ہوئی لیکن 1839ء میں مہاراجا کی وفات کے بعد کمپنی نے پنجاب پر قبضے کی تدبیریں شروع کر دیں، دربار کے سازشی ماحول اور اندرونی چپقلش نے انہیں موقع فراہم کیا۔

1839ء میں پنجاب کی سرحد پر انگریزی فوج کے صرف 2500 سپاہی تھے لیکن 1844ء میں ان کی تعداد پینتیس ہزار ہو چکی تھی۔ اس وقت وزیر اعظم ہیرا سنگھ تھا اور مہاراجا کمسن دلیپ سنگھ تھا جبکہ اختیارات اس کی والدہ رانی جنداں کے پاس تھے، لیکن اصل طاقت فوجی سرداروں کے پاس تھی۔ رانی جنداں فوج کی طاقت اور اثر و رسوخ کو کم کرنا چاہتی تھی (فوج نے رانی جنداں کے سامنے اس کے بھائی جواہر سنگھ کو قتل کر دیا تھا)۔ رانی نے پہلے تو فوج کو افغانستان پر حملے کے لیے تیار کرنا چاہا لیکن فوج نے انکار کر دیا تھا لیکن اب پنجاب کی سرحد پر انگریزی افواج کی تعداد میں اضافے نے اسے یہ موقع فراہم کر دیا کہ وہ فوج کو انگریزوں کے خلاف لڑائے۔ انگریزی افواج کے اجتماع سے فوجیوں میں خاصا جوش و خروش تھا، چنانچہ رانی جنداں نے فوج کو ستلج پار جا کر انگریزوں سے لڑنے کا حکم دیا۔

18 دسمبر 1845ء کو مدکی کے مقام پر دونوں فوجوں میں تصادم ہوا۔ سکھ سپاہی بڑی جانفشانی سے لڑے لیکن کمانڈر لال سنگھ رانی کی ہدایت پر فوج کو کمزور کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا تھا۔ میدانِ جنگ میں بارود ختم ہو گیا تو کمک میں بارود کے بجائے سرسوں کے بیج فراہم کیے گئے چنانچہ شکست ہوئی۔ بھائی پھیرو میں سکھوں نے ایک بار پھر جم کر مقابلہ کیا۔ سر جیری سمتھ پسپائی کا سوچ رہے تھے کہ سردار تیجا سنگھ، جس کی زیر کمان پچیس ہزار تازہ دم فوج تھی، طے شدہ منصوبے کے تحت بھاگ کھڑا ہوا، چنانچہ انگریزوں کو فتح حاصل ہوئی۔

11 فروری کو انگریزی فوج نے ستلج پار کر کے قصور پر قبضہ کر لیا۔ اسی اثناء میں رانی جنداں نے راجا گلاب سنگھ کو نیا وزیر اعظم مقرر کر لیا تھا۔ گلاب سنگھ نے لارڈ ہارڈنگ سے، جو اس وقت بحیثیت ایک افسر جنگ میں حصہ لے رہا تھا، ملاقات کی اور طے پایا کہ دربار لاہور ڈیڑھ کروڑ روپے بطور تاوان ادا کرے گا، ستلج اور بیاس کا درمیانی علاقہ انگریزوں کے سپرد کر دیا جائے گا۔ سکھ فوج کی تعداد کو کم کر کے بارہ ہزار سوار اور بیس ہزار پیادہ اور تیس توپیں رکھنے کی اجازت ہوگی۔

Scanned by CamScanner

مہاراجا دلیپ سنگھ اور لال سنگھ گورنر جنرل کے دربار میں پیش ہوں گے۔

8 مارچ 1846ء کو گورنر جنرل نے معاہدۂ لاہور کی شرائط کی توثیق کر دی۔ سر ہنری لارنس کو لاہور میں ریذیڈنٹ مقرر کیا گیا اور ایک فوجی دستہ بھی نو ماہ کے لیے لاہور میں تعینات کیا گیا۔ کشمیر کو لاہور کی اطاعت سے نکال کر انگریزوں نے اپنی تحویل میں لے لیا اور راجا گلاب سنگھ کی خدمات کے صلے میں پچھتر لاکھ روپے میں اس کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ بعد ازاں کشمیر کا قبضہ دینے میں پس و پیش کرنے اور رکاوٹیں ڈالنے پر لال سنگھ کو جلاوطن کر دیا گیا۔ 16 دسمبر کو ایک نیا عہد نامہ مرتب کیا گیا جس کی رُو سے انتظامی امور کے لیے ایک کونسل قائم کی گئی جس کا صدر سر ہنری لارنس کو مقرر کیا گیا۔ فوجی دستے کے قیام کی مدت ختم ہو گئی تھی لیکن اہل دربار کے پرزور اصرار پر اس کی مدت قیام میں اضافہ کر دیا گیا۔ رانی جنداں کو خدشہ نقص امن کے پیش نظر شیخو پورہ میں نظر بند کر دیا گیا۔ کہا گیا کہ 1854ء میں دلیپ سنگھ کے بالغ ہونے پر نیا معاہدہ کیا جائے گا۔

صوبہ ملتان میں 18 انگریز افسروں کو تعینات کرنے کا فیصلہ کیا گیا جسے صوبیدار دیوان مول راج نے مسترد کر دیا چنانچہ دیوان مول راج کو سبکدوش کرتے ہوئے کاہن سنگھ مان کو ملتان کا صوبیدار مقرر کر کے دو افسروں ایگنیو اور اینڈرسن کے ہمراہ ملتان روانہ کیا گیا۔ دیوان سے چارج لینے کے بعد جب یہ تینوں قلعے سے باہر آ رہے تھے تو ملتانیوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ ایگنیو اور اینڈرسن مارے گئے کاہن سنگھ زخمی ہوا۔ لاہور کے ریذیڈنٹ کو اس کشمکش میں بھی نظر بند رانی جنداں کا ہاتھ دکھائی دیا چنانچہ رانی کو بنارس جلاوطن کر دیا گیا۔

پھر راجا شیر سنگھ کو ملتان پر قبضے کے لیے بھیجا گیا لیکن اسے ناکامی ہوئی چنانچہ ایک بڑے سکھ انگریز مشترکہ لشکر نے ملتان کا محاصرہ کیا۔ آخر جنوری 1849ء کے آخری ہفتے میں ملتان سرنگوں ہو گیا۔ دیوان مول راج کو جلاوطن کر دیا گیا۔

ہزارہ کے حاکم سردار چتر سنگھ نے اپنے انگریز ماتحتوں کے برے رویے سے زچ ہو کر انگریزوں کو پنجاب سے نکالنے کا عزم کیا۔ اس نے سردار شیر سنگھ سے بھی رابطہ کیا جنوری 1849ء کے آخر میں ملتان کی مہم کے بعد شیر سنگھ ملتان سے واپس جا رہا تھا' چلیانوالہ کے مقام پر اس کی لارڈ گف کی فوج کے ساتھ جھڑپ ہوئی سکھوں نے انگریزوں کو شکست سے دوچار کیا۔ یہاں سے شیر سنگھ لاہور کے لیے روانہ ہوا لیکن گجرات کے قریب اس کی انگریز لشکر سے مڈبھیڑ ہوئی وہ زیادہ دیر تک انگریزوں کا مقابلہ نہ کر سکا۔

Scanned by CamScanner

12 مارچ 1849ء کو شیر سنگھ نے ہتھیار ڈال دیئے۔ 29 مارچ کو لاہور کونسل کا ایک اجلاس بلایا گیا جس میں اعلان کیا گیا کہ پنجاب کو کمپنی کے مقبوضات میں شامل کر کے دلیپ سنگھ کے لیے پانچ لاکھ روپیہ سالانہ کی پنشن مقرر کر دی گئی ہے۔

1853ء میں جان لارنس کو پنجاب کا پہلا چیف کمشنر مقرر کیا گیا۔

☆☆☆☆

Scanned by CamScanner

گریٹ گیم گریٹ وار میں بدلتی ہے

1853ء میں دونوں بڑی مخاصم طاقتیں باہم متحارب ہوگئیں لیکن میدانِ جنگ' بازئ عظیم کے گرم میدانوں سے کہیں دُور بحیرۂ اسود' درۂ دانیال اور باسفورس کے نواح اور بلقان میں بنا۔ یہ جنگ کریمیا تھی جو 1853ء سے 1856ء تک چلی اور اس نے پانچ لاکھ انسانوں کی جانیں لیں۔ اس جنگ میں کئی غیر فطری اتحاد بنے' بیشمار سیاسی بدعنوانیاں' بے ایمانیاں اور نا اہلیاں سامنے آئیں۔ اس جنگ نے جہاں موت' بھوک' ہیضہ اور دیگر آفات دیں وہاں اس نے انسانیت کو فلورنس نائٹ انگیل اور نرسنگ جیسا انسانی خدمت کا پیشہ دیا اور اس جنگ کے نتیجے میں یورپ میں 1914ء تک امن قائم رہا۔

خونی کشمکش کا آغاز عثمانی سلطنت کے زیر قبضہ بیت المقدس میں ایک مذہبی تنازعے سے ہوا۔ تنازع یہ تھا کہ بیت اللحم اور دیگر مقدس مقامات پر کس کا حق فائق ہے' رومن کیتھولکس کا یا آرتھوڈوکس کا۔ زار نکولس اوّل آرتھوڈوکس کا حامی تھا جبکہ نپولین سوئم رومن کیتھولکوں کا۔ جب ترکی کی حکومت نے 1853ء میں رومن کیتھولکوں کے حق میں فیصلہ دیا تو روسی دستے آرتھوڈوکس عیسائیوں کے حقوق کے تحفظ کے بہانے عثمانی بلقان میں داخل ہوگئے اور یوں ایک وسیع جنگ کا آغاز ہوگیا۔

زار نکولس اوّل کافی عرصے سے یورپ کا تھانیدار بننے کا خواہشمند تھا۔ 1851ء میں زار نے سینٹ پیٹرز برگ میں برطانوی سفیر سے عثمانی سلطنت کے بارے میں کہا تھا ہمارے ہاتھوں میں ایک مردِ بیمار ہے جو جاں بلب ہے اور اگر وہ ضروری انتظامات سے قبل فوت ہوگیا تو یہ ایک بڑی بدقسمتی ہوگی۔ ان ضروری انتظامات سے زار کی مراد قسطنطنیہ پر قبضہ کرنا اور بلقان کے مسیحیوں کو آزادی دلانا تھا اور اس کے بدلے میں عثمانی مصر کو برطانیہ کے حوالے کرنا تھا' مگر

Scanned by CamScanner

برطانیہ کا جواب نفی میں تھا۔

لیکن زار اپنی تیاریاں مکمل کر چکا تھا۔اس نے بحیرۂ اسود میں سیوسٹاپول کا بحری اڈہ تعمیر کر لیا تھا اور یہاں موجود اپنی بحری افواج کو متحرک کر کے وہ درۂ دانیال پر قبضہ کر کے بحیرۂ روم میں داخل ہونا چاہتا تھا اور یہ برطانیہ کی خارجہ پالیسی کے بنیادی ستونوں کو زمین بوس کرنے کے مترادف تھا یعنی یورپ میں طاقت کا توازن برقرار رکھنا' سمندروں پر برطانوی اجارہ داری قائم کرنا اور ہندوستان جانے والے راستوں کو محفوظ رکھنا۔

نومبر 1853ء میں روسی بحریہ نے بحیرۂ اسود میں پیش قدمی کر کے ترکی کی تمام بحری قوت کو غرق کر دیا۔ چرچ اور عوام کی حمایت حاصل کرنے کے لیے زار نے اسے مذہبی جنگ قرار دیا۔

مارچ 1854ء میں برطانیہ اور فرانس نے اپنی افواج کو ترکی کی جہازرانی اور بندرگاہوں کی حفاظت کی ذمہ داری سونپ دی اور یوں پاسبان مل گئے کعبے کو صنم خانے سے.... جنگ میں ایک مسلم خلیفہ کی حمایت میں ایک پروٹسٹنٹ ملکہ اور ایک کیتھولک بادشاہ' ایک آرتھوڈوکس زار کے خلاف شانہ بشانہ کھڑے تھے۔اتحادی افواج جزیرہ نما کریمیا میں اُتر گئیں۔ جنگ میں برطانیہ کا ایک مشہور لائٹ بریگیڈ روسی توپوں کی نذر ہو گیا جس پر ٹینی سن نے اپنی شہرۂ آفاق نظم Six hundred لکھی (یہ نظم ہماری میٹرک کی انگریزی کی کتاب میں موجود تھی' جس کے چند اشعار مجھے آج بھی یاد ہیں):

Cannons in front of them
Cannons behind them
Volleyed and thundered
Stormed at with shot and shell
While horse and hero fell
Rode the six hundred

اکتوبر 1854ء میں اتحادیوں نے سیوسٹاپول کا محاصرہ کر لیا جو 345 دن چلا' ستمبر 1855ء میں اتحادی فوجوں نے ایک بڑا حملہ کیا جس میں دس ہزار اتحادی اور تیرہ ہزار روسی مارے گئے۔اسی دوران زار نکولس وفات پا گیا۔اس کے جانشین زار الیگزینڈر نے امن کی کوششوں کا

Scanned by CamScanner

آغاز کیا چنانچہ 1856ء میں میثاقِ پیرس پر دستخط ہوئے۔ ترکی کی آزادی اور علاقائی سالمیت کے تحفظ کی ضمانت دی گئی۔ بحیرۂ اسود کو غیر جانبدار اور غیر فوجی علاقہ قرار دیا گیا اور اس کے ساحلوں کو جنگی بیڑوں کے لیے ممنوع قرار دے دیا گیا۔ روس کی شکست نے طاقت کا توازن بحال کر دیا۔ کارل میئر کے بقول: ''یورپ کے عوام کو دو نسلوں تک امن کی بوریت برداشت کرنا پڑی۔''

اس جنگ نے جہاں انسانیت کو فلورنس نائٹ انگیل دی وہاں ادب کو ایک عظیم مصنف بھی ملا۔ ایک نوجوان فوجی افسر کی کتاب "Tales from seveotopol" نے اسے پہلی ہی کاوش میں عظیم مصنفین کی صف میں لاکھڑا کیا' جی ہاں! آپ نے ٹھیک پہچانا یہ نوجوان کاؤنٹ لیو ٹالسٹائی ہی تھا۔ روس کی شکست سے اس کی فوجی بیوروکریسی کی نااہلی نمایاں ہوئی' روس نے ریلوے کی اہمیت کو محسوس کیا اور ہر شعبے میں بے پناہ اصلاحات کی گئیں۔

جنگ کریمیا میں شامل ایک آفیسر کاؤنٹ ڈیمٹری ملیوٹن نے نئے زار کے ساتھ ملاقات میں جنگ کو طول دینے کی مضبوط دلائل کے ساتھ مخالفت کی تھی۔ زار نے اسے بھلایا نہیں اور 1860ء میں اسے وزیر دفاع بنا دیا۔ 1861ء میں ملیوٹن نے 3500 میل طویل ریلوے لائن بچھانے کا دس سالہ منصوبہ بنایا لیکن اس مدت میں ہدف سے دوگنا طویل لائنیں بچھائی گئیں۔ ملیوٹن کے بھائی نکولائی نے امپریل رشین جیوگرافیکل سوسائٹی کی بنیاد رکھی اور تمام سکولوں میں' فوجی سکولوں سمیت جغرافیے کے نئے سلیبس کو اہم مضامین میں شامل کیا۔ ملیوٹن نے پہلی بار فوجی کیڈٹ سکولوں میں میرٹ کو نافذ کیا۔ اس سے قبل فوجی آفیسر صرف امراء کے خاندانوں سے آتے تھے۔ اس نے فوج میں سزائے موت کو ختم کر دیا۔ فوجیوں کی ملازمت کی شرائط بہتر بنائی گئیں۔ ایک سٹیزن آرمی تشکیل دی گئی۔ ملیوٹن اپنی اصلاحات کے نتائج میدانِ جنگ میں دیکھنا چاہتا تھا چنانچہ اس نے اپنی توپوں کا رُخ وسط ایشیا اور چین کی طرف موڑ دیا۔ اس معاملے میں اس نے وزارتِ خارجہ کے احتجاج کو مسترد کر دیا۔ ملیوٹن نے کہا ''ہمیں برطانوی وزارتِ خارجہ کے سامنے اپنی پیش قدمیوں پر معذرت خواہانہ رویّہ اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں' وہ جب بڑی بڑی بادشاہتوں' بیگانی سرزمینوں اور اجنبی جزیروں کو فتح کر رہے ہوتے ہیں تو ہم نے ان سے کبھی نہیں پوچھا کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں۔''

☆☆☆☆

Scanned by CamScanner

پہلی افغان جنگ (1839)

پس منظر

احمد شاہ ابدالی وہ پہلا حکمران تھا جس نے متعدد آزاد قبائلی ریاستوں کو بکھرے ہوئے جنگجو بے ریاست قبائل کو ایک مجتمع اور مربوط صورت میں لاکر سلطنت افغانستان کی بنیاد رکھی۔

سدوزئی سردار احمد خان' جو احمد شاہ دُرِ دُرّاں کے نام سے تخت نشین ہوا' نادر شاہ کا ایک فوجی کمانڈر تھا۔ وہ محض ایک بہادر شمشیر زن ہی نہیں' ایک عظیم سالار اور ایک بہت بڑا سیاستدان بھی تھا۔ اس نے نادر شاہ کی وفات کے بعد آزاد افغانستان کی بنیاد ڈالی اور اس کی حدود کو وسعت بھی دی۔ فارس سے خراسان کا صوبہ چھین لیا' ازبکوں سے بلخ حاصل کیا' پنجاب کو عبور کر کے کشمیر کو اپنی سلطنت میں شامل کیا' سرہند' دہلی اور آگرہ پر تسلط قائم کیا' مرہٹوں کو شکست فاش سے دوچار کیا' ملتان' بہاولپور اور سندھ اس کے باجگزار تھے' بلوچستان اور سیستان اس کے زیرنگیں تھے۔ 1773ء میں اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا تیمور شاہ تخت نشین ہوا اور اس کے بعد اس کا فرزند زمان شاہ' زمان شاہ کا تختہ اس کے بھائی محمود شاہ نے اُلٹا اور بعدازاں محمود شاہ سے اس کے بھائی شجاع الملک نے تخت چھین لیا۔

بارک زئی سردار فتح خان نے شاہ شجاع کو بھگا کر محمود شاہ کو دوبارہ تخت پر بٹھایا لیکن وہ وزیر کے عنوان کے ساتھ حکومت خود کر رہا تھا۔ محمود شاہ کے بیٹے کامران نے فتح خان کو نابینا کر دیا' بارک زئیوں اور درانیوں میں جنگ ہوئی۔ اس دوران محمود کا انتقال ہو گیا' کامران کو دارالحکومت سے بھاگنا پڑا لیکن اس نے ہرات پر قبضہ کر لیا۔ محمود شاہ کے بھائی ایوب خان کو تخت پر بٹھایا گیا۔ ان خانہ جنگیوں کے دوران فارس نے خراسان اور ہرات کا بڑا علاقہ واپس لے لیا۔ بخارا نے بلخ پر

Scanned by CamScanner

قبضہ جمالیا' ازبک آزاد ہو گئے' کشمیر' پشاور' پنجاب' ملتان رنجیت سنگھ کے زیرِ تسلط آ گئے۔ بہاول خان نے خراج دینا بند کر دیا۔ میر محراب خان حاکم قلات خود مختار ہو گیا۔ امیرانِ سندھ نے شکار پور پر قبضہ کر لیا' جو افغان سلطنت کا حصہ تھا۔ بارک زئیوں نے اپنی جدوجہد جاری رکھی' آخر کار وزیر فتح خان کے بھائی ہر طرف چھا گئے۔ ایک بھائی قندھار کا حاکم بن گیا' دوسرا پشاور کا اگرچہ وہ رنجیت سنگھ کو خراج دیتا تھا اور تیسرا بھائی دوست محمد خان کابل کا حکمران بنا۔

شجاع الملک ایک لگژری پنشن پر لدھیانہ میں انگریزوں کے زیرِ سایہ مقیم تھا۔

انیسویں صدی کے آغاز میں بین الاقوامی صورت حال پر نظر ڈالتے ہیں جہاں کئی اہم تبدیلیاں وقوع پذیر ہو رہی تھیں۔ اہم ترین واقعہ نپولین کی شکست ہے اور اس سے تین طاقتوں کو فوائد حاصل ہوئے۔ خود برطانیہ' جس نے نپولین کو شکست سے دوچار کیا تھا اور جس کے نوآبادیاتی عزائم کی راہ میں حائل ایک بڑی رکاوٹ دُور ہو گئی۔ پروشیا جسے یورپ کے جرمنوں کو مجتمع کرنے کا موقع اور راستہ مل گیا اور زارشاہی روس' جس کی مغربی سرحد محفوظ ہو گئی اور اسے جنوب اور مشرق میں توسیع کی کھلی چھٹی مل گئی۔

روس نے کاکیشیا پر قبضہ کیا' بحیرۂ ارل اور کیسپین کے درمیان قازق چراگاہوں کو اپنے تصرف میں لایا۔ ترکوں کو ایک فیصلہ کن شکست دی لیکن اس خدشے کے پیشِ نظر کہ ترکی کے مکمل زوال سے پیدا ہونے والا خلا برطانیہ نہ پر کر لے' جنگ بند کر دی۔ 1828ء میں روسیوں نے ایرانی فوجوں سے آرمینیا کا قبضہ حاصل کر لیا۔ خیوا' بخارا اور خوقند جیسی ریاستیں روسی لشکروں کی نوبتوں سے لرز رہی تھیں۔

برطانیہ جو فرانسیسی مداخلت اور مقامی بغاوت کی وجہ سے اپنی اہم نوآبادی امریکہ سے محروم ہو چکا تھا' اسے امریکہ سے کہیں زیادہ دولت مند اور پُرازوسائل نوآبادی ہندوستان کی شکل میں مل چکی تھی۔ اس کی بحری طاقت ہندوستان پر شدید دباؤ ڈال رہی تھی اور اس کے فوجی ہندوستان کے زرخیز میدانوں کو زیرِ نگیں کرتے جا رہے تھے۔ یوں پہلی بار افغانستان بابِ ہند کی حیثیت سے محروم ہو گیا تھا۔ حیران کن بات یہ ہے کہ دیگر عالمی طاقتوں کے برعکس ہندوستان میں یہ فتوحات برطانیہ کی ایک پرائیویٹ فرم ایسٹ انڈیا کمپنی حاصل کر رہی تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو تجارتی مفادات کے حصول کے لیے امن و امان کو بحال رکھنے' محصولات سے بچنے' مقامی تاجر' اہلِ حرفہ اور کاشتکاروں کا استحصال کرنے اور ریاستوں کو اپنا دست نگر بنانے کے لیے فوجی قوت کی

Scanned by CamScanner

ضرورت تھی۔ چنانچہ کمپنی نے مقامی سپاہیوں کی کمپنیاں کھڑی کیں، جن کے آفیسر برطانیہ سے آنے والے تعلیم یافتہ انگریز نوجوان ہوا کرتے تھے۔ بعدازاں کمپنی کی حد سے زیادہ خودمختاری اور کمپنی اہلکاروں کی لوٹ کھسوٹ کے پیش نظر تاج برطانیہ نے کمپنی کی سرگرمیوں پر موثر کنٹرول قائم کرنے کا فیصلہ کیا، خارجہ پالیسی اپنے ہاتھ میں لی اور گورنر جنرل کا تقرر سرکار کی طرف سے ہونے لگا۔ کمپنی کے حسابات کی جانچ پڑتال کے لیے ایک سرکاری بورڈ کا قیام بھی عمل میں آیا۔

1832ء تک تمام ہندوستان کمپنی کے زیر تسلط آ چکا تھا، چند ہزار انگریز اہلکار دس کروڑ ہندوستانیوں پر حکومت کر رہے تھے۔ تیزی سے زوال پذیر مغل سلطنت علامتی طور پر لال قلعہ دہلی تک ہی محدود تھی۔ انگریزوں کی پیش قدمی پنجاب کی سرحد اور دریائے ستلج کے کناروں پر رُک گئی تھی کیونکہ آگے ایک طاقتور ریاست تھی جس کی مضبوط افواج تھیں، جن کی تربیت فرانسیسی جرنیلوں نے جدید یورپی خطوط پر کی تھی۔ انگریزوں کا مہاراجا رنجیت سنگھ کے ساتھ معاہدہ ہو چکا تھا۔

سلطنت برطانیہ کے لیے پریشانی کا واحد سبب روس کی سرحدوں میں توسیع تھا۔ زار کے فوجی اڈے اور قلعے پورے وسط ایشیا میں پھیل رہے تھے۔ ایران بھی اب برطانیہ کا دوست نہیں رہا تھا اور روسی کیمپ میں جا چکا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ 1828ء کی آرمینین جنگ میں برطانیہ نے محمد شاہ قاچار کی مدد کی درخواست پر ٹال مٹول سے کام لیا تھا۔ اس سے اگلے سال تہران میں ایک بپھرے ہوئے ہجوم نے روسی سفیر اور اس کے قازق محافظوں کو ہلاک کر دیا تھا، شاہ نے فوراً ہی اپنے ایک پوتے کو سینٹ پیٹرز برگ بھیجا، جس نے سفیر کی ہلاکت کی تلافی کے طور پر خود اپنے پیٹ میں تلوار گھونپنے کی پیشکش کی..... نتیجتاً دونوں ممالک کے درمیان دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے۔

برطانیہ دریائے آمو کی طرف بڑھتی ہوئی روسی قوت کو روکنے کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ برطانوی ہند اور روس کے درمیان افغانستان اور سکھوں کا پنجاب حائل تھے۔

لندن میں سیکرٹری خارجہ لارڈ پامرسٹن، کلکتہ میں گورنر جنرل لارڈ آکلینڈ اور روس سے خوفزدہ بہت سے پارلیمنٹرین اس بات کے خواہش مند تھے کہ برطانیہ افغانستان پر کنٹرول حاصل کرے۔ اگرچہ بہت سے پارلیمنٹرین اس کے مخالف بھی تھے، وہ سلطنت کے ضرورت سے زیادہ پھیلاؤ کے حق میں نہ تھے، لیکن ان کی آواز دبا دی گئی۔ امپریلسٹ غالب آ گئے جن کا دعویٰ تھا کہ سلطنت کی حدود میں اضافہ نہ صرف برطانیہ کے لیے مفید ہے بلکہ مفتوحہ علاقوں کے لوگوں کے لیے بھی تاکہ وہ تہذیب و تمدن اور جدید علوم کے ثمرات سے مستفید ہو سکیں۔

Scanned by CamScanner

مئی 1837ء میں اٹھارہ سالہ شہزادی وکٹوریہ تخت نشین ہوئی اور ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ اسی سال تیس ہزار ایرانی افواج جن کی قیادت خود محمد شاہ کر رہا تھا' ہرات کا محاصرہ کیے ہوئے تھیں۔ اس لشکر میں ایک روسی دستہ بھی شامل تھا۔ اگرچہ یہ پرائیویٹ فوجی تھے' کچھ روسی تارکین وطن تھے' ایک پولینڈ کا جنرل تھا جسے شاہ نے ایرانی افواج کی تربیت کے لیے ملازم رکھا ہوا تھا' زار روس کا ایک سابق درباری کاؤنٹ سیموئچ اس دستے کی قیادت کر رہا تھا۔ روس اور ایران کی اس مبینہ مشترکہ جارحیت کی خبروں نے برطانوی ایوانوں میں تھرتھلی مچادی۔

ان دنوں شہر میں ایک انگریز فوجی افسر تاجر کے بھیس میں موجود تھا' یہ تھا ایلڈر پوٹنگر معروف سر ہنری پوٹنگر کا بھائی۔ اس نے کامران خان درانی کے ظالم و جابر وزیر یار محمد کو شہر کے دفاع کو جدید جنگی بنیادوں پر مضبوط بنانے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔

ایرانی توپوں نے قلعے کی فصیل میں شگاف ڈال دیا اور ایرانی سرباز شہر میں داخل بھی ہو گئے لیکن انہیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔ محاصرہ طویل ہوا' اشیائے خوردنی کی شدید قلت ہوئی تو ہزاروں بوڑھوں' بچوں اور خواتین کو قلعے سے باہر نکال دیا گیا' ایرانیوں نے انہیں واپس قلعے میں دھکیلنا چاہا تو افغانوں نے اپنے ہی معصوم شہریوں پر فائرنگ شروع کر دی۔ آخر ایرانیوں نے ترس کھا کر انہیں باہر جانے کی اجازت دے دی۔ قریب تھا کہ ہرات سقوط کر جاتا کہ ایک روز ایرانی محاصرہ اُٹھا کر واپس لوٹ گئے اور یہ برطانیہ کی وجہ سے ہوا۔ برطانوی بحریہ نے خلیج فارس میں ایرانی جزیرے خرگ پر قبضہ کر لیا اور شاہ ایران کو پیغام بھیجا:

''حکومت برطانیہ جنابِ والا کی طرف سے ہرات پر حملے کو برطانیہ کے خلاف دشمنانہ اقدام سمجھتی ہے اور اگر جنابِ والا محاصرہ برقرار رکھنے پر بضد ہیں تو یاد رکھیے برطانوی افواج آپ کی سرزمین پر اُتر چکی ہیں اور آپ کے عقب میں پہنچنے والی ہیں۔''

افغانستان پر قبضے کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں' رسد جمع کی جا چکی تھی' پوٹنگر' میسن' برنس اور موہن لال وغیرہ راستے صاف کر چکے تھے اور فیروز پور میں گریٹ آرمی آف انڈس تشکیل پا چکی تھی۔ انگریزوں کے دوست اور امیر دوست محمد کے مخالف مہاراجا رنجیت سنگھ نے انتہائی مدبرانہ اور دلیرانہ فیصلہ کرتے ہوئے نا صرف انگریزوں کی مدد کرنے سے انکار کر دیا بلکہ پنجاب کی حدود میں سے انگریزی افواج کو گزرنے سے بھی منع کر دیا چنانچہ نزلہ بر عضو ضعیف می ریزد کے مصداق امیرانِ سندھ کے حلق پر انگوٹھا رکھ کر نا صرف ان سے محفوظ راستہ حاصل کر لیا گیا بلکہ

Scanned by CamScanner

جعلسازی اور فریب کے ذریعے شاہ شجاع الملک کے پرانے واجب الادا خراج کے نام پر جنگ کے اخراجات بھی ان سے وصول کر لیے گئے۔

حملے کا فوری جواز ایران کے محاصرۂ ہرات اور روسی مشن کی کابل میں پذیرائی کو قرار دیا گیا اور یہ دونوں جواز باقی نہ رہے تھے' محاصرہ ختم ہو چکا تھا' روسی مشن ناکام ہو کر کابل سے واپس جا چکا تھا اور مشن کے سربراہ کیپٹن ایوان وکیٹوچ نے سینٹ پیٹرز برگ پہنچ کر خودکشی کر لی تھی' لیکن مہم جاری رکھی گئی کہا گیا کہ فوج مکمل تیاری کی حالت میں ہے اور اب اسے روکنے سے فوج کے مورال پر برا اثر پڑے گا اور ساتھ ہی یہ ایک طرح سے برطانیہ کی توہین بھی ہو گی۔

عظیم لشکر سندھ میں شاہ شجاع کے جلدی میں تربیت دادہ چھ ہزار فوجی' بمبئے آرمی کے 5600 اور بنگال آرمی کے 9600 فوجی شامل تھے۔ بمبئے آرمی بحری جہازوں کے ذریعے دریائے سندھ کے دہانے پر اُتاری گئی اور وہاں سے وہ دریا کے ساتھ ساتھ روانہ ہوئی' بنگال آرمی فیروز پور سے دریائے ستلج کے کنارے سفر کرتی ہوئی ریاست بہاول پور کی حدود میں سے گزرتی ہوئی سندھ پہنچی۔ جنرل جان کین کی زیر کمان اس فوج میں 38 ہزار ہندوستانی سویلین ملازم بھی تھے اور تیس ہزار مال بردار اونٹ تھے۔

1839ء کے اوائل میں فوج درۂ بولان سے گزر رہی تھی۔ موسم' راستے کی سختی اور بلوچ قبائلیوں کے دھاوے جھیلتی ہوئی جب یہ شال (کوئٹہ) پہنچی تو اس کے پاس خوراک ختم ہونے والی تھی اور اس کے راستے میں جگہ جگہ مردہ اونٹوں اور ترک کردہ اسباب کے ڈھیر تھے۔ شال میں الیگزینڈر برنس ایک قبائلی سردار سے دس ہزار بھیڑیں خریدنے میں کامیاب ہو گیا' ورنہ گریٹ آرمی آف انڈس کو بھوک اور فاقہ کشی نے ذلت آمیز شکست سے دوچار کر دیا ہوتا۔ 25 اپریل کو درۂ خوجک عبور کرنے اور کاکڑوں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلنے کے بعد فوج قندھار پہنچ گئی۔ موہن لال کشمیری کی سازش سے حاکم قندھار شہر چھوڑ کر بھاگ چکا تھا چنانچہ قندھار بغیر کسی مزاحمت کے سرنگوں ہو گیا۔ شاہ شجاع کا فقید المثال استقبال ہوا۔ ہزاروں لوگ گلیوں میں قطاریں بنائے کھڑے تھے اور استقبالیہ نعرے لگا رہے تھے۔ خواتین دریچوں سے اور چھتوں سے پھول نچھاور کر رہی تھیں۔ دو ہفتے بعد افغانستان میں نامزد سفیر ولیم میکناٹن نے شاہ کے لیے ایک بڑی فوجی پریڈ کا انتظام کیا جس میں بیس ہزار فوجیوں نے حصہ لیا تھا لیکن اس وقت تک قندھار کے عوام جان چکے تھے کہ شاہ شجاع ایک کٹھ پتلی ہے اور اصل طاقت تو فرنگی کے پاس ہے چنانچہ پریڈ صرف شاہ'

Scanned by CamScanner

اس کے مصاحبین اور لشکر کے ہندوستانی ملازمین نے ہی دیکھی' جو چند سو اہل قندھار وہاں موجود تھے وہ محض خاموش تماشائیوں کی حیثیت رکھتے تھے۔

فوج کا ایک ڈویژن اور چار عدد توپیں قندھار میں چھوڑ کر فوج کابل کی سمت روانہ ہوئی۔ جب وہ غزنی پہنچے تو وہاں ایک ایسے مضبوط اور شاندار قلعہ دیکھ کر جنرل کین کو مایوسی ہوئی جس کی ساٹھ فٹ چوڑی دیواروں پر برطانوی توپیں ڈینٹ بھی نہ ڈال سکتی تھیں اور پھر قلعے کے برجوں سے افغان نشانہ بازوں نے برطانویوں کے تابوتوں اور ہسپتالوں کی رونق میں خاصا اضافہ کیا۔ انہوں نے دیکھا کہ افغان رائفلیں برطانوی رائفلوں سے کہیں بہتر ہیں۔ یہاں پھر موہن لال نے قندھار کے وزیر کی طرح ایک شہزادے کو خرید لیا جس نے قلعے کے دفاع کے متعلق تمام معلومات فراہم کیں اور یہ خبر دی کہ قلعے کا کابلی دروازہ کمزور ہے' باقی تمام دروازوں کے پیچھے دیواریں کھڑی کی گئی ہیں' سوائے مذکورہ دروازہ کے۔ ایک رات غازیوں (مذہبی لڑاکوں) کے ایک گروہ نے شاہ شجاع کے کیمپ پر حملہ کیا لیکن برطانوی چوکنا تھے۔ انہوں نے گھیرا ڈال کر پچاس غازیوں کو پکڑ لیا اور انہیں شاہ شجاع کے حوالے کر دیا۔ ایک قیدی نے اچانک خنجر نکال کر شاہ کو مارنے کی کوشش کی' شاہ کو بچاتے ہوئے ایک محافظ ہلاک ہو گیا' چنانچہ شاہ کے حکم پر تمام پچاس قیدیوں کو تہہ تیغ کر دیا گیا۔

25 جولائی کی رات انجینئر ہنری ڈیورنڈ نے کابلی دروازے کے ساتھ 300 پاؤنڈ گن پاؤڈر کا سٹاک رکھ دیا' اس دوران محافظوں کی توجہ ہٹانے کے لیے مخالف سمت سے قلعے پر شدید گولہ باری کی گئی۔ بارود کو آگ دکھائی گئی اور یوں کابلی دروازے کے پرخچے اُڑ گئے۔ برطانوی فوجی قلعے میں داخل ہو گئے۔ دست بدست لڑائی ہوئی۔ برطانوی نقصان 17 ہلاک اور 165 زخمی جبکہ افغان نقصان 1500 اموات اور ہزاروں گھائل۔

غزنی کے اس قدر جلد سرنگوں ہونے کی خبر امیر دوست محمد کے لیے ناقابل یقین تھی۔ ناقابل یقین تو یہ شاہ شجاع کے لیے بھی تھی' جو غزنی کو محاصرے میں چھوڑ کر کابل کی طرف پیش قدمی کا خواہاں تھا۔ لشکر کابل کے نزدیک پہنچا تو امیر دوست محمد توپیں تک چھوڑ کر بامیان کی طرف فرار ہو گیا۔ اس ذلت آمیز فرار کی وجہ محض سقوطِ غزنی یا انگریزوں کی تیز رفتار پیش قدمی ہی نہ تھی بلکہ امیر کا تنہا رہ جانا بھی تھا کیونکہ اس کے متعدد سرداروں کو موہن لال خرید چکا تھا۔ انیسویں صدی سے لے کر اکیسویں صدی تک تاریخ افغان سرداروں کی خرید و فروخت کے سیاہ واقعات سے بھری

Scanned by CamScanner

ہوئی ہے۔سکہ رائج الوقت بدل جاتا ہے لیکن افغان سرداروں کی یہ عادت نہیں بدلتی۔کل وہ اشرفیوں سے خریدے جاتے تھے آج روپوں اور ڈالروں سے.....ہسٹری آف افغانز کے مصنف مسٹر فریئر لکھتے ہیں:

''افغانوں کی لالچ اور حرص حد سے تجاوز کر گئی ہے۔دولت کے حصول کے لیے وہ دنیا کا ہر رشتہ توڑ دیتے ہیں اور ہر فرض سے روگردانی کر لیتے ہیں۔اپنے حرص کی پیاس بجھانے کے لیے وہ بڑے سے بڑا جرم کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں' اپنی آزادی اور انا کو قربان کر دیتے ہیں' اپنی بیویوں اور بیٹیوں کی عصمتیں فروخت کر دیتے ہیں اور قیمت وصول کرنے کے بعد انہیں قتل کر ڈالتے ہیں۔افغانستان میں دنیا کے ہر خطے سے زیادہ دولت کو خدا مانا جاتا ہے۔انہوں نے انسانی ضمیر کی ہر آواز کا گلا گھونٹ دیا ہے' ان کے وعدوں' دوستی اور وفا پر کبھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔''

مسٹر کے (Key) لکھتے ہیں کہ طمع ان شدید ترین جذبات میں سے ہے جو افغان سینے میں پائے جاتے ہیں۔اگرچہ ان آراء میں شدید تعصب نظر آ رہا ہے۔

7 اگست کو شاہ شجاع الملک لباس شاہی میں ملبوس شاندار سفید گھوڑے پر سوار کابل میں داخل ہوئے' لیکن قندھار کے برعکس کابل میں ان کا انتہائی سرد مہری کے ساتھ استقبال ہوا۔ سرجان کے نے لکھا:''یہ ایک بادشاہ کی اپنے دارالحکومت میں واپسی کے بجائے کسی جنازے کا جلوس لگتا تھا۔''

(اور اس کے بعد بھی ایسے کئی جنازوں کے جلوس اس بدنصیب شہر میں لائے گئے اور آج تک لائے جا رہے ہیں۔)

شاہ شجاع اس سے قبل تین بار تخت حاصل کرنے کی ناکام کوششیں کر چکا تھا۔کابل میں اس کی شہرت ایک نااہل شہزادے کی تھی۔اگرچہ روایت یہ رہی ہے کہ افغان کمزور بادشاہ کو پسند کرتے ہیں لیکن کمزور شجاع سے ان کی ناپسندیدگی کی وجہ سینکڑوں فرنگی فوجی اور بے شمار ہندو ملازمین تھے جو ایک بادشاہ کو ان کے تخت پر بٹھانے کے لیے لائے تھے۔

انہی دنوں ایک لاکھ روسی فوجیوں کی خیوا کی طرف پیش قدمی کی خبر آئی' جو اگرچہ جھوٹی تھی لیکن کلکتہ میں لارڈ آکلینڈ نے اسے افغانستان پر قبضہ کرنے کے حق میں دلیل کے طور پر پیش کیا اور کہا اتنا بڑا لشکر دراصل ہندوستان پر قبضہ کرنے آ رہا ہے ورنہ خیوا کے لیے تو چند ہزار سپاہی کافی تھے۔انگریزوں نے کابل' چاریکار' بامیان' جلال آباد' غزنی اور قندھار میں گیریژن قائم

Scanned by CamScanner

کیے۔ اس طرح نہ صرف یہ کہ روس کی ہندوستان کی سمت پیش قدمی کا راستہ روک دیا گیا بلکہ تاج برطانیہ کے سپاہی قدیم تاریخی شاہراہ ریشم تک پہنچ گئے۔

افغانستان میں مشن مکمل ہو چکا تھا چنانچہ 1839ء کے آخری مہینوں میں فوج کے ایک بڑے حصے کو ہندوستان واپس طلب کر لیا گیا۔ اگرچہ اب تک افغانستان میں کسی بڑی مزاحمت کا آغاز نہیں ہوا تھا لیکن دُوربین نگاہیں اسے وقوع پذیر ہوتا دیکھ رہی تھیں۔ جنرل کین نے لیفٹیننٹ ڈیورنڈ کو افغانستان سے واپس روانہ ہوتے وقت کہا: ''میں تمہیں اس ملک کو چھوڑ کر جانے پر مبارکباد پیش کرتا ہوں' ایک بڑی تباہی آنے میں کچھ زیادہ دیر نہیں رہ گئی۔''

موسم سرما میں شاہ شجاع اور ولیم میکناٹن جلال آباد چلے گئے۔ قلعہ بالا حصار جو افغانستان میں اقتدار کی علامت تھا' برطانوی فوج کے حوالے کر دیا گیا۔

شاہ اپریل 1840ء میں واپس کابل آیا تو بالا حصار انگریزوں سے خالی کرا لیا گیا اور ان کے لیے نئی چھاؤنی کی تعمیر شروع کر دی گئی۔ اسی دوران خیوا سے روسی مہم کی ناکامی کی خبر آئی۔ پانچ ہزار روسی فوجیوں میں (جن کی تعداد پہلے ایک لاکھ بتائی گئی تھی) سے تقریباً ایک ہزار سپاہی اور تقریباً تمام اونٹ اور گھوڑے شدید ترین سردی اور برفانی طوفانوں کی نذر ہو چکے تھے اور جنرل پٹروسکی مہم ادھوری چھوڑ کر جان بچا کر ''بقیۃ البرف'' سپاہیوں کو واپس لے کر روس چلا گیا تھا۔

کابل میں نئی چھاؤنی شہر سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر تعمیر کی گئی' جگہ کا انتخاب بعدازاں برطانوی افواج کی بربادی کا ایک اہم عامل ثابت ہوا۔ چھاؤنی کے تین طرف پہاڑیاں تھیں اور ایک طرف شہر۔ پہاڑیوں اور چھاؤنی کی پانچ فٹ بلند دیوار کے درمیان باغات اور کھیت تھے۔ 1840ء کے وسط تک کابل کے متوازی ایک نیا شہر وجود میں آ چکا تھا جہاں پولو اور کرکٹ گراؤنڈ تھے' ریس کورس تھا' آفیسرز میس اور کلب تھے' بار اور ناچ گھر تھے اور ایک تھیٹر بھی قائم ہو چکا تھا۔ برطانوی انتظامیہ نے اپنے افسروں اور سپاہیوں کو اپنے خاندان ہندوستان سے بلوانے کی اجازت دے دی جو درۂ خیبر کے راستے آئے جس پر قابض آفریدیوں کو حکومت آٹھ ہزار پاؤنڈ سالانہ راستہ کھلا رکھنے کے عوض ادا کرتی تھی۔ غیر شادی شدہ فوجیوں کا دل بہلانے کے لیے ہندوستان سے طوائفیں بھی آئیں۔

مئی 1840ء میں قندھار اور غزنی کے درمیان ایک برطانوی دستے پر غلزئیوں نے حملہ کیا اور اسے خاصا نقصان پہنچایا۔ غلزئیوں کا بھی کچھ کم نقصان نہیں ہوا وہ دو سو لاشیں چھوڑ کر

Scanned by CamScanner

پہاڑوں میں گم ہو گئے۔ چنانچہ قندھار کے کمانڈر میجر جنرل ولیم ناٹ نے قندھار اور غزنی کے درمیان ایک نیا گیریژن تعمیر کرلیا۔ اس دوران بلوچوں اور کاکڑوں کی شورش کی وجہ سے ہندوستان سے رسد کے راستے بند ہو گئے تو جنرل ناٹ کو شورش کچلنے کے لیے ایک مہم کوئٹہ بھیجنا پڑی۔ فوجی راستے کھولنے کے بعد واپس آئے تو بلوچوں کی سرگرمیاں پھر شروع ہو گئیں۔

افغانستان کے اطراف حالات انگریزوں کے لیے ناسازگار ہوتے جارہے تھے۔ بخارا نے ان کے ایلچی چارلس سٹوڈرٹ کو قید کرلیا تھا۔ حاکم ہرات ایران کے ساتھ تعلقات بہتر کرچکا تھا اور وہ ایرانیوں کو قندھار کا راستہ دکھا رہا تھا۔ دریائے آمو اور ہندوکش کے درمیانی علاقے میں ازبک اور ترکمان خودسر ہو کر دندنا رہے تھے۔ رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد اس کے جانشین خائف تھے کہ افغانستان کے بعد ان کی باری آئے گی چنانچہ پنجاب میں پشاور کی طرف رسد لے جانے والے ایک انگریز کارواں پر حملہ کیا گیا اور انگریز افسروں کی بے عزتی کی گئی۔ ایسی اطلاعات بھی ملیں کہ سکھ جاسوس کابل میں لوگوں کو بغاوت پر اُکسا رہے ہیں۔

ولیم میکناٹن نے لارڈ آکلینڈ کو لکھا کہ ہرات اور پشاور پر قبضہ کر لینا چاہئے کیونکہ اس طرح ایک تو حاکم ہرات اور سکھوں کو رقم نہیں دینا پڑے گی اور دوسرے اس سے شاہ شجاع کے وقار میں اضافہ ہوگا کہ اس نے درانی سلطنت کے دو اہم علاقوں کو واپس لے لیا ہے اور یوں اندرونِ افغانستان اس کی حمایت میں اضافہ ہوگا لیکن لارڈ آکلینڈ نے ایسا کرنے سے انکار کردیا۔

افغانستان میں بے چینی اور بغاوت کا آغاز

اندرونِ افغانستان اگرچہ شروع شروع میں بعض طبقات کی طرف سے انگریزوں کو حمایت ملی۔ شیعہ قزلباش جو سُنی افغانوں کو ناپسند کرتے تھے بلکہ اقلیت ہونے کی وجہ سے کسی حد تک اکثریت کے جبر کا بھی شکار تھے انگریزوں کے حامی بن گئے۔ تاجر' اہل حرفہ اور کاشتکار جو سرداروں خانوں اور بالادست طبقے کی زیادتیوں کا شکار تھے' ان سے بھاری ٹیکس وصول کیے جاتے تھے۔ کاشتکاروں' کاریگروں اور مزدوروں سے بیگار لی جاتی تھی۔ انہیں توقع تھی کہ انگریز انہیں اس جبر سے نجات دلائیں گے چنانچہ انہوں نے بھی انگریزوں کو خوش آمدید کہا لیکن ان کی توقعات پوری نہ ہوئیں۔ شاہ شجاع اور اس کے وزراء اور امراء نے ان طبقات پر جبر اور ان کے استحصال میں مزید اضافہ کردیا۔ قزلباشوں کی توقعات بھی پوری نہ ہوئیں اور سوائے چند سرداروں کے' ان کی

Scanned by CamScanner

اکثریت میں انگریزوں کے خلاف نفرت پیدا ہونے لگی۔ برطانوی فوجی اوران کے بیرے مقامی لوگوں کونمک حرام اور نامراد کہہ کرمخاطب کرتے تھے۔

طاقتور سردار جنہیں اشرفیوں کی تھیلیاں ملیں' توقع رکھتے تھے کہ ان پر مسلسل ہن برستا رہے گا' لیکن ایسا نہ ہوا اور بعض سرداروں سے تو ان کے ساتھ کیے گئے وعدے بھی پورے نہ کیے گئے۔ انگریزوں نے شاہ کے وزیر ملا شکور کو اس الزام میں برطرف کرادیا کہ وہ لوگوں کو انگریزوں کے خلاف بغاوت پر اُکسا رہا ہے خاص طور پر ملاؤں اور پیروں سے رابطے کرکے انہیں انگریزوں کے خلاف کررہا ہے۔ اس کی جگہ انہوں نے شاہ پر دباؤ ڈال کر محمد عثمان کو وزیر بنوایا جو انتہائی نا اہل' جاہ پرست' حریص اور ظالم تھا۔ اس کی پالیسیوں کی وجہ سے تمام طبقات حکومت کے خلاف ہوگئے۔ قزلباش' غلزئی' خود درانی' اس کے علاوہ ملا' سید' پیر اور پھر تاجر اور زمیندار بھی اور وہ سمجھتے تھے کہ یہ تمام جابرانہ پالیسیاں انگریزوں کی بنائی ہوئی ہیں' محمد عثمان تو کٹھ پتلی ہے' وزیر ہی کیا خود شاہ بھی انگریزوں کا دست نگر اور غلام ہے۔

ولیم میکناٹن اور الیگزینڈر برنس شاہ کے تمام فیصلوں پر اثر انداز ہوتے' کئی بار تو خود شاہ کو ان سے کسی کام کے لیے درخواست کرنا پڑتی جس پر وہ ٹال مٹول سے کام لیتے۔ میکناٹن اور برنس ایک دوسرے کو شدید ناپسند کرتے تھے' ان کی متضاد پالیسیوں کا منفی اثر دیگر افسروں اور فوجیوں پر پڑا۔ حرص وہوس کی کمی خود شاہ میں بھی نہ تھی' اس نے بھی خاصی مال ودولت جمع کی۔ یہاں تک کہ ملک میں فاقہ کشی اور قحط کی سی صورت حال پیدا ہونے لگی۔

قبائلی سرداروں کے وظیفے کم کردیے گئے جس سے وہ کھلم کھلا باغی ہونے لگے غلزئیوں نے تو درّے بھی بند کردیے۔

انگریزوں کے تابوت میں آخری کیل انگریز افسروں اور فوجیوں کے افغان خواتین کے ساتھ کھلم کھلا تعلقات قائم کرنا اور انہیں اپنے گھروں میں لے جانا اور بعض واقعات میں ان کے ساتھ شادیاں کرنا ثابت ہوا۔ شراب تو وہ سرعام کابل کے بازاروں میں پیتے پھرتے تھے' چنانچہ ملا اور آئمہ مساجد فرنگی کافروں کے خلاف جہاد کے لیے عوام کو اُبھارنے لگے۔

ستمبر 1840ء میں بغاوت کا پہلا عملی واقعہ ہوا اور یہ امیر دوست محمد کی بخارا سے واپسی اور بامیان پر حملہ تھا۔ امیر دوست محمد' جس نے بھاگ کر بخارا میں پناہ لی تھی اور بخارا کے مطلق العنان سخت گیر اور جابر حاکم امیر نصراللہ نے اسے قید میں ڈال دیا تھا۔ موسم گرما میں دوست

Scanned by CamScanner

محمد خان زندان سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ خلام کی وادی میں ہزاروں ازبک اس کے پرچم تلے جمع ہو گئے۔ ہندوکش کے شمال میں واقع برطانوی چوکیوں کے سپاہی بھاگ بھاگ کر بامیان پہنچنے لگے۔ یہ خبریں کابل پہنچیں تو شاہ شجاع کے ذاتی رجمنٹ کے سپاہی (جس طرح آج حامد کرزئی کی افغان نیشنل آرمی ہے) باغی ہوکر بھاگنے لگے۔ لوگ اپنے کاروبار بند کر رہے تھے' بیوی بچوں کو محفوظ مقامات پر بھیج رہے تھے۔

کرنل ڈینی آٹھ سو فوجیوں اور توپ خانے کے ساتھ دوست محمد کا راستہ روکنے کے لیے آگے بڑھا۔ برطانیہ کی پہاڑی توپوں نے ازبکوں کو تتر بتر ہونے پر مجبور کر دیا۔ خلام کی وادی برطانویوں کے قبضے میں آ گئی لیکن کوہستان میں شورش بدستور جاری رہی۔

2 نومبر کو ایک بڑے برطانوی گھڑ سوار دستے کا' جس میں پانچ آفیسر بھی شامل تھے' پروان درّہ کی وادی میں دوست محمد کے ساتھ آمنا سامنا ہوگیا' جس کے ہمراہ ایک چھوٹا سا دستہ تھا لیکن دوست محمد نے ایک بہادر افغان اور حقیقی بادشاہ ہونے کا ثبوت دیا۔ وہ گھوڑے کی رکابوں میں پاؤں جما کر کھڑا ہوگیا' چہرے سے سفید دستار کا پلو ہٹایا اور للکار کر کہا:

''خدا اور رسول کے نام لیواؤ! ان ملعون کافروں کو مسلمانوں کے ملک سے نکال باہر کرو۔''

وہ انتہائی دلیری اور جوانمردی سے برطانوی دستے پر حملہ آور ہوئے۔ برطانویوں نے راہ فرار اختیار کی۔ تین برطانوی افسر مارے گئے' دو گھائل ہوئے اور دستے کا کمان دار کیپٹن جیمز فریزر ایک لٹکتا ہوا ہاتھ اور سر اور جسم پر متعدد زخم لیے بمشکل کیمپ واپس پہنچا۔

ان حالات میں برطانویوں کے لیے یہ ناقابل یقین تھا کہ دوست محمد بنفس نفیس کابل آیا اور خود کو ولیم میکناٹن کے حوالے کر دیا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ تمام بڑے سرداروں کو برطانوی دولت سے خریدا جا چکا تھا (ویسے برطانوی کا لفظ کچھ مناسب نہیں امیرانِ سندھ کی دولت زیادہ موزوں ہوگا)۔ چنانچہ دوست محمد خان مایوس ہوگیا تھا۔ انگریزوں نے دوست محمد کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور اسے معقول پنشن پر لدھیانہ کی اسی حویلی میں بھیج دیا گیا جہاں کبھی شاہ شجاع رہتا تھا۔ اس کے خاندان کا واحد فرد جو اس کے ساتھ نہ آیا' اس کا بیٹا اکبر خان تھا' جو اَب بھی ہندوکش کی دور افتادہ وادیوں میں سرگرداں تھا اور جس نے بعد ازاں انگریزوں کو خون کے آنسو رلائے۔

1840ء کا موسم سرما نسبتاً سکون اور امن کے ساتھ گزرا' سوائے قندھار میں جنرل

نوٹ اور درانیوں کے درمیان ایک جھڑپ کے' ہوا یوں کہ جنرل نوٹ نے شاہ شجاع کے بیٹے تیمور شاہ کے کچھ ساتھیوں کو قانون شکنی اور عام آدمیوں پر زیادتیوں کے الزام میں کوڑے مارے جس کی وجہ سے درانیوں نے انگریزوں پر حملہ کر دیا۔ بعدازاں ولیم میکناٹن نے اس واقعہ پر معذرت کی اور نوٹ کو سخت سست کہا۔

نومبر میں حالات کو معمول کے مطابق سمجھتے ہوئے میکناٹن نے ٹیکسوں کی وصولی کا حکم نامہ جاری کیا جو نچلا طبقہ ادا کرنے کی سکت نہیں رکھتا تھا اور بالائی طبقہ ادا کرنے پر آمادہ نہیں تھا' چنانچہ اس حکم نامے نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

سفیر ولیم میکناٹن کی تنبیہ کے چند دن بعد جنرل نوٹ نے اپنے اہل خانہ کو ایک خط میں لکھا:

''یہاں کچھ ٹھیک نہیں ہے' لوگ ہم سے نفرت کرتے ہیں' انگریز کا نام جو دو سال قبل عزت و وقار کی علامت تھا' اب گالی بن رہا ہے۔ سیاستدانوں کے طرز عمل نے ہمارے مشن کو تباہ کر دیا ہے اور ہر یورپین کے گلے کو منتقم مزاج افغان اور خونخوار بلوچ کے خنجر کے سامنے عریاں کر دیا ہے (فوجی ہر دور اور ہر ملک میں سیاستدانوں کو ناپسند کرتے رہے ہیں)۔ اگر یہاں ایک بڑی فوج نہ بھیجی گئی تو کوئی اپنے دوستوں کے خاتمے کی خبر دینے والا بھی نہ بچے گا۔''

یہ جنرل نوٹ کے تاثرات تھے جسے مقامی قبائل پر واضح برتری حاصل تھی' مضبوط دفاعی لائنیں اور طاقتور توپخانہ تھا اور اس نے شکست کابل کے بعد بھی یہاں اپنا قبضہ برقرار رکھا تھا۔ اور ملاحظہ کیجئے کہ دوسری طرف یعنی طاقت کے مرکز کابل میں کیا ہو رہا تھا۔ بہار کی آمد آمد تھی' برطانوی افسر اور ان کے خاندان جشن بہاراں کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ جنرل سیل کی بیگم کا گھر ان سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ مادام فلورنشیا سیل کے بنگلے میں 45 نوکر تھے جبکہ سفیر بہادر ولیم میکناٹن کا گھر تو اس سے بھی بڑا تھا۔

جنرل کاٹن ریٹائر ہو گئے تھے اور ان کی جگہ لینے کے لیے برطانیہ کے ایک جاگیردار گھرانے کے فرد اور واٹرلو کی لڑائی میں حصہ لینے والے میجر جنرل ولیم جارج کیتھ الفنسٹن کابل آ چکے تھے۔ سرکاٹن نے ان کے شیطان کی آنت جتنے طویل نام کو مختصر کرتے ہوئے کہا ''ایلفی مائی بوائے! تمہیں یہاں کچھ نہیں کرنا پڑے گا۔ یہاں امن ہی امن ہے۔ وائن پیو' گالف کھیلو اور مزے کرو گڈ لک۔''

Scanned by CamScanner

ٹیکسوں کی وصولی کا کام شروع ہو چکا تھا' وصول کنندگان کے ساتھ مسلح برطانوی اور گورکھا سپاہی ہوتے تھے چنانچہ یہ تاثر مضبوط ہوا کہ شاہ عیسائیوں اور ہندوؤں کے ہاتھوں میں کھلونا ہے۔ یوں غازیوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہونے لگا' ملا اور قبائلی کھلم کھلا بغاوت کی باتیں کرتے پھر رہے تھے۔ عام آدمی کی حالت روز بروز خستہ اور کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ قبائلی سرداروں کو بے توقیر کیا جا رہا تھا۔ ایک اور شرمناک مسئلہ بھی تھا جس کے بارے میں سر ولیم کے لکھتے ہیں:

''یہ ایک عام تاثر ہے بلکہ حقیقت ہے کہ افغان مرد اپنی عورتوں کو نظر انداز کرتے ہیں' چنانچہ انگریز فوجی بے چاری خواتین کے اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے بے تاب تھے..... کابل کی عورتوں کے ترغیب انگیز حسن کے سامنے مزاحمت کرنا ہمارے فوجیوں کے بس کی بات نہ تھی۔''

انہی دنوں جنرل نوٹ نے ایک درانی سردار اکرم خان کو توپ کے دہانے سے باندھ کر اڑا دیا تھا' بعد ازاں اس سزا کے فرمان پر شاہ سے دستخط کرا لیے گئے۔

نوٹ نے کہا تھا: ''اگر ایک شریر بچے کو باندھ کر الگ کونے میں پھینک دیا جائے تو باقی بچے شرارتوں سے باز آ جاتے ہیں۔''

قبائلیوں کا حملہ' برنس کی ہلاکت اور چھاؤنی کا محاصرہ

ستمبر 1840ء میں ولیم میکناٹن کو بمبئی کا گورنر مقرر کر دیا گیا۔ الیگزینڈر برنس اس کی جگہ سفیر افغانستان نامزد ہوا۔ جنرل ایلفنسٹن بوجہ علالت واپس جا رہا تھا اور جنرل نوٹ کو افغانستان میں برطانوی افواج کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ جنرل سیل اپنے بریگیڈ کے ساتھ واپس روانہ ہوا' لیڈی سیل چھاؤنی میں اپنا بڑا گھر اور خوبصورت باغ چھوڑنے پر ملول تھیں اور سامان پیک کرنے میں مصروف تھیں۔

ہرات کے ہیرو ایلڈ ر پوٹنگر کو کوہستان کا پولیٹیکل ایجنٹ مقرر کیا گیا۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے تحریری رپورٹ دی کہ سب اچھا نہیں' موجودہ خاموشی کے پیچھے ایک بڑا طوفان ہے جو عنقریب اٹھ کر سب کچھ تہہ و بالا کرنے والا ہے۔ افغانستان سے ریونیو کی وصولی نہ ہونے کے برابر تھی جبکہ اخراجات میں بے تحاشا اضافہ ہو رہا تھا چنانچہ کمپنی بہادر کے ڈائریکٹر اس پر اعتراضات کر رہے تھے۔

Scanned by CamScanner

اخراجات میں کمی کے دو ممکنہ طریقے تھے۔ایک تو افواج کی تعداد میں تخفیف اور دوسرا سرداروں اور قبائل کے وظائف میں کمی۔ غیر یقینی صورت حال کی وجہ سے افواج میں تخفیف خطرناک تھی چنانچہ وظائف میں کمی کا فیصلہ کیا گیا۔سفیر ولیم میکناٹن اس کے حق میں نہ تھا لیکن اسے ایسا کرنے کو کہا گیا۔

میکناٹن نے سب سے پہلے غلزئیوں کو طلب کیا' غلزئی پہاڑی درّوں کی راہداری وصول کرتے تھے اور صدیوں سے وصول کرتے آ رہے تھے۔ پہلے وہ یہ کام بزور شمشیر وتفنگ کیا کرتے تھے اور جب برطانویوں نے انہیں ایک لگا بندھا معقول معاوضہ دینا شروع کیا تو انہوں نے کاروانوں سے تعرض کرنا چھوڑ دیا۔ گزشتہ ڈیڑھ سال کے عرصے میں جتنے کارواں اور مال و اسباب یہاں سے گزرا تاریخ میں کبھی نہ گزرا تھا۔سفیر نے غلزئی سرداروں سے کہا کہ اسے افسوس ہے کہ برطانیہ کے مالی حالات خراب ہونے کی وجہ سے ان کا وظیفہ نصف کیا جا رہا ہے۔غلزئیوں نے ہاں میں سر ہلایا اور خاموشی سے اُٹھ کر چلے گئے۔صرف دو ہی دن بعد رسد کا ایک کارواں لوٹ لیا گیا..... چنانچہ انگریزوں کی سپلائی لائن کٹ گئی بلکہ لائف لائن.....شاہ رگِ حیات منقطع ہوگئی۔

چند دن بعد ایک رجمنٹ درّوں کو کھولنے کے لیے روانہ کی گئی' غلزئیوں نے شب خون مارا' پچیس سپاہیوں پر زندگی کے دروازے بند ہو گئے اور 35 نیٹو انفنٹری رجمنٹ ناکام لوٹ گئی۔

جنرل سیل جو اپنا بریگیڈ لے کر واپس لوٹ رہا تھا' اس پر بھی غلزئیوں نے حملے کیے۔ گولیوں کی برستی بارش میں وہ درّہ عبور کر گیا اگرچہ لنگڑاتا ہوا' ایک ٹخنے میں گولی کا تحفہ سنبھالے ہوئے اور بریگیڈ کی تعداد میں کچھ کمی کے ساتھ۔

اس کے بعد جب کابل کی طرف جانے والا ایک کارواں یہاں سے گزارنے کی کوشش کی گئی تو غلزئی ہر طرف سے اس پر ٹوٹ پڑے' 300 افراد مارے گئے جن میں 120 برطانوی فوجی تھے۔

لیڈی سیل' ولیم میکناٹن اور جنرل الفنسٹن واپسی کے لیے تیار تھے۔ جنرل سیل درّہ کابل خورد کے پار ان کی بحفاظت واپسی کے لیے کوشاں تھا لیکن اس کے اور کابل کے درمیان غلزئی حائل تھے اور درّے میں 300 لاشیں پڑی تھیں۔

سیل کے بریگیڈ کے چلے جانے کے بعد کابل میں انگریزوں کی نفری کم ہو گئی تھی'

چنانچہ کابل میں قبائلی رہنما عبداللہ خان' امان اللہ خان اور زمان خان وغیرہ جمع ہوئے اور کابل کو فرنگیوں سے پاک کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ بغاوت کا آغاز برنس کے گھر پر حملے سے ہونا تھا' برنس نے ان رپورٹوں کو مسترد کردیا اور اس نے ولیم میکناٹن کو بھی اس سے آگاہ نہ کیا۔ وجہ یہ تھی کہ برنس میکناٹن کو بمبئی کا گورنر نامزد ہونے پر مبارکباد دے چکا تھا اور اگر وہ اسے اس بری صورت حال سے آگاہ کرتا تو وہ اپنی واپسی ملتوی کردیتا جس سے سفیر کے عہدے پر برنس کی سرفرازی میں تاخیر ہوتی جبکہ میکناٹن خود بھی اپنی واپسی چندروز ملتوی کرنا چاہتا تھا' تاکہ غلزئیوں کا قضیہ وہ خود حل کر کے جائے اور اس کا سہرا برنس کے سر نہ بندھے۔

2 نومبر 1841ء کی صبح افغانیوں کے ایک ہجوم نے ریذیڈنسی کا محاصرہ کرلیا۔ قریب ہی پے ماسٹر کیپٹن جانسن کا گھر تھا' جو سہولت کے لیے خزانہ گھر پر ہی رکھا کرتا تھا۔ جانسن کے گھر سے ہجوم پر فائرنگ ہوئی۔ برنس نے بالکنی میں آکر لوگوں کے ساتھ دلائل کے تبادلے کی ناکام کوشش کی۔ آخرکار مشتعل ہجوم نے برنس اور جانسن کے گھروں پر موجود تمام لوگوں کو ہلاک کردیا' جانسن کے گھر سے سترہ ہزار پاؤنڈ لوٹ لیے گئے۔ کنٹونمنٹ یہاں سے سوفٹ سے بھی کم فاصلے پر تھی لیکن وہاں سے ریذیڈنسی کو بچانے کی کوئی کوشش نہ کی گئی۔ شاہ شجاع نے بالا حصار سے ایک دستہ ولیم کیمبل کی کمان میں بھیجا جس کے پاس توپیں بھی تھیں لیکن یہ رہائشی علاقہ تھا۔ اردگرد سڑکیں' گلیاں اور مکانات' ہر طرف سے مسلح لوگ اُمڈ پڑے' کیمبل کو توپیں چھوڑ کر بالا حصار میں پناہ لینا پڑی۔ یہ افغانوں کی بغاوت کا کامیاب آغاز تھا۔

شمال کی طرف سے ہزاروں کوہستانی گھڑسوار آپہنچے اور چھاؤنی کا محاصرہ کرلیا۔ چھاؤنی کی تعمیر کے دوران جو فاش غلطیاں کی گئی تھیں اس کی قیمت چکانا پڑی۔ اطراف میں واقع بلند پہاڑوں پر باغی قابض تھے اور چھاؤنی میں ہونے والی ہر نقل وحرکت کی نگرانی کررہے تھے اور چھاؤنی پر گولیاں بھی داغ رہے تھے۔ کسری (خوراک کی فراہمی کا مرکز) چھاؤنی کی دیوار سے باہر 400 گز کے فاصلے پر تھے۔ کسری اور چھاؤنی کے درمیان محمد شریف خان کا قلعہ واقع تھا۔ کسری کے تحفظ کے لیے قلعے پر قبضے کا فیصلہ کیا گیا لیکن عملدرآمد میں اس قدر تاخیر کی گئی کہ جب سپاہی قلعے پر قبضے کے لیے چھاؤنی سے نکل رہے تھے اس وقت کسری میں تعینات لیفٹیننٹ وارن اور اس کے سپاہی کسری کے گرد گھیرا ڈالے افغانوں کو چکمہ دے کر بھاگ نکلے تھے اور چھاؤنی میں داخل ہورہے تھے۔ یوں برطانوی اپنی خوراک اور ادویات کے ذخیرے سے محروم ہوگئے اور

Scanned by CamScanner

وہ ہزاروں افغانوں کو اپنا آخری راشن اُٹھا کر لے جاتے ہوئے بے بسی کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ شاہ شجاع نے بالا حصار کے برج سے یہ منظر دیکھ کر کہا: ''انگریز بلاشبہ پاگل ہیں۔'' گودام میں دیگر اجناس اور روغنیات کے علاوہ آٹھ ہزار من گندم کا آٹا موجود تھا۔

چاریکار میں میر مسجدی نے جو اکتوبر میں ہی اعلانِ بغاوت کر چکا تھا' برطانوی چوکی پر حملہ کر دیا' متعدد گورکھا فوجی اور ایک انگریز آفیسر مارے گئے' انچارج ایلڈر پوٹنگر اور لیفٹیننٹ ہاؤٹن بھاگ کر 15 نومبر کو زخمی حالت میں کابل چھاؤنی پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔

ولیم میکناٹن نے ایک ایلچی قندھار جنرل نوٹ کی طرف بھیجا کہ وہ فوراً اپنا بریگیڈ لے کر کابل پہنچے۔ درۂ گنڈامک میں موجود جنرل سیل کو کئی پیغامات بھیجے گئے کہ وہ فوراً کابل لوٹ آئے۔ سیل کے بریگیڈ میں اس وقت سینکڑوں زخمی موجود تھے اور دروں میں سے گزر کر مزید سینکڑوں افراد کو ہلاک اور گھائل کروا کر محض مرنے کے لیے کابل پہنچنا کوئی دانشمندی نہ تھی۔ سیل کی شہرت ایک اچھے لڑاکا کی تھی اور وہ ''فائٹنگ باب'' کے نام سے مشہور تھا' لیکن فائٹنگ باب نے فائٹ کے بجائے جلال آباد کی طرف پسپا ہونے کو ترجیح دی' حالانکہ اسے چاہیے تھا کہ گنڈامک میں موجود رہتا اور عقب سے غلزئیوں کے لیے خطرہ بنا رہتا۔

آئندہ کی پالیسی وضع کرنے کے لیے چھاؤنی میں ایک اجلاس ہوا۔ ایک رائے یہ تھی کہ چھاؤنی خالی کر دی جائے اور موسم سرما بالا حصار میں گزارا جائے۔ کرنل شلٹن نے جو ایک ہفتہ بالا حصار میں گزار کر آیا تھا اس کی شدید مخالفت کی۔ وہ شاہ کے بارے میں شبہات کا شکار تھا اور اس کے خیال میں بالا حصار میں جانا شاہ کا یرغمالی بننا ہے۔ اس کی رائے تھی کہ ہندوستان واپس چلے جانا چاہیے۔ ولیم میکناٹن خود بھی بالا حصار جانے کے حق میں نہ تھا' لیکن وہ ہندوستان بھی واپس نہ جانا چاہتا تھا۔

اس کی رائے تھی کہ موسم سرما چھاؤنی میں گزارا جا سکتا ہے' اس دوران قندھار' جلال آباد اور یقیناً ہندوستان سے بھی کمک آ پہنچے گی اور پھر جاہ طلب افغان سرداروں کے درمیان پھوٹ ڈالی جا سکتی ہے کچھ کو یقیناً خریدا بھی جا سکتا ہے۔

باغیوں نے ایک قریبی پہاڑی پر دو توپیں نصب کر کے چھاؤنی پر ٹھیک ٹھیک نشانے لگانا شروع کیے۔ برطانوی سواروں نے انتہائی جرأت کا ثبوت دیتے ہوئے ایک خونی معرکے کے بعد ایک توپ پر قبضہ کر لیا اور دوسری کو ناکارہ بنا دیا۔ انہوں نے باغیوں کے زیر قبضہ ایک چھوٹا

Scanned by CamScanner

قلعہ بھی ان سے خالی کرا لیا۔

سیل بحفاظت جلال آباد پہنچ گیا اور قلعہ بندیوں میں مصروف ہوگیا۔ نوٹ نے پیغام ملنے پر اپنا بریگیڈ کابل کی طرف روانہ کیا۔ رخصت کرتے وقت اس نے ایک افسر سے کہا ''میری ذاتی رائے یہ ہے کہ میں تم سب کو بربادی کی طرف بھیج رہا ہوں۔''

چھاؤنی میں سولہ ہزار افراد موجود تھے' کمسری کے لٹ جانے کے بعد راشن کی قلت تھی لیکن اردگرد کے دیہات سے اشیائے خوردونوش خریدی جا رہی تھیں۔ لیکن 22 نومبر کو یہ دیہات باغیوں کے قبضے میں چلے گئے۔ اسی روز دوست محمد خان کا بیٹا اکبر خان چھ ہزار سواروں کے ساتھ کابل میں داخل ہوا۔ دوسرے روز چھاؤنی سے 17 کمپنیاں بشمول انفنٹری' کیولری اور آرٹلری دیہات پر قبضے کے لیے روانہ ہوئیں لیکن اطراف کی پہاڑیوں سے ہزارہا گھڑ سوار سیلاب کی مانند اُترنے لگے اور ایک درّے سے غازیوں کا ایک جتھہ چھلاوں کی طرح نمودار ہوا اور یہ برطانویوں پر ٹوٹ پڑا۔ فوجی ایک توپ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس مرحلے پر باغیوں کا ایک بڑا رہنما عبداللہ خان شدید زخمی ہوگیا۔ افغان اسے اُٹھا کر واپس بھاگے۔ برطانویوں نے پلٹ کر پہاڑی اور توپ دوبارہ حاصل کر لیں لیکن ایک بار پھر غازیوں نے فوج کے عقب سے نمودار ہو کر ان پر ہلہ بول دیا' چنانچہ فوج پھر چھاؤنی کو بھاگی۔ افغان گھڑ سوار اس کے تعاقب میں تھے اور اگر اس وقت ایک افغان سردار عثمان خان انہیں واپس نہ بلا لیتا تو چھاؤنی سقوط کر جاتی۔ لیڈی فلورنشیا سیل نے' جو اپنے گھر کی چھت سے یہ منظر دیکھ رہی تھیں' اپنی ڈائری میں لکھا: ''آج کابل کی تقدیر کا فیصلہ ہوگیا۔''

لیڈی سیل کی ڈائری کے مندرجات نہ صرف جنگ کا آنکھوں دیکھا حال ہیں بلکہ اس ذہین خاتون کے تبصرے بھی خاصے دلچسپ بلکہ فکر انگیز ہیں۔ انہوں نے لکھا:

''افغان سپاہی ایک بھی گولہ یا گولی ضائع نہیں کرتے جبکہ ہمارے سپاہی اندھا دُھند بارود پھونکتے ہیں۔''

''میں نے سنا تھا کہ افغان بزدل ہوتے ہیں... میں نے انہیں لڑتے دیکھا ہے... برطانیہ میں مہذب لوگ کہتے ہیں قتل کرنا ایک بزدلانہ فعل ہے' اس لحاظ سے افغان یقیناً بزدل ہیں۔''

''دشمن آگے بڑھا' وہ ہمارے آدمیوں کو یوں بھگا رہے تھے جیسے بھیڑوں کے ریوڑ کو

Scanned by CamScanner

بھیڑیے۔اس روز افغان سرداروں نے کئی برطانوی افسروں کی جان لینے کی طاقت کے باوجود جان بخشی کی۔''

اگلے روز افغان سرداروں نے میکناٹن کو ہتھیار ڈالنے کے لیے مذاکرات کی پیشکش کی' وہ رضامند ہوگیا۔افغان سرداروں کی تجویز تھی کہ برطانوی اپنے ہتھیار ان کے حوالے کر دیں اور خود کو جنگی قیدی تصور کریں۔میکناٹن کا جواب تھا کہ وہ اس ذلت پر موت کو ترجیح دیں گے۔آیندہ ہفتہ بھر تجاویز اور جوابی تجاویز زیر بحث رہیں۔افغان سرداروں کے درمیان حصول اقتدار کی سرد جنگ جاری تھی اور ولیم میکناٹن اس پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے۔موہن لال اسے مسلسل اطلاعات بھیج رہا تھا۔

دوست محمد خان کے چچا نواب زمان شاہ نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا تھا۔زمان شاہ اور اس کے حامی' اس کا بھتیجا عثمان خان اور قزلباش سردار شیریں خان اور محمد شریف برطانویوں کے لیے نرم گوشہ رکھتے تھے لہٰذا وہ دیگر سرداروں کے لیے قابل قبول نہ تھا۔

سابق شاہ کا پچیس سالہ باغی بیٹا اکبر خان بھی بادشاہت کا امیدوار تھا اور انگریزوں کے خلاف ایک نسبتاً طویل جدوجہد اور بغاوت اس کے حق میں جاتی تھی لیکن غلزئی اس کے حق میں نہ تھے۔خود اس کا والد دوست محمد اگرچہ شاہ شجاع کی نسبت بہتر امیدوار تھا' لیکن قبائلی سردار اسے خطرناک آدمی قرار دیتے تھے۔

اور پھر ملاؤں کی زیر قیادت ہزاروں غازی تھے' جنہیں اس بات سے کوئی غرض نہ تھی کہ بالا حصار کس کے قبضے میں آتا ہے' وہ تو بس فرنگی کافروں کا خاتمہ چاہتے تھے اور پھر وہ کسی سردار کے قابو میں بھی نہ تھے۔

5 دسمبر کو افغانوں نے چھاؤنی اور بالا حصار کے درمیان واقع دریائے کابل کے پل کو تباہ کر دیا اور یوں بالا حصار کی طرف پسپائی کے امکان کا خاتمہ ہوگیا۔

اگلے روز چھاؤنی سے محض دو سو گز دُور قلعہ محمد شریف میں موجود برطانوی فوجی قلعہ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ہوا یوں تھا کہ کچھ افغان لڑکے سیڑھیاں لگا کر قلعے کی کھڑکیوں میں سے جھانک رہے تھے۔برطانوی حواس باختہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔لیڈی سیل نے اپنی ڈائری میں لکھا:

''یہ شرمناک ترین فرار تھا' جو پیش آیا۔''

Scanned by CamScanner

از برائے خدا' میکناٹن کا قتل' کابل سے انخلاء' سفید برفوں میں سرخ موت

ولیم میکناٹن کی آخری امید جنرل نوٹ کا بریگیڈ تھا' لیکن 10 دسمبر کو اسے اطلاع ملی کہ وہ تو دو ہفتے قبل برفوں کی وجہ سے درّوں کو بند پا کر واپس لوٹ گیا ہے.....تم برفوں کو فتح نہ کر سکو گے اور جب وہ آئیں گی تو تم کابل میں رہ پاؤ گے نہ وہاں سے نکل سکو گے: میر محراب خان.....درۂ کابل خورد اور گنڈامک پر کئی فٹ برفیں پڑی تھیں۔ سیل جلال آباد کی گرم عافیت میں تھا... ہندوستان میں لارڈ آکلینڈ تذبذب میں تھا اور اس کے پاس بھی کمک روانہ نہ کرنے کی ایک وجہ موجود تھی.....برفیں.....تمام راستے برفوں کی وجہ سے بند ہوں گے' کمک بھیجنا بے معنی ہے.....

11 دسمبر کو میکناٹن نے فارسی میں ایک معاہدہ تحریر کیا اور چھاؤنی کے باہر سرداروں سے ملا۔ اٹھارہ نکاتی معاہدے میں کابل' غزنی اور قندھار سمیت تمام گیریژنوں کا انخلاء تسلیم کیا گیا تھا' معاہدے کی ایک شق یہ بھی تھی کہ برطانیہ اور افغانستان کے درمیان ہمیشہ دوستی رہے گی۔ افغان برطانیہ کی رضامندی کے بغیر کسی بیرونی قوت کے ساتھ اتحاد نہیں کریں گے (روس کا خوف Russophobia) جبکہ ہر مشکل میں انہیں برطانیہ کی مدد دستیاب ہوگی۔ سرداروں نے اس پر مثبت ردِعمل کا اظہار کیا۔ دو روز بعد بالاحصار میں موجود آخری برطانوی دستہ چھاؤنی واپس آ گیا۔ اکبر خان نے اس کی بحفاظت واپسی کی ذمہ داری لی تھی اور وہ ہزاروں غازیوں اور غلزئیوں کے نفرت بھرے مشتعل ہجوم میں سے انہیں بمشکل واپس لا سکا۔

معاہدے کی شرائط پر مزید بحث و تمحیص جاری تھی لیکن میکناٹن اب بھی افغانوں میں پھوٹ ڈالنے کی کوششوں میں مصروف تھا۔ منشی موہن لال اپنے تمام تر سازشی ہتھکنڈوں کے ساتھ میدانِ عمل میں موجود تھا۔ خود سفیر موصوف اکبر خان کو شکار بنانے کے لیے تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لائے ہوئے تھے۔ اس نے اکبر خان کو اپنی ذاتی خوبصورت بگھی' ایک شاندار عربی گھوڑا' پستول کے لیے قیمتی ہولسٹر اور دیگر تحائف دیئے اور اس کے شاندار مستقبل کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کیا اور ساتھ ہی خط میں اسے دیگر سرداروں سے محتاط رہنے کو کہا۔ جواباً اکبر خان نے اسے پیشکش کی کہ برطانویوں کو کابل چھوڑنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی بشرطیکہ اسے شاہ شجاع کا بااختیار وزیر بنا دیا جائے۔

بعد ازاں جب اکبر کو علم ہوا کہ اس قسم کے خطوط دیگر سرداروں کو بھی بھیجے گئے ہیں' جن

Scanned by CamScanner

میں انہیں اکبر سے ہوشیار رہنے کو کہا گیا ہے چنانچہ وہ بھڑک اُٹھا اور میکناٹن کو اسی کے دام میں شکار کرنے کا فیصلہ کیا۔ 22 دسمبر کو اکبر نے اس سے رابطہ کیا اور کہا کہ اگر میکناٹن اسے فوجی دستے فراہم کرے تو وہ ان کے بڑے دشمن امان اللہ خان کو ان کے حوالے کر سکتا ہے۔ اگلے روز میکناٹن کے گھر ایک اجلاس ہوا' جس میں کولن میکنزی' جارج لارنس اور رابرٹ ٹریور موجود تھے۔ میکنزی نے فوراً اس منصوبے پر عدم اطمینان کا اظہار کیا اور اسے ایک سازش قرار دیا لیکن میکناٹن اس سے متفق نہ تھا' اس نے 54 ویں اور چھٹی رجمنٹ کو آمادہ باش رہنے کو کہا۔

اسی روز دوپہر کو یہ چاروں افسر اکبر خان اور دوسرے سرداروں سے ملاقات کے لیے گئے جو ایک پہاڑی پر کمبل بچھا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ میکناٹن اکبر خان کے سامنے بیٹھا تھا' قہوہ لایا گیا' جب وہ قہوہ پی رہے تھے تو درجنوں غازی وہاں پہنچ گئے۔ میکناٹن نے ان کی موجودگی پر اعتراض کیا تو اکبر خان نے کہا کہ یہ سب اس راز میں ہمارے شریک ہیں۔ اس نے پوچھا کیا آپ گزشتہ رات والے منصوبے پر عملدر آمد کے لیے تیار ہیں؟ کیوں نہیں! میکناٹن نے جواب دیا۔

اکبر نے چلا کر کہا ''بگیر بگیر''۔ فوراً تینوں افسروں کو افغانوں نے جکڑ لیا جبکہ اکبر نے خود میکناٹن کو قابو کر لیا۔ مزاحمت کرنے پر رابرٹ ٹریور کو گولی مار دی گئی۔ اکبر خان میکناٹن کو یرغمال بنا کر رکھنا چاہتا تھا لیکن جب غازیوں نے چاقوؤں سے اس پر حملہ کیا تو اکبر نے پستول نکال کر خود اسے گولی مار دی اور یوں غازیوں میں شامل ہو گیا۔ ولیم میکناٹن کے آخری الفاظ تھے ''از برائے خدا'' یعنی خدا کے واسطے۔ میکناٹن اور ٹریور کی لاشوں کو گھسیٹتے ہوئے شہر لے جایا گیا۔ دو دن تک لاشیں بازار میں لٹکتی رہیں' پھر انہیں کنوئیں میں ڈال دیا گیا۔

(چشم فلک نے ڈیڑھ سو سال بعد پھر اس بازار میں ڈاکٹر نجیب اللہ کی لاش لٹکتی ہوئی دیکھی' وہ بھی غازیوں کے ہاتھوں' جو اب غازی نہیں طالبان کہلاتے تھے)۔

6 جنوری کو کابل گیریژن کا انخلاء عمل میں آیا۔ برطانوی فوجیوں نے ابھی چھاؤنی سے نکل کر جلال آباد کے راستے پر قدم رکھا ہی تھا کہ افغانوں نے چھاؤنی کو لوٹنا اور آتش زنی شروع کر دی۔ کارواں کے عقب میں چلنے والے پچاس افراد پیچھے سے آنے والی گولیوں کا شکار ہو گئے۔ کئی ہندوستانی سویلین ملازمین نے اسباب پھینک کر منتشر ہونا شروع کر دیا اور وہ بعد میں برفوں کی نذر ہو گئے۔ دن بھر میں کارواں صرف پانچ میل کا سفر طے کر سکا' رات کھلے آسمان تلے

Scanned by CamScanner

نقطۂ انجماد سے کم درجہ حرارت اور برفانی ہواؤں میں گزاری گئی۔ دوسرے روز کالم نے چلنا شروع کیا' نظم وضبط بہت کمزور اور ڈھیلا ہو گیا تھا' کئی فوجی ہتھیار چھوڑ کر اپنے بیوی بچوں کے ساتھ چلنے لگے تھے' کئی ہندوستانی پھر کارواں چھوڑ کر برفوں میں منتشر ہو گئے۔ افغان گھڑسواروں کا دستہ جو معاہدے کے مطابق حفاظت اور رہنمائی کے لیے کارواں کے ساتھ چل رہا تھا' اچانک لوٹ مار پر اُتر آیا۔ اگرچہ برطانوی دستے کے پاس توپیں بھی تھیں لیکن جب تک وہ پوزیشن سنبھالتے افغان بہت کچھ لوٹ کر غائب ہو گئے۔ افغان تسلسل کے ساتھ عقبی محافظوں پر حملے کرتے رہے۔ آخر کرنل شلٹن کو پہاڑیوں پر توپیں نصب کر کے کارواں کو گزارنا پڑا۔ اکبر خان نے چھ سو سواروں کے ساتھ آ کر کارواں کو روک دیا اور کہا کہ جب تک سیل جلال آباد خالی نہیں کر دیتا وہ کارواں کو آگے نہیں جانے دے گا۔ اس نے چھ یرغمالیوں کا بھی مطالبہ کیا۔

8 جنوری کو نواب زمان خان کی مداخلت پر کارواں نے پھر اپنا سفر شروع کیا۔ اب غلزئیوں نے انہیں گھیر لیا' ایک جھڑپ کے بعد غلزئی تتر بتر ہو گئے' لیکن وہ اردگرد کی پہاڑیوں سے فائرنگ کرتے رہے اور برفوں کو انگریزوں اور ہندوستانیوں کے خون سے سرخ کرتے رہے۔ اکبر خان دوبارہ نمودار ہوا' اس نے پیشکش کی کہ وہ چند یرغمالیوں کے بدلے غلزئیوں کو فائرنگ بند کرنے پر آمادہ کر سکتا ہے۔ جارج لارنس' کولن میکنزی اور ایلڈر پوٹنگر کو اس کے حوالے کر دیا گیا۔ کارواں کابل خورد درّے میں داخل ہوا جس کی برف پوش چٹانی دیواروں پر ہزاروں غلزئی موجود تھے۔ اکبر خان کے گھڑسواروں نے انہیں ہٹانے کی کوشش کی لیکن بے سود۔ انہوں نے کارواں پر فائرنگ جاری رکھی۔ ایک گولی لیڈی فلورنشیا سیل کی کلائی میں لگی اور خوبصورت سطریں تحریر کرنے والی انگلیاں کافی عرصے کے لیے قلم تھامنے سے محروم ہو گئیں۔ درّہ عبور کرنے کے بعد کابل خورد گاؤں میں کیمپ لگایا گیا تو تین ہزار افراد کم تھے۔ 500 سپاہی اور 2500 سویلین جن کی لاشیں درّے کی برفوں میں بکھری پڑی تھیں۔ ظاہر ہے ان میں زخمی بھی ہوں گے لیکن یہ بات طے تھی کہ وہ اگلی صبح کا سورج نہیں دیکھ پائیں گے' زخم سنگین اور جان لیوا نہ بھی ہوں تب بھی..... کیا وہ برف سے مقابلہ کر پائیں گے۔

اگلے روز اکبر خان کا ایک قاصد یہ تجویز لے کر آیا کہ اگر تمام برطانوی خاندانوں کو اس کے سپرد کر دیا جائے تو وہ انہیں بحفاظت پشاور پہنچانے کی ذمہ داری لیتا ہے۔ ایسی ہی تجویز کو کابل میں نامعقول قرار دے کر مسترد کر دیا گیا تھا لیکن برفانی درّوں کے مرگ سایوں میں اسے عمدہ تجویز

Scanned by CamScanner

قرار دیا گیا اور تمام برطانوی خواتین' بچوں اور شادی شدہ مردوں کو اکبرخان کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا۔ باقی فوج معمول کی خستہ حالی کے عالم میں روانہ ہوئی۔ درّہ تنگی میں افغان منتظر تھے۔ اس درّے نے تین سے چار ہزار جانوں کی قربانی لی۔ آگے ایک اور خون آشام درّہ 'ہفت کوتل' منہ پھاڑے ان کا منتظر تھا۔ جہاں ان کی تعداد ''معقول'' حد تک مزید کم ہوگئی۔ باقی ماندگانِ ہفت کوتل ''تازین'' پہنچے جہاں غلزئیوں کو چکمہ دینے کے لیے رات کی تاریکی میں 'جگدالک'' کی طرف مارچ کیا گیا' لیکن شوروغوغا کرتے ہوئے سویلین اور چاندنی رات نے انہیں غلزئیوں کے لیے آسان شکار بنا دیا۔ سورج طلوع ہوا تو جگدالک ابھی دس میل دُور تھا۔ کیپٹن سکنر نے اکبرخان کے ساتھ رابطہ کیا جو موت کے فرشتے کی طرح ان کے تعاقب میں تھا۔ اکبرخان نے ایلفنسٹن' جانسن اور شیلٹن کو مذاکرات کے لیے بلایا' انہیں خوش آمدید کہا' کھانا پیش کیا' چائے پلائی اور پھر انہیں بتایا کہ وہ اس کے یرغمالی ہیں' کس قدر خوش قسمت تھے یہ لوگ' لیکن کیپٹن سکنر بدقسمت ثابت ہوا' وہ صورتحال کا جائزہ لینے اکبرخان کے کیمپ میں آیا تو اسے گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔

درّہ جگدالک میں کئی برطانوی آفیسر اور سپاہی اپنی جانیں کھو بیٹھے' جو باقی بچے وہ رات کی تاریکی میں گنڈامک پہنچ گئے۔ یہاں مقامی قبائل ''کافروں'' کے خاتمے کے ثواب میں اپنا حصہ لینے آ پہنچے' دست بدست لڑائی بھی ہوئی۔ ایک لیفٹیننٹ سولٹر مقدر کا سکندر ثابت ہوا اور قیدی بنا' باقی سب موت کے گھاٹ اُتر گئے۔ یوں کابل گیریژن کا خاتمہ ہوگیا' لیکن لشکر کی ایک نشانی جلال آباد پہنچی۔ جگدالک درّے میں کوارٹر ماسٹر جنرل کیپٹن بیلو نے چلا کر گھڑسواروں سے کہا تھا کہ وہ منتشر ہو کر اپنی جانیں بچائیں۔ ان سواروں میں ایک اسسٹنٹ سرجن ڈاکٹر ولیم برائیڈن تھا۔ صرف ایک روز قبل تک وہ پاپیادہ تھا' ایک سپاہی نے اسے اپنا گھوڑا پیش کیا لیکن اس نے یہ پیشکش شکریے کے ساتھ ٹھکرائی۔ عین اسی وقت سپاہی کو گولی لگی اور وہ گر کر مر گیا۔ اب ڈاکٹر برائیڈن نے مرحوم کی پیشکش سے فائدہ اٹھایا اور گھوڑے پر سوار ہوگیا۔ ایک درجن سوار پہاڑوں میں سرگرداں رہے۔ راستے میں وہ ایک چھوٹے سے خاموش گاؤں میں مدد لینے گئے' لیکن کچھ ہی دیر میں سرخ پرچم بردار افغان سواروں نے انہیں گھیر لیا۔ برائیڈن اور چار دوسرے افراد زندہ بچے' تین افراد کے گھوڑے اچھی نسل کے تھے' وہ بہت تیز رفتاری سے آگے نکل گئے اور پھر ان کی کوئی خبر نہ آئی۔

برائیڈن کا واحد ساتھی لیفٹیننٹ سٹیئر زخمی تھا' اس نے چھپنے کے لیے ایک غار کا رُخ

Scanned by CamScanner

کیا۔ برائیڈن جلال آباد کی سمت گھوڑا دوڑاتا رہا۔ برائیڈن کا راستہ غیر مسلح چرواہوں نے روکا اور اسے پتھر مارے لیکن وہ اپنی تلوار لہراتا ہوا وہاں سے نکل گیا۔ آگے ایک گروہ مسلح افراد کا راستے میں حائل ہوا اس کا گھوڑا زخمی ہوا اور ایک گولی تلوار پر لگی جو اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ ایک افغان نے تلوار سے اس پر حملہ کیا' برائیڈن اپنی جان بچانے اور گھوڑے کی لگام پکڑنے کے لیے جھکا جو اس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی' افغانوں نے سمجھا شاید وہ پستول نکال رہا ہے چنانچہ وہ پیچھے ہٹ گئے' زخمی گھوڑا اسے لے کر سرپٹ دوڑتا رہا۔ اس کے دن باقی تھے' وہ جلال آباد پہنچ گیا اور وہاں پہنچتے ہی اس کا گھوڑا گر کر مر گیا۔ زخمی ڈاکٹر کو ہسپتال پہنچایا گیا۔ اس کے وہاں پہنچنے پر دیگر متوقع آنے والوں کی رہنمائی کے لیے بگل بجائے گئے اور روشنی کے گولے فائر کیے گئے۔ کئی روز گزرنے کے بعد جلال آباد گیریژن کو احساس ہوا کہ اب یہاں کوئی نہیں..... کوئی نہیں آئے گا۔ آخری آنے والا آچکا..... صرف برائیڈن ہی 16 ہزار کے لشکر میں سے زندہ بچا تھا۔

اگرچہ شاہ شجاع کو تخت پر بٹھانے اور برقرار رکھنے والے کابل میں نہ رہے تھے' لیکن شاہ شجاع اب بھی بادشاہ تھا اور بدستور بالاحصار میں جما ہوا تھا اور اس میں اس کی ذاتی لیاقت یا طاقت کو کوئی دخل نہ تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ بادشاہت کے تینوں بڑے امیدوار اکبر خان' زمان شاہ اور امان اللہ خان ایک دوسرے کو برداشت کرنے پر آمادہ نہیں تھے اور کوئی بھی دوسرے کے حق میں دستبردار ہونے کے لیے تیار نہ تھا' چنانچہ شاہ شجاع زندہ باد۔ اکبر خان جو کابل گیریژن کے انخلاء اور درّوں میں اس کے شکار کی کلغی اپنی دستار میں لگا چکا تھا' اب فاتح جلال آباد بھی کہلوانا چاہتا تھا اور اس نے جلال آباد کے محاصرے کی کمان سنبھال رکھی تھی۔ اپنی نجی محفلوں میں وہ درّہ خیبر پار کرنے بلکہ دریائے سندھ کے پار دلی تک کی فتوحات کی باتیں کرتا تھا۔

شاہ شجاع نے جنرل سیل کو جلال آباد خالی کرنے کا حکم نامہ بھیجا لیکن برطانوی افسر کابل گیریژن جیسے انجام سے ہمکنار ہونا نہ چاہتے تھے لہٰذا انہوں نے جلال آباد میں ڈٹے رہنے کا فیصلہ کیا۔ شاہ نے جنرل نوٹ کو بھی قندھار خالی کرنے کے احکامات جاری کیے لیکن اس نے نہ صرف ان احکامات کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا بلکہ ''دریائے اور غنداب'' تک پیش قدمی کر کے شاہ کے بیٹے صفدر جنگ کی قیادت میں آنے والے لشکر کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا اور فتح کی علامت کے طور پر ایک گاؤں کو ملیامیٹ کر دیا۔ غزنی کے محصور گیریژن نے مارچ میں ہتھیار ڈال دیے تھے لیکن معاہدے کے مطابق انہیں پشاور تک بحفاظت واپسی کا راستہ دینے کے بجائے سپاہیوں کا

Scanned by CamScanner

قتل عام کیا گیا اور کمانڈر کرنل پامر اور نو دیگر برطانوی افسروں کو قیدی بنا لیا گیا۔ میجر لیچ کو قلات غلزئی چھوڑ کر پسپا ہونا پڑا۔

مارچ میں میرزا احمد کی کمان میں ہزاروں دڑانیوں اور غازیوں نے قندھار پر ہلہ بول دیا اور ہراتی دروازے کو نذر آتش کر کے شہر میں داخلے کا راستہ بنا لیا' لیکن انگریزوں کی ماہرانہ توپ اندازی نے انہیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیا 600 افغان کھیت رہے۔

قندھار کو رسد لے جانے والے قافلے کو قبائلیوں نے درّۂ خوجک سے واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا اور بریگیڈیئر انگلینڈ نے جنرل نوٹ کو قندھار خالی کر کے کوئٹہ واپس آنے کا پیغام بھجوایا۔ جلال آباد کو کمک لے جانے والے بریگیڈیئر والڈ کو بھی درّۂ خیبر میں پسپائی کا سامنا کرنا پڑا اور علی مسجد میں ایک برطانوی قلعہ بھی آفریدیوں کے قبضے میں چلا گیا۔

لارڈ آکلینڈ کو واپس برطانیہ طلب کر لیا گیا تھا اور اس کا جانشین لارڈ ایلن برو کلکتہ کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ لارڈ آکلینڈ نے پشاور اور کوئٹہ کی طرف مزید افواج بھجوانے کا حکم جاری کر دیا۔ اس نے ایک پیشہ ور سپاہی میجر جنرل جارج پولک کو پشاور میں موجود افواج کا سربراہ مقرر کیا۔ لارڈ ایلن برو 28 فروری کو کلکتہ پہنچا' ایک بڑا چیلنج اس کے سامنے تھا۔ کیا مزید افواج افغانستان بھیج کر کابل جیسے انجام سے ہمکنار ہونا دانشمندی ہو گی؟ اور وہ بھی ایک ایسی سرزمین پر جہاں سے نہ کوئی ریونیو وصول ہوتا ہے اور نہ کوئی اور منافع اور مفادات ہیں۔ چنانچہ وہ حقائق کو چھپانے اور برطانوی شکست کو باعزت پسپائی قرار دینے اور سنگین واقعات کو خفیف بنا کر پیش کرنے کی کوشش میں مصروف ہو گیا' لیکن وزیراعظم بینجمن ڈزرائیلی کی رائے اس کے بالکل برعکس تھی۔ اس نے گورنر جنرل کو لکھا کہ ہمارے لیے سب سے اہم مشرق میں اپنے وقار کی بحالی کی ہے۔ ہمارے دشمن فرانس' امریکہ اور روس ہماری مصیبتوں پر بغلیں بجا رہے ہیں۔ ہمیں انہیں بتانا ہو گا کہ ان کا جشن مسرت قبل از وقت تھا۔ 11 مارچ کو جلال آباد کے محصور گیریژن نے ایک غیر متوقع دلیرانہ اقدام کر ڈالا۔ کرنل ڈینی نے آٹھ سو جوانوں کے ساتھ قلعے سے نکل کر اکبر خان کی فوج پر حملہ کر دیا' جس کا خاصا جانی نقصان ہوا۔ اکبر خان خود بھی زخمی ہو گیا۔ اس کے ساتھیوں نے فرار ہو کر کابل کا رُخ کیا۔

انہی دنوں شاہ شجاع نے بھی ایک غیر متوقع اقدام کا فیصلہ کیا۔ اس نے عوامی مقبولیت اور حمایت حاصل کرنے کے لیے خود جلال آباد پر قابض فرنگیوں کے خلاف جہاد کی قیادت کرنے کا

Scanned by CamScanner

فیصلہ کیا۔ 5 اپریل کو وہ لاؤ لشکر کے ساتھ بالا حصار سے روانہ ہوا اور قلعے کے دروازے پر ہی اپنے منہ بولے اور نواب محمد زمان کے حقیقی بیٹے شجاع الدولہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ شاہ کے بیٹے فتح جنگ کو تخت پر بٹھایا گیا اور اسے توپوں کی سلامی دی گئی' لیکن جلال آباد کی طرف جانے والی افغان فوج کابل میں رُک گئی' دوسری طرف برطانوی افواج نے اپنی پیش قدمی کا آغاز کیا۔

جنرل پولک نے شاندار جنگی حکمت عملی کے ساتھ خیبر عبور کر لیا۔ فوج کے دو کالموں نے درّے کے اطراف چوٹیوں کو دشمنوں سے پاک کیا اور مرکزی کالم نے درّہ عبور کیا۔ یوں صدیوں بعد یہ پہلا کارواں تھا' جس نے آفریدیوں کو بھتہ دینے کے بجائے بزور بازو خیبر عبور کیا تھا۔

7 اپریل کو جلال آباد گیریژن نے ایک بار پھر افغان کیمپ پر بھرپور حملہ کیا' دونوں طرف سے توپ خانہ حرکت میں آیا۔ صفیں ایک دوسرے سے ٹکرائیں' نتیجہ سیل کے دس سپاہی ہلاک اور 35 زخمی' افغان لشکر کا مکمل صفایا' الفنسٹن سے چھینی گئی چار توپیں بھی واپس لے لی گئیں۔

16 اپریل کو جنرل پولک کی فوج بھی جلال آباد پہنچ گئی۔

ادھر قندھار میں جنرل نوٹ کو بریگیڈیئر انگلینڈ کی کوئٹہ پسپائی کی تجویز موصول ہوئی تو اس نے جواباً پیغام بھیجا کہ تم خوجک پاس کے آغاز پر پہنچ جاؤ' میں خود تمہیں لینے آ رہا ہوں..... اور وہ قبائلیوں کی تمام رکاوٹوں کو تہس نہس کرتا ہوا گیا اور انگلینڈ کی فوج اور کمک کو لے کر قندھار واپس آ گیا۔ ان دونوں فتوحات کی ہندوستان اور دنیا بھر میں تشہیر کی گئی۔ لارڈ ایلن بورو کے خیال میں ان فتوحات سے برطانیہ کا وقار بحال ہو چکا ہے لہٰذا اب برطانوی فوجوں کو افغانستان سے واپس آ جانا چاہئے۔ اس نے قندھار اور جلال آباد کو واپسی کے احکام بھیجے۔

پولک نے جوابی خط میں لکھا کہ اس کے پاس واپسی کے لیے مطلوبہ سواریاں نہیں اور پھر آگے گرمیاں آ رہی ہیں' جلال آباد کا موسم پشاور کی نسبت زیادہ خوشگوار ہوتا ہے۔

قندھار سے نوٹ کا جواب بھی اس قسم کا تھا کہ واپسی کے لیے موزوں موسم خزاں ہے' گرمیوں میں تو واپسی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

گورنر جنرل نے ایک بار پھر افواج کو واپسی کے لیے لکھا۔ جنرل نوٹ نے لکھا کہ واپسی کے لیے خوجک اور بولان کا راستہ غیر موزوں ہے۔ موزوں راستہ قندھار' غزنی' کابل' جلال آباد اور پشاور کا ہے۔ جنرل پولک نے اپنے حکام بالا کو بتایا کہ وہ نوٹ کا کابل میں استقبال کرے گا اور اسے بحفاظت جگد الک اور گنڈامک درّے عبور کرنے میں مدد دے کر

Scanned by CamScanner

بے حد خوشی محسوس کرے گا۔

کابل کے حالات دگرگوں تھے۔ اکبر خان، فتح جنگ، زمان شاہ، امان اللہ خان، محمد زمان خان اور امین اللہ تمام سردار ایک دوسرے کے مخالف تھے۔ روز نئے اتحاد بنتے اور ٹوٹتے تھے۔ غلزئی اور قزلباش اکبر خان کے خلاف متحد ہو گئے تھے۔ اکبر خان نے بادشاہ فتح جنگ کا خزانہ لوٹ لیا تھا۔

جنگی سرداروں نے عوام پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا اور وہ انگریزوں کے دورِ امن کو یاد کرنے لگے تھے۔ 12 اگست کو جنرل نوٹ چھ ہزار لشکر کے ساتھ قندھار سے کابل کو روانہ ہوا۔ پولک کو یہ خبر ملی تو وہ بھی آٹھ ہزار فوج کے ساتھ جلال آباد سے کابل کی طرف چل پڑا۔

نوٹ نے 160 میل بغیر کسی مزاحمت کے پیش قدمی کی تھی لیکن اب غلزئی آڑے آنے لگے۔ 28 اگست کو ایک پہاڑی پر واقع گاؤں سے انگریز فوج پر گولیاں چلائی گئیں۔ انہوں نے گاؤں کو گھیر لیا اور گاؤں میں موجود تمام دو سو مردوں کو ہلاک کر دیا۔ 5 ستمبر کو فوج غزنی پہنچی، جہاں ہزاروں افغان فوجی اور غازی موجود تھے، لیکن فوج کے پہنچتے ہی وہ منتشر ہو گئے۔ آج تک یہ افغان روایت باقی ہے کہ وہ کبھی صفیں بنا کر منظم جنگ نہیں لڑتے۔ صرف گوریلا جنگ لڑتے ہیں اور جب طاقتور دشمن کا سامنا ہو تو پہاڑوں میں غائب ہو جاتے ہیں۔ ہاں ایک دوسرے کے خلاف جم کر لڑتے ہیں۔ گورنر جنرل کی ہدایات کے مطابق سلطان محمود غزنوی کے مزار کے دروازے انجینئروں نے احتیاط کے ساتھ اکھاڑ لیے۔ کہا گیا تھا کہ یہ سومناتھ مندر کے دروازے تھے۔ 17 ستمبر کو جب نوٹ کابل پہنچا تو بالا حصار پر یونین جیک لہرا تھا۔

پولک اس سے پہلے پہنچ چکا تھا۔ پولک کی فوج 20 اگست کو جلال آباد سے چلی تھی، گنڈامک میں اس نے غلزئیوں کی سرکوبی کی، گنڈامک میں ہی بادشاہ فتح جنگ کابل سے بھاگ کر پولک کے کیمپ میں آ گیا۔ اس سے قبل وہ پولک کو کابل کی طرف جلد پیش قدمی کرنے کے لیے متعدد خطوط خفیہ طور پر بھجوا چکا تھا۔ 8 ستمبر کو فوج جگدالک پہنچی جہاں ہزاروں غلزئی موجود تھے لیکن پولک کے توپ خانے کے سامنے کوئی نہ ٹھہر سکا۔ تازین کی وادی میں اکبر خان سولہ ہزار کے لشکر کے ساتھ موجود تھا، لیکن پہلے برطانوی توپوں اور پھر گورکھا رائفلوں اور سنگینوں نے اکبر کی فوج کے سامنے راہِ فرار کے علاوہ اور کوئی راستہ باقی نہ چھوڑا۔ اکبر خان کوہستان کی طرف بھاگ گیا۔ اس کے بیشتر لشکری اور تمام تر غازی اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ (جیسا کہ حالیہ امریکی حملے کے

Scanned by CamScanner

دوران ہوا۔ جب تمام تر طالبان سیاہ پگڑیاں اُتار کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔) پولک 15 ستمبر کو کابل میں داخل ہوا' جہاں مزاحمت کے کوئی آثار باقی نہ تھے۔

اگلے روز کیپٹن رچمنڈ شیکسپیر بامیان روانہ ہوا جہاں برطانوی یرغمالیوں کو رکھا گیا تھا۔ منشی موہن لال نے یرغمالیوں کے نگران صالح محمد کو معقول مشاہرے اور پنشن کے عوض یرغمالیوں کی رہائی پر پہلے ہی آمادہ کرلیا تھا۔ آیندہ چند ہفتوں میں کوہستان کے مختلف علاقوں میں انتقامی کارروائیوں کے لیے دستے بھجوائے گئے۔ چاریکار اور اِردگرد کے دیہات میں جہاں جہاں الفنسٹن کے لشکر سے لوٹی گئی اشیاء پائی گئیں' انتہائی بے رحمی کے ساتھ کچلا گیا اور لوگوں کو سخت سزائیں دی گئیں۔ خوبصورت قصبے استالیف میں قتل عام کیا گیا اور اسے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا۔

جنرل پولک کی خواہش تھی کہ انخلاء سے قبل وہ کابل میں عبرت کی کوئی علامت چھوڑ جائے۔ ایک انتخاب تو قلعہ بالا حصار تھا' جہاں بادشاہ کی رہائش ہوا کرتی تھی' لیکن مستقبل کے بادشاہ سے اچھے تعلقات کی امید پر اسے سلامت چھوڑ دیا گیا۔ البتہ کابل کے مرکزی بازار کو جو صدیوں سے وسط ایشیا سے تجارت کے لیے آنے والے قافلوں کی قیام گاہ اور ایک بڑا تجارتی مرکز تھا' تباہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور پھر یہاں میکناٹن کی لاش کی نمائش بھی تو کی گئی تھی۔ چنانچہ مرکزی بازار کو لوٹنے کے بعد زمین کے برابر ہموار کر دیا گیا۔

25 اکتوبر کو برطانوی افواج کابل سے نکل گئیں اور جب برطانوی لشکر درّۂ خیبر سے نکل رہا تھا ایک چھوٹا سا لشکر درّے میں داخل ہو رہا تھا۔ یہ امیر دوست محمد اور اس کے ہمراہی تھے' جنہیں لارڈ ایلن برونے واپس بھیج دیا تھا۔ دوست محمد خان نے بآسانی کابل پر قبضہ کرلیا۔ اکبر خان کو وزیر مقرر کیا گیا' لیکن 1845ء میں وہ 29 سال کی عمر میں اچانک وفات پا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے والد نے اسے زہر دے دیا تھا۔ دوست محمد نے افغانی ترکستان' بامیان اور قندھار بھی فتح کر لیے۔ 1855ء میں وہ برطانیہ کے ساتھ دوستی کے معاہدے پر دستخط کر چکا تھا۔ برطانیہ نے 1863ء میں ہرات ایرانیوں سے واپس لینے کی مہم میں دوست محمد کی مدد بھی کی۔

☆☆☆☆

Scanned by CamScanner

دوسری اور تیسری افغان جنگیں

افغانستان میں اپنی آتشِ انتقام سرد کرنے کے بعد انگریزوں نے بلوچستان' سندھ اور پنجاب پر ناجائز قبضے کیے۔ پنجاب پر قبضے کی ایک جنگ میں جنگ افغانستان کے دو بڑے کردار سر رابرٹ سیل اور جارج براڈفٹ مارے گئے۔ 1854ء میں برطانیہ اور فرانس کی افواج کریمیا میں سلطنت عثمانیہ کی مدد کو آئیں تاکہ درۂ دانیال پر روسی قبضے کی صورت میں جہاز رانی کو پیش آنے والے خطرات نیز طاقت کے توازن کو بگڑنے سے روکا جائے۔

1857ء میں برطانیہ کو ایک اذیت ناک ڈراؤنے خواب سے گزرنا پڑا۔ یہ تھا غدر یا جنگ آزادیٔ ہند۔ اس جنگ نے پچاس ہزار سے زائد فوجیوں اور انسانوں (سویلین) کی جانیں لیں۔ آخر کار انگریزوں نے ہندوستان پر پھر سے اپنا تسلط قائم اور مستحکم کر لیا۔ لکھنؤ کے محاصرے کے دوران کابل کا واحد پس ماندہ ڈاکٹر ولیم برائیڈن جو اَب اسسٹنٹ کے بجائے پورا سرجن تھا' ایک بار پھر بال بال بچا جبکہ اس کا کمانڈر ہنری ہیولاک مارا گیا۔ امیر دوست محمد نے اس جنگ سے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا اور پشاور واپس لینے کا شاندار موقع ضائع کر دیا' حالانکہ اس وقت وہ طاقت کے بجائے محض ہندوستان میں عدم مداخلت کی شرط کے طور پر پشاور کو طشتری میں رکھا ہوا حاصل کر سکتا تھا (لیکن پشاور کے مقدر میں بین الاقوامی جاسوسوں کا مرکز اور لاکھوں افغانوں کی پناہ گاہ اور پھر متحدہ مجلس عمل کی حکومت کا دارالخلافہ بننا لکھا تھا)۔ 1863ء میں امیر دوست محمد کا انتقال ہو گیا اور کئی برسوں تک خانہ جنگی کا دور دورہ رہا۔ دوست محمد کے دو بھائی اعظم خان اور افضل خان' بیٹا شیر علی اور بھتیجا عبدالرحمٰن اقتدار کے حصول کی جدوجہد کرتے رہے۔ آخر عبدالرحمٰن اپنے والد افضل خان کو تخت پر بٹھانے میں کامیاب ہو گیا' لیکن باپ کی وفات کے بعد اسے شمالی پہاڑوں کی طرف بھاگنا پڑا۔ یوں 1869ء میں شیر علی نے کابل پر قبضہ کر لیا۔

Scanned by CamScanner

جنگ کریمیا کے بعد روس نے اپنی توجہ ایک بار پھر وسط ایشیا پر مرکوز کر دی تھی۔ بخارا، خیوا اور خوقند کے امیر مزاحمت کے قابل نہ رہے تھے۔ روسی حکام نے برطانویوں کو یقین دہانی کرائی تھی کہ ان کا دریائے آمو پار کرنے کا کوئی ارادہ نہیں اور افغانستان کی بفر ریاست کی حیثیت اور خودمختاری کا احترام کیا جائے گا لیکن شکوک وشبہات بہت زیادہ تھے۔

1874ء میں بینجمن ڈزرائیلی کی کنزرویٹو پارٹی لندن میں پھر برسر اقتدار آئی اور اس نے فارورڈ پالیسی کا اعلان کیا۔ وائسرائے ہند لارڈ لٹن نے امیر شیر علی پر دباؤ ڈالا کہ وہ کابل میں ریذیڈنٹ اور سفارتی مشن قبول کرلے لیکن شیر علی نے دو انتہائی معقول وجوہات کی بنا پر انکار کر دیا۔ پہلی وجہ یہ کہ وہ کابل میں برطانوی شہریوں کے تحفظ کی ضمانت نہیں دے سکتا کیونکہ یہاں ان کے خلاف بے پناہ نفرت پائی جاتی ہے اور دوسری وجہ یہ کہ پھر روسی بھی اسی قسم کا مطالبہ کریں گے۔

1877ء میں روسی اور برطانوی افواج ایک بار پھر یورپ میں مدمقابل آئیں۔ روس نے ترکوں کی طرف سے بلغاریہ میں عیسائیوں کے قتل عام کے جواب میں ترکی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ ڈیوک نکولس نے بلغاریہ میں ایک بڑے ترک فوجی دستے کو تباہ کر دیا اور ایک لاکھ کا لشکر جرار لے کر قسطنطنیہ کی طرف بڑھا، لیکن ایک بار پھر کعبے کو صنم خانے سے پاسباں مل گئے اور برطانوی بحریہ زار شاہی افواج کا راستہ روکنے اور خلافت اسلامی کے مرکز کو بچانے کے لیے درۂ دانیال پر موجود تھیں۔ چھ ماہ تک دونوں افواج مدمقابل رہیں اور پھر معاہدہ برلن کے بعد دونوں افواج واپس چلی گئیں۔

اسی دوران روسی جنرل نکولائی سٹولیٹوف 250 افراد پر مشتمل ایک وفد لے کر کابل پہنچا، اس نے امیر کو بتایا کہ 30 ہزار روسی فوج جنرل کوفمین کے زیر کمان ترکستان میں برطانوی ہند پر حملے کے لیے تیار ہے اور وہ امیر شیر علی کی حمایت حاصل کرنے آیا ہے اور اس کے صلے میں اس نے بڑے بڑے وعدے بھی کیے۔ برطانوی ردِعمل کے پیش نظر امیر نے وفد کو لوٹ جانے کے لیے کہا، لیکن روسی ٹال مٹول کرتے رہے اور کئی ہفتے کابل میں موجود رہے۔ اس دوران معاہدۂ برلن کی خبر آ گئی اور روسی واپس لوٹ گئے۔

لارڈ لٹن کو کابل میں روسی وفد کی آمد کی خبر ملی تو اس نے افغانستان سے پرزور مطالبہ کیا کہ وہ ایک برطانوی مشن کو کابل آنے کی اجازت دے۔ امیر نے انکار کر دیا۔ شومئی قسمت کہ انہی

Scanned by CamScanner

دنوں شیر علی کا ولی عہد انتقال کر گیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انگریزوں نے تعزیت کے بہانے ایک وفد کابل بھیج دیا۔ سر چیمبرلین کی زیر قیادت 250 رکنی وفد درۂ خیبر میں داخل ہوا لیکن افغان دستوں نے اسے واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ شیر علی کو الٹی میٹم دیا گیا کہ وہ اس رویے پر معافی مانگے اور کابل میں ایک مستقل مشن قبول کر لے یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جائے۔ 20 نومبر 1877ء کو شیر علی نے ان کا مطالبہ مان لیا' لیکن جنگ پسند برطانوی اپنی فارورڈ پالیسی پر عمل کرتے ہوئے 21 نومبر کو تین دروں سے افغانستان میں داخل ہو گئے۔ اب وہ گزشتہ جنگ کی نسبت بہت بہتر پوزیشن میں تھے۔ پشاور اور کوئٹہ کے علاوہ پنجاب اور سندھ ان کے قبضے میں تھے۔ وہ راولپنڈی اور ملتان تک ریلوے لائنیں بچھا چکے تھے اور سندھ بلوچستان میں کام جاری تھا۔ ٹیلی گراف لائنیں مکمل ہو چکی تھیں' جدید توپیں اور رائفلیں آ چکی تھیں اور بحری جہاز اب دخانی انجنوں سے چلتے تھے اور نہر سویز کی وجہ سے ہندوستان اور برطانیہ کے درمیان فاصلہ نصف ہو چکا تھا۔

برطانوی فوجیں بلوچستان اور شمال مغربی سرحدی صوبے کے قبائلیوں سے کئی جنگیں لڑ چکی تھیں اور ان کے حربی طور طریقوں سے آشنا ہو چکی تھیں۔ ہندوستان کے جنگجو سکھ اور پنجاب کے مسلمان بڑی تعداد میں برطانوی فوج میں بھرتی ہو چکے تھے' جو افغانوں کو صدیوں سے بخوبی جانتے تھے۔

اگرچہ شیر علی نے پچاس ہزار افراد پر مشتمل ایک افغان فوج تیار کی تھی اور یہ افغان تاریخ کی پہلی یونیفارم والی فوج تھی' لیکن فوجیوں کی وفاداریاں بادشاہ سے زیادہ اپنے اپنے قبائلی سرداروں کے ساتھ تھیں (حامد کرزئی کی موجودہ افغان نیشنل آرمی کی طرح) اور سردار ہر وقت برائے فروخت تھے (آج بھی ہیں)۔ شیر علی کابل چھوڑ کر مزار شریف چلا گیا اور روسیوں کو ان کے وعدے یاد دلا کر مدد مانگی۔ انہوں نے ٹکا سا جواب دے دیا۔ امیر نے خود زار کے پاس سینٹ پیٹرز برگ جانے کا ارادہ ظاہر کیا لیکن اسے دریائے آمو پار کرنے سے منع کر دیا گیا۔ وہ مایوس ہو کر بلخ چلا گیا' جہاں فروری 1878ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔

پشاور سے جنرل سام براؤن کی زیر قیادت 15 ہزار افواج درۂ خیبر عبور کر کے پیش قدمی کرتی ہوئی گنڈامک تک پہنچ گئیں۔ جنوب میں جنرل سٹیورٹ کی 12 ہزار افواج بولان اور خوجک سے گزرتے ہوئے قندھار پر قابض ہو گئیں۔ وسطی کالم جنرل رابرٹس کی سرکردگی میں درۂ

Scanned by CamScanner

کرم میں داخل ہوئیں۔ پیواڑ کوتل (پارہ چنار) میں قبائلیوں نے مورچہ بندی کی لیکن تین سولاشیں چھوڑ کر پسپا ہوئے 29 فوجی مارے گئے۔ درۂ خیبر میں معمولی جھڑپیں ہوئیں۔ سردی اور برفوں کی وجہ سے مزید پیش قدمی روک دی گئی تھی۔ جنگ صرف اِکاڈُکا گوریلا کارروائیوں اور ان کے سدباب تک محدود رہ گئی تھی۔

7 فروری کو 43 برطانوی فوجی دریائے کابل میں غرق ہو گئے۔

امیر شیر علی کے جانشین امیر یعقوب خان نے حکومت برطانیہ کو خط لکھ کر دوستی کی خواہش کا اظہار کیا۔ موسم بہار میں برطانوی پولیٹیکل افسر نے یعقوب خان کو گنڈامک میں مذاکرات کے لیے طلب کیا' اسے مکمل شاہانہ پروٹوکول دیا گیا۔ 26 مئی 1879ء کو معاہدۂ گنڈامک پر دستخط ہوئے' جس کے تحت افغانوں نے سبی اور پشین کی وادیاں' وادی کرم اور درۂ خیبر برطانیہ کو دے دیئے۔ برطانیہ کے مستقل مشن کو کابل میں قیام کی اجازت دے دی گئی۔ بدلے میں افغان بادشاہ کو ہر سال 60 ہزار پونڈ سٹرلنگ بطور امداد اور بیرونی حملے کی صورت میں مدد کے وعدے کیے گئے۔

لندن میں اس معاہدے کو فارورڈ پالیسی کی فتح قرار دیا گیا' لیکن فوج میں اس کے خلاف دبی دبی آوازیں اُٹھیں کہ سیاستدانوں نے ہمیں شدید سردیوں میں ان برفانی علاقوں میں صعوبتیں جھیلنے پر مجبور کیا اور جب فتح کے حصول کا وقت آیا تو انہیں واپس بلا لیا گیا۔ واپسی کے دوران دو پوشیدہ دشمنوں نے فوج پر حملہ کیا اور اس کا خاصا جانی نقصان کیا اور یہ تھے ''نمونیا خان'' اور ''ملک ہیضہ''۔ جولائی میں برطانوی ریذیڈنٹ 75 رکنی مشن کے ساتھ کابل پہنچا۔ سابقہ غلطیوں سے سبق سیکھتے ہوئے اس بار انہیں حفاظتی نقطہ نظر سے قلعہ بالا حصار میں رکھا گیا..... لیکن ریذیڈنسی بالا حصار میں بھی محفوظ نہ رہ سکی۔

ستمبر میں ہرات سے فوجیوں کا ایک دستہ کابل آیا اور اپنی کئی ماہ سے واجب الادا تنخواہوں کے حصول کے لیے بالا حصار میں مظاہرہ کیا۔ انہوں نے ریذیڈنسی کا محاصرہ کیا اور نعرے بازی کی۔ ان کے خیال میں ریذیڈنٹ اپنا اثر ورسوخ استعمال کر کے انہیں تنخواہیں دلوا سکتا ہے' لیکن ریذیڈنسی سے ان پر فائرنگ کی گئی' چنانچہ وہ واپس چلے گئے۔ ایک افغان فوجی نے ریذیڈنٹ کو بتایا کہ وہ لوگ غیر مسلح تھے' چنانچہ ہتھیار لینے گئے ہیں اور جب وہ واپس آئے تو ریذیڈنسی کی خیر نہیں۔ ریذیڈنٹ نے زہر خند کے ساتھ کہا ''بھونکنے والے کتے کاٹا نہیں کرتے'' اب کے جب ہراتی اسلحہ لے کر واپس آئے تو ان کے ساتھ سینکڑوں شہری بھی تھے اور ریذیڈنٹ

Scanned by CamScanner

کے ''تعریفی کلمات'' بھی ان تک پہنچ چکے تھے' چنانچہ انہوں نے ریذیڈنسی پر ہلہ بول دیا اور پورا برطانوی مشن صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔

برطانوی لشکر ایک بار پھر افغانستان میں گھس گئے' 12 اکتوبر کو وادیٔ کرم میں تعینات برطانوی فوج رابرٹسن کی کمان میں کابل میں داخل ہوگئی۔ امیر یعقوب خان خود برطانویوں کی تحویل میں چلا آیا اور کہا ''میں افغانستان کا حکمران رہنے کے بجائے ہندوستان میں گھسیارا ہونا زیادہ پسند کروں گا۔''

انگریزوں نے انتقام لینا شروع کیا۔ ہراتی توکب کے غائب ہو چکے تھے' نزلہ کابل کے شہریوں پر گرا اور 87 شہریوں کو پھانسیوں پر لٹکایا گیا۔ لندن کے اخبارات نے انہیں ''جوڈیشل مرڈر'' قرار دیا۔ صرف دو ماہ بعد غزنی کے ایک بوڑھے ملا مشک عالم نے جہاد کا اعلان کیا اور ہزاروں افراد اس کے پرچم تلے جمع ہوگئے (تاریخ بتاتی ہے کہ افغان جتنی تیزی سے جہاد کے نام پر اکٹھے ہوتے ہیں' اس سے کہیں زیادہ تیزی سے منتشر ہوتے ہیں)۔

انہیں ایک تجربہ کار کمانڈر محمد جان میسر آ گیا اور چالیس ہزار جہادیوں نے کابل کی طرف پیش قدمی شروع کی۔ کابل کا محاصرہ کرلیا گیا اور 1844ء والی صورت حال کو دہراتے ہوئے رابرٹسن کو کابل چھوڑنے کے لیے محفوظ راستے کی پیشکش کی گئی جسے اس نے ٹھکرا دیا۔ اگلے روز غازیوں نے کابل پر یلغار کی' رابرٹسن تیار تھا' مناسب مقامات پر توپیں نصب تھیں' جیسے ہی غازی فائرنگ رینج میں آئے توپیں حرکت میں آ گئیں۔ غازیوں نے چھاؤنی پر کئی بار حملے کیے لیکن ہر بار پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوگئے۔ وہ شہر میں بھی داخل ہو چکے تھے۔ جب سورج غروب ہوا تو فائرنگ رُک گئی اور اگلا سورج طلوع ہوا تو پہاڑیاں خالی تھیں۔ تمام غازی اپنے اپنے گھروں کو لوٹ چکے تھے۔ تین ہزار لاشیں چھاؤنی کے اطراف بکھری پڑی تھیں۔ انگریز کے صرف پانچ فوجی ہلاک ہوئے تھے۔ جو غازی شہر میں داخل ہوئے تھے' وہ خسارے میں نہیں رہے تھے' جیبیں بھر کر واپس گئے تھے' اپنے افغان بھائیوں کو لوٹ کر۔ کسی بادشاہ کی عدم موجودگی میں رابرٹسن نے خود اختیارات سنبھال لیے۔ اس نے سرداروں کا اجلاس طلب کیا جس میں دو سو سرداروں نے شرکت کی۔ ہتھیار ڈالنے والوں کے لیے عام معافی کا اعلان کیا گیا۔ پشاور سے مزید دستے بلائے گئے۔ کوہستان میں کئی مہمات روانہ کی گئیں' لیکن برطانوی حکومت کی عملداری ان کی توپوں کی رینج سے آگے نہ بڑھ سکی۔ افغان اچانک حملہ کرتے اور جب کمزور پڑتے تو غائب ہو جاتے۔ لندن میں کہا

Scanned by CamScanner

گیا کہ افغانی اتنے شورش پسند ہیں کہ افغانستان کا برطانوی ہند کے ساتھ الحاق کرنا نقصان دہ ہے' لیکن انہیں نظرانداز کرنا اس سے زیادہ نقصان دہ ہے۔ یہ بات بیسویں صدی میں روسی اور اکیسویں صدی میں امریکی نہ سمجھ سکے۔

مرد پیر ملا مشک عالم غزنی میں موجود تھا اور غلزئی اس کے زیر اثر تھے۔

فروری میں دوست محمد کا پوتا امیر عبدالرحمٰن دریائے آمو عبور کر کے ایک سو مسلح افراد کے ساتھ افغانستان میں داخل ہوا۔ وہ گزشتہ دس سال سے روسیوں کی پناہ میں تھا۔ اس نے ہندوکش میں فوج کی بھرتی شروع کر دی۔ اپریل میں جنرل سٹیورٹ ایک برطانوی ڈویژن کے ساتھ غزنی کی سرکوبی کرنے کے بعد کابل پہنچا اور کابل کا چارج سنبھال لیا۔ مئی 1880ء میں ڈزرائیلی کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور اس کی فارورڈ پالیسی کا بھی۔ اب برطانویوں نے عبدالرحمٰن کے ساتھ رابطہ قائم کیا اور اسے مذاکرات کے لیے کابل طلب کیا گیا۔ عبدالرحمٰن روسی فوج کے یونیفارم میں ملبوس روسی رپیٹرز کے ساتھ مسلح دستے کے ہمراہ آیا۔ لیکن برطانوی اسے کابل سونپنے پر آمادہ تھے۔ ایک ایسے شخص کو جو دس سال ایک عیسائی یورپی حکومت کی پناہ میں رہا ہو اور مذہبی طور پر روادار اور غیر متعصب ہو اور پھر تخت کے جائز وارثوں میں سے بھی ہو زمام اقتدار سونپنے میں بھلا کیا مضائقہ ہو سکتا تھا' چنانچہ 22 جولائی 1880ء کو امیر عبدالرحمٰن افغانستان کا بادشاہ بن گیا۔ صرف پانچ روز بعد یعقوب خان کے بھائی ایوب خان نے قندھار میں بیس ہزار کے لشکر جرار کے ساتھ برطانوی فوج کو مکمل شکست سے دوچار کر دیا۔ ان کے 1300 افراد موت کے گھاٹ اُتر گئے جبکہ سینکڑوں زخمی ہوئے۔ جب یہ خبر کابل پہنچی تو جنرل رابرٹسن نے قندھار کی شورش کو کچلنے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں اور وہ دس ہزار کا لشکر لے کر صرف بیس دن میں تین سو میل سے زیادہ کا سفر طے کر کے قندھار پہنچا۔ میدانِ کارزار گرم ہوا تو ایوب خان کا لشکر ایک ہزار سے زائد لاشیں چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کر گیا۔ جنرل رابرٹسن نے انگلستان واپس جا کر اخبارات کو جو بیان دیا' اس کا ایک حصہ طلائی حروف میں لکھنے کے قابل ہے اور آج بھی تمام موجودہ بڑی طاقتوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہو سکتا ہے:

> ''ہمیں افغانستان سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے۔ سب سے بہتر عمل یہ ہوگا کہ ہم انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ مجھے یقین ہے کہ افغان ہمیں جتنا کم دیکھیں گے' اس قدر کم ہم سے

Scanned by CamScanner

نفرت کریں گے۔ اگر مستقبل میں روس افغانستان کے
راستے ہندوستان پر حملہ کرتا ہے تو افغانوں کو اپنے حق میں
رکھنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ہم وہاں ہر طرح کی
مداخلت ختم کر دیں۔''

امیر عبدالرحمٰن ایک قوم پرست افغان حکمران ثابت ہوا' برطانوی خدشات کے برعکس اس کا روس کی طرف ذرّہ بھر جھکاؤ نہ تھا۔

1885ء میں جب روسی افواج نے موجودہ ترکمانستان کے علاقے مرو کو فتح کیا تو وہ افغان علاقے میں بھی گھس آئے اور ہرات کے شمال میں پنج دہ نخلستان پر حملہ کر دیا۔ افغان بڑی بہادری سے لڑے لیکن بڑی اور منظم فوجی طاقت کا مقابلہ نہ کر پائے۔ اس پر برطانیہ نے ایک بڑی جنگ کے لیے تیاری کا اعلان کر دیا۔ تمام ریزرو فوجیوں کو طلب کر لیا گیا اور وسیع پیمانے پر فوجی نقل و حرکت میں آئے۔ روسی وزارت خارجہ سے احتجاج کیا گیا۔ ایک وفد ہرات بھیجا گیا جس نے علاقے میں موجود روسی کمانڈروں سے مذاکرات کیے۔ آخر کار مذاکرات کے نتیجے میں روسی مقبوضات اور افغانستان کے درمیان سرحد کا تعین کر لیا گیا۔ دریائے آمو اور دریائے ہری رُود کے وسط میں سے گزرنے والی ایک غیر مرئی لکیر کو روس اور افغانستان کی سرحد قرار دیا گیا۔

1893ء میں سر مارٹیمر ڈیورنڈ نے افغانستان کی مشرقی سرحد کے تعین کا آغاز کیا اور پشتون آبادیوں کے درمیان ایک غیر منطقی اور غیر منصفانہ لکیر کھینچ دی جس نے بیشمار خاندانوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔ گھر ایک طرف تھے تو کھیت دوسری طرف' ایک بھائی اُس پار تو ایک اِس پار۔ برطانیہ کے چلے جانے کے بعد بھی ڈیورنڈ لائن کے ''تقدس'' کا احترام جاری رکھا گیا اور برطانیہ کے بعد اقتدار میں آنے والے مقامی وائسرائے ڈیورنڈ لائن پر انگلی اُٹھانے والوں کو غدار کہتے رہے۔ پھر ایک دَور ایسا آیا کہ بیرونی دوستوں یا آقاؤں کے مفادات کے لیے ڈیورنڈ لائن کو عملاً ختم کر دیا گیا اور آج کل بیرونی مفادات کے تحت ڈیورنڈ لائن پر باقاعدہ دیواریں اور حفاظتی باڑیں تعمیر کی جا رہی ہیں۔ 1895ء میں برطانیہ نے پامیر کے کوہستانوں میں واقع واخان کی پٹی افغانستان میں مدغم کر دی۔ اس طرح بظاہر تو عبدالرحمٰن کو خوش کیا گیا لیکن اس کا مقصد یہ تھا کہ روس کا برطانوی ہند کے ساتھ براہِ راست جغرافیائی ربطہ نہ ہو۔

امیر عبدالرحمٰن نے قبائلی سرداروں اور ملاؤں کے اثر و رسوخ کو کم کرنے کے لیے کئی

Scanned by CamScanner

مثبت اقدامات بھی کیے۔ اس نے کئی غلزئی قبیلوں کو شمالی افغانستان میں آباد کیا' اس سے جہاں جنوب میں غلزئیوں کی طاقت کم ہوئی وہاں شمال میں پشتون طاقت میں اضافہ ہوا۔ غلزئی پہلے درّانیوں کے حریف تھے' اب ان کا سامنا ازبکوں اور تاجکوں سے تھا۔ ملاؤں کے خلاف کیے گئے بعض اقدامات سے جب بحیثیت ایک اچھے مسلمان کے اس کی ساکھ متاثر ہوئی تو اس نے کافرستان پر حملہ کر دیا اور ہزاروں کافر قبائلیوں کو زبردستی مسلمان ہونے پر مجبور کیا اور علاقے کا نام تبدیل کر کے نورستان رکھا۔

امیر عبدالرحمٰن کے بعد اس کا بیٹا امیر حبیب اللہ تخت نشین ہوا جو تاج برطانیہ کا ضرورت سے زیادہ خیر خواہ تھا اور برطانوی بھی اسے خاصی امداد دیتے تھے' پاؤنڈوں اور روپوں کی صورت میں۔ 1919ء میں ایک شکاری مہم کے دوران حبیب اللہ کو قتل کر دیا گیا۔ ایک مختصر خانہ جنگی کے بعد امان اللہ خان بالا حصار میں متمکن ہوا۔ امان اللہ' جو غازی امان اللہ کے نام سے معروف ہے' کیونکہ اس نے برطانیہ کے خلاف اعلانِ جہاد کیا تھا۔

افغان افواج' قبائلیوں اور ملاؤں کے زیرکمان غازیوں نے سرحد اور سرحد کے پار واقع برطانوی قلعوں اور چوکیوں پر حملے کیے۔ ابتدائی نقصانات کے بعد برطانوی فوجوں نے درّہ خیبر اور بلوچستان کی طرف سے سرحد عبور کر کے کئی افغان علاقوں پر قبضہ کر لیا اور ڈیورنڈ لائن کی طرف موجود علاقوں سے بھی افغانوں کو کھدیڑ دیا گیا اور اب تو برطانیہ کے پاس فضائی قوت بھی تھی۔ سو برطانوی طیاروں نے کابل اور جلال آباد پر بمباری کی۔ امیر امان اللہ اس آفت کے سامنے بے بس تھا' اس نے فضائی بمباری پر برطانیہ سے شدید احتجاج کیا اور لارڈ چیمسفورڈ کو خط میں لکھا کہ برطانیہ لندن پر کیے جانے والے وحشیانہ جرمن فضائی حملوں جیسے جرائم کا ارتکاب خود کیوں کر رہا ہے؟

ایک ماہ بعد فریقین کو احساس ہو گیا کہ جنگ سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں۔ غازی امان اللہ خان بنفس نفیس راولپنڈی تشریف لے گئے جہاں لارڈ چیمسفورڈ سے ان کے مذاکرات ہوئے۔ انہیں ڈیورنڈ لائن کو مستقل سرحد تسلیم کرنے پر مجبور کیا گیا' افغانستان کو دی جانے والی سبسڈی ختم کر دی گئی۔ ہندوستان کے راستے بحری جہازوں پر افغانستان کے لیے آنے والے اسلحہ کی نقل و حمل پر پابندی عائد کر دی گئی' لیکن امان اللہ نے ایک کامیابی بہرحال حاصل کی اور وہ یہ کہ پہلی بار افغانستان کو ''داخلی اور خارجی دونوں امور میں ایک آزاد اور خودمختار ریاست'' تسلیم کیا

Scanned by CamScanner

گیا۔ یوں بھی اب برطانیہ کی افغانستان کے بارے میں پریشانیاں ختم ہو چکی تھیں کیونکہ روس میں زارشاہی کا خاتمہ ہو چکا تھا اور ولادی میر لینن کی مصروفیات اب صرف ملک کے اندر تھیں۔ لیکن عملی طور پر ایسا نہ ہوا 1920ء میں ماسکو کا نمائندہ پانچ ہزار رائفلوں اور دس ملین طلائی روبل کا تحفہ لے کر کابل آیا' اگلے سال دونوں ملکوں نے دوستی کے معاہدے پر دستخط کیے۔ روسیوں نے کابل میں ٹیلی فون اور ٹیلی گراف لائنیں بچھائیں۔ ہندوکش میں درّہ سالانگ کی تعمیر شروع کی۔ افغانستان کو گیارہ ہوائی جہاز دے کر افغان فضائیہ کی بنیاد رکھی۔ لینن نے اگرچہ وسط ایشیا کی مسلمان امارات کی خودمختاری کے تحفظ کی یقین دہانی کرائی تھی' لیکن بالشویکوں کے روس پر مکمل تسلط کے بعد ان ریاستوں کو روس میں ضم کر لیا گیا' وہاں سے مسلمان حریت پسند بڑی تعداد میں دریائے آمو پار کر کے افغانستان آ گئے' جن کے تعاقب میں روسی فوجیں بھی افغانستان میں گھس آئیں لیکن افغان فوجیوں نے بسماچیوں (حریت پسند جنہیں روسی بسماچی یعنی ڈاکو کہتے تھے) کو روسی علاقے میں واپس دھکیل دیا۔

1927ء میں امان اللہ خان ایک بین الاقوامی دورے پر نکلے۔ وہ کلکتہ' قاہرہ' استنبول' روم' لندن' پیرس اور ماسکو گئے۔ وہ ایک چمکتی دمکتی رولس رائس میں وطن واپس آئے اور ملک کو جدید بنانے کا عزم بھی ساتھ لے کر آئے۔ ان کی جدید اصلاحات نے ملاؤں اور سرداروں کو سیخ پا کر دیا۔ یورپ میں لی گئی ملکہ ثریا کی بے پردہ تصاویر ملک بھر میں تقسیم کی گئیں۔

1928ء میں ایک تاجک ڈاکو بچہ سقہ کابل پر حملہ آور ہوا۔ جنوری 1925ء میں امان اللہ خان کو اپنی رولس رائس پر کابل سے فرار ہونا پڑا۔ نو ماہ تک بچہ سقہ اور اس کے جاہل ہمراہیوں نے کابل پر حکومت کی' اس کے دَور کا طالبان کے دَور سے موازنہ کیا جائے تو طالبان بچہ سقہ سے کہیں زیادہ معقول اور مہذب نظر آتے ہیں۔ افغانستان کے ملا بچہ سقہ کی پشت پر تھے' جن کے سربراہ مجاہد رہنما پروفیسر صبغت اللہ مجددی کے دادا ملا شور بازار تھے۔ امان اللہ خان روم میں جلاوطن رہے' جہاں 1960ء میں ان کا انتقال ہوا۔ نادر خان دُرّانی نے اس طوفانِ بدتمیزی کا خاتمہ کیا اور بچہ سقہ اور اس کے سولہ رتن پھانسی پر لٹکا دیے گئے۔

نادر شاہ نے امان اللہ کی اصلاحات کو جاری رکھا' لیکن انقلابی نہیں ارتقائی طریقے سے۔ 1933ء میں نادر شاہ کے قتل کے بعد ان کے انیس سالہ فرزند ظاہر شاہ تخت نشین ہوئے۔ 1934ء میں افغانستان مجلس اقوام کا رُکن بنا' امریکہ کے ساتھ اس کے سفارتی تعلقات قائم

Scanned by CamScanner

ہوئے۔ جرمنی میں ہٹلر برسر اقتدار آیا تو کئی جرمن وفود نے افغانستان کے دورے کیے۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران خلافت عثمانیہ کے اتحادی اور انگریزوں کے دشمن ہونے کی وجہ سے افغانستان میں جرمنوں کا خاصا احترام کیا جاتا تھا۔ جرمن انجینئروں نے افغانستان میں ڈیم تعمیر کیے اور آبپاشی کے لیے نہریں نکالیں۔ جرمنوں نے افغانستان میں ایک مختصر ریلوے ٹریک بھی تعمیر کیا' اڑھائی میل لمبی ریلوے لائن کابل اور قصر شاہی کے درمیان۔

دوسری جنگ عظیم میں جرمنوں کی ابتدائی فتوحات پر افغانستان میں پائی جانے والی مسرت کی فضا زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی' جب جون 1941ء میں روسیوں نے جرمن حملہ آوروں کو شکست فاش سے دوچار کیا۔ روسیوں نے افغانستان سے مطالبہ کیا کہ وہ ملک میں موجود دو سو سے زائد جرمنوں کو نکال دے۔ افغانوں نے ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا' لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ایسے ہی ایک مطالبے کو پورا نہ کرنے پر روسیوں نے ایران میں فوجیں داخل کر دی تھیں' تو وہ مان گئے۔ 1945ء میں جنگ کے مکمل خاتمے تک افغانستان غیر جانبدار رہا۔

دوسری عالمگیر جنگ کے نتیجے میں سمندروں پر برطانیہ کی بالادستی کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کا عظیم الشان بحری بیڑہ جس کی مدد سے اس نے دو صدیوں تک دنیا پر حکومت کی تھی' اب سمندروں کی تہہ میں آرام کر رہا تھا۔ اب دو نئی بڑی طاقتوں کا ظہور تھا امریکہ' جو نوآبادیاتی نظام کا مخالف تھا اور انقلابی روس' جو مظلوم اور پسے ہوئے طبقات کے حقوق کا علمبردار تھا..... لیکن افغانستان کی قسمت میں امن و سکون نہیں لکھا گیا تھا۔ اسے بہت جلد ان دونوں کے درمیان میدانِ جنگ بننا تھا۔

☆☆☆☆

Scanned by CamScanner

انیسویں صدی کا بلوچستان... ایک طائرانہ جائزہ

انیسویں صدی کے چوتھے عشرے میں قلات ایک نسبتاً مضبوط اور متحد ریاست تھی۔ یہ ریاست قلات شال کوٹ (کوئٹہ)' مستونگ' ساراوان' جھالاوان' کچ گنداوہ' مکران اور لسبیلہ پر مشتمل تھی۔ خاران باج گزار ریاست تھی۔ ہڑند اور داجل (پنجاب کے موجودہ ضلع راجن پور میں ہیں) بھی ریاست کا حصہ رہے۔ ریاست کے مشیر جھالاوان اور سراوان کے سرداروں میں سے لیے جاتے تھے اور زیادہ بااثر سرداروں کو وزیر بنایا جاتا تھا۔ فوجی کمانڈار بلوچوں سے زیادہ پشتون ہوتے تھے۔ مالیہ کی وصولی تاجک نسل کے دہ واروں کے ذمہ تھی' چھوٹے انتظامی افسر بھی تاجک ہی ہوتے تھے۔ مری بگٹی قبائل خود مختار تھے اور وہ خانِ قلات کو اپنا حاکم تسلیم نہیں کرتے تھے۔ انگریزوں کو افغانستان اور ایران میں مداخلت کاری کے سلسلے میں قلات کی سٹریٹیجک اہمیت کا احساس تھا' جس کے شمالی علاقے سے زیادہ بہتر راستے ایران' افغانستان اور پھر سنٹرل ایشیا جاتے تھے اور پھر ایک بڑی ساحلی پٹی بھی قلات کے پاس تھی' جس کی تذویراتی اہمیت تھی۔

خلیج فارس اور بحیرہ عرب کے ساحلوں پر انگریز اٹھارہویں صدی کے ساتویں عشرے میں ہی اپنا اثر ورسوخ اور کسی حد تک تسلط قائم کر چکے تھے۔ یہ ان کے لیے انتہائی اہم آبی گزرگاہ تھی۔ 1761ء میں بندر عباس میں انگریزوں کی تجارتی کوٹھی قائم ہوئی۔ 1763ء میں انہوں نے شاہ ایران سے ایک معاہدہ کے تحت جسے ''سہولتوں اور امتیازات کا معاہدہ'' کہا گیا' بوشہر کی بندرگاہ بغیر محصول تجارت اور دیگر حقوق کے حاصل کر لی۔ 1814ء میں روسی خطرے کے خلاف ایران کے ساتھ باہمی معاہدہ کیا گیا۔ 1820ء میں انہوں نے شیخ عمان کے ساتھ امن معاہدہ کیا اور خلیج فارس میں نظم ونسق برقرار رکھنے کا حق حاصل کیا بعدازاں بحرین بھی اس معاہدے میں شامل ہو گیا۔ اسی دوران افغانستان کا سروے' جاسوسی اور اسے زیر دام لانے کی کوششوں کا سلسلہ شروع ہوا۔

Scanned by CamScanner

1809ء میں الفنسٹن کو راستوں کے سروے اور جاسوسی کے مشن پر کابل بھیجا گیا۔1831ء میں الیگزینڈر برنس نے افغانستان کے خلاف راستوں اور رسد کے حصول کے لیے رنجیت سنگھ کے ساتھ مذاکرات کیے' جو کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکے۔

1836-37ء میں اسی سلسلے میں ہنری پوٹنگر کو حیدرآباد' لیچ کو شکارپور اور میسی کو خیرپور بھیجا گیا۔1838ء میں لیفٹیننٹ لیچ نے خان قلات محراب خان سے راستوں اور رسد کے حصول کے لیے مذاکرات کیے' جو ناکام ہوئے۔

1839ء میں الیگزینڈر برنس میر محراب خان کے ساتھ معاہدہ دوستی کرنے میں کامیاب ہوا۔ ریاست کو سالانہ ڈیڑھ لاکھ روپے کی امداد دینے کا وعدہ کیا گیا۔1839ء میں انڈس آرمی ریاست قلات کی حدود سے گزری اور درۂ بولان عبور کیا۔ کچھ گنداوہ کے سردار بجار خان ڈومبکی نے رسد دینے سے انکار کیا۔ ڈومبکیوں اور مریوں نے انگریز فوج پر چھاپہ مار حملے بھی کیے (ضمناً عرض کردوں کہ مولف کا قبیلہ برمانی ڈومبکی قبیلے کی ایک شاخ ہے۔ ہمارے تاریخ سے آشنا بزرگ آج بھی بجار خان کو اپنا ہیرو مانتے ہیں اور فخریہ کہتے ہیں کہ ہم بجار خان ڈومبکی کے قبیلے سے ہیں)۔

15 اکتوبر 1839ء کو عہد شکنی کا الزام لگا کر قلات پر حملہ کیا گیا۔ انگریزوں نے شہر میں لوٹ مار کی میر محراب خان شہید ہو گئے۔ واضح رہے کہ قلات ایک اہم تجارتی شہر تھا' جہاں ایک تہائی گھر اور تقریباً تمام دکانیں شکارپور اور ملتان سے تعلق رکھنے والے ہندو سوداگروں اور بنیوں کی تھیں۔ چودہ سالہ شاہ نواز خان کو خان آف قلات مقرر کیا گیا' لیکن بلوچوں کی بغاوت جاری رہی۔ 1840ء میں میر نصیر خان نے قلات پر قبضہ کر لیا اور انگریزوں کے پولیٹیکل ایجنٹ کو مار ڈالا۔1840ء میں گورنر جنرل لارڈ آکلینڈ اور میر نصیر خان کے درمیان طویل مذاکرات کے نتیجے میں ایک معاہدہ طے پایا جس کے نتیجے میں کچھ' گنداوہ اور مستونگ دوبارہ قلات کے حوالے کر دیئے گئے۔ قلات کو کابل کے تابع قرار دیا گیا جہاں اب انگریزوں کے پروردہ شاہ شجاع حاکم تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو قلات میں کہیں بھی فوج تعینات کرنے کا اختیار مل گیا اور حکومت برطانیہ کی اجازت کے بغیر کسی بھی بیرونی ملک سے تعلقات قائم کرنے کی آزادی قلات سے چھین لی گئی۔ 1854ء میں لارڈ ڈلہوزی اور میر نصیر خان دوم کے درمیان ایک نیا معاہدۂ دوستی طے پایا جس کے تحت:

Scanned by CamScanner

1- خان آف قلات داخلی سیاست کے اہم فیصلے برطانوی ہند کی حکومت کے مشورے سے کرے گا۔

2- خارجہ تعلقات گورنر جنرل ہندوستان کی تائید اور اجازت سے استوار کرے گا۔

3- سرحد (ایرانی بلوچستان سے ملحق علاقہ) یا ہندوستان میں برطانوی مقبوضات کی سرحد کے قریب بدامنی پیدا نہ ہونے دے گا۔

4- برطانیہ کو ریاست کی حدود میں جنگی قلعے اور سڑکیں تعمیر کرنے نیز فوج رکھنے کا حق ہوگا۔

5- برطانوی سوداگروں کا تحفظ کرے گا اور مقررہ حد سے زیادہ محصول نہ لے گا (فی بار بردار اونٹ پانچ سے چھ روپے)۔

اس دوران انگریزوں نے بلوچ قبائل اور سرداروں کے ساتھ تعلقات بہتر بنانے کی کوششیں جاری رکھیں۔ لسبیلہ اور مکران میں خان آف قلات کا اثر ورسوخ نہ ہونے کے برابر رہ گیا۔ وہاں کے حکام انگریزوں کی شہ کے نتیجے میں خودسر اور خودمختار ہو گئے تھے۔ انگریزوں کی ترغیبات کے باوجود کئی طاقتور سردار اور قبائلی انگریزوں کے دام میں نہ پھنسے۔ مری اور بگٹی خصوصاً مری انگریزوں پر حملے کرتے رہے۔ 57-1854ء کے درمیان چھ مختلف مہمات مری بگٹی علاقوں میں بھیجی گئیں۔ 63-1862ء میں خان آف قلات، جام آف لسبیلہ اور میر آف مکران سے ان ریاستوں میں ٹیلی گراف لائن بچھانے کے حقوق حاصل کیے گئے اور ان ریاستوں کو لائنوں کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی گئی جس کے صلے میں چند ہزار روپے سالانہ ''انعام'' مقرر کیا گیا۔

مارچ 1874ء میں وزیر اعظم ڈزرائیلی نے بلوچستان کے لیے ایک بار پھر مداخلت کی پالیسی یا فارورڈ پالیسی کا اعلان کیا۔ اس سے قبل 1857ء کی جنگ آزادی ہند نے انگریزوں کو سرحدی علاقوں پر کھلم کھلا قبضہ کرنے کے عمل کو ملتوی کرنے پر مجبور کر دیا تھا اور ملکہ وکٹوریہ نے اعلان کیا تھا کہ ''ہم مقامی خانوں کے حقوق، وقار اور حیثیت کا احترام کریں گے۔ ہم اپنے مقبوضات میں مزید توسیع نہیں چاہتے۔ ہمارا مصمم ارادہ ہے کہ ہم خانوں کے حقوق ملکیت بحال کر دیں گے۔'' اسے جکڑی ہوئی سرحدی پالیسی یا کلوز بارڈر پالیسی کہا گیا تھا۔ 1875ء میں رابرٹ سنڈیمن کو پولیٹیکل ایجنٹ بنا کر بھیجا گیا۔ قلات میں پولیٹیکل ایجنسی تشکیل پائی۔

دسمبر 1876ء میں خان آف قلات کو جیکب آباد طلب کیا گیا اور نظرثانی شدہ معاہدۂ دوستی طے پایا، جس میں انگریزوں کے مال کو ہر قسم کے محصول سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا۔ خان اور

Scanned by CamScanner

سرداروں کے درمیان اختلافات کی صورت میں قطعی فیصلے کا حق پولیٹیکل ایجنٹ کو دیا گیا۔

1877ء میں رابرٹ سنڈیمن نے اپنا تیار کردہ قبائلی نظام ''سنڈیمن سسٹم'' نافذ کیا' جس کے تحت برطانوی مفادات کے خلاف کسی فرد کے جرم کی ذمہ داری پورے قبیلے پر ڈالی جانے لگی۔

قبائلی ملیشیا قائم کی گئیں جو انگریز مفادات کے خلاف کام کرنے والے قبائل کے خلاف لڑنے کی پابند تھیں۔قبائلی تنازعات کے فیصلے پولیٹیکل ایجنٹ کرتا تھا۔قبائلی ملیشیا سردار بھرتی کرتا تھا' تنخواہ پولیٹیکل ایجنٹ دیتا تھا چونکہ اس میں مالی مفاد تھا سردار کی طاقت میں بھی اضافہ ہوتا تھا لہٰذا سردار اپنے عزیزوں' رشتہ داروں اور وفاداروں کو ملیشیا میں بھرتی کرتا تھا اور یوں سردار اور ملیشیا شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار ہوتے تھے۔

انہی دنوں ایران کے ساتھ سرحدی تنازعات کے تعین کے لیے کرنل ہولڈیچ کی سربراہی میں باؤنڈری کمیشن قائم کیا گیا۔ ہولڈیچ نے ایرانی ارکان کو خرید لیا۔کمیشن میں برطانیہ' ایران اور قلات کے ارکان شامل تھے۔چنانچہ مشخیل اور میر جاوہ کی زرخیز زمینیں قلات کی حدود میں شامل کر دی گئیں۔ ہولڈیچ نے بعض آباد علاقوں کو جان بوجھ کر نقشے میں ظاہر نہ کیا چنانچہ وہ بلوچوں' ایرانیوں اور افغانیوں کے درمیان دائمی تنازعات کا باعث بنے رہے۔

ایران اور افغانستان کی سرحد پر آباد قبائل کی ملیشیا قائم کی گئیں جیسے چاغی رائفلز' ژوب ملیشیا وغیرہ۔ سرحدوں کی ذمہ داری ان قبائلی لیویز پر ڈال دی گئی جبکہ باقاعدہ افواج کو کوئٹہ ژوب اور نوشکی کے گیریژنوں میں رکھا گیا۔

1883ء میں خان آف قلات سے 25 ہزار روپے سالانہ کے عوض کوئٹہ انگریزوں نے حاصل کر لیا' پھر 30 ہزار روپے سالانہ کے عوض درۂ بولان کا انصرام اور حق محصول خرید لیے گئے۔ بعدازاں مشکاف' نوشکی' نصیر آباد اور مستونگ جیسے زرخیز اور آباد علاقے برائے نام قیمت پر حاصل کر لیے گئے۔1885ء میں ریلوے لائن کوئٹہ پہنچ گئی' لائن بچھانے کا آغاز 1879ء میں ہوا تھا ابتداء میں اسے سبی تک بچھایا جانا تھا۔1886ء میں چمن تک ریلوے لائن کی توسیع ہوئی۔ منصوبے کے مطابق اس لائن کو قندھار تک توسیع دی جانا تھی لیکن امیر عبدالرحمٰن حاکم افغانستان کی شدید مخالفت پر یہ منصوبہ ترک کر دیا گیا۔آج بھی سکھر کے نواح میں ایک متروک ریلوے سٹیشن ہے جس پر نمایاں الفاظ میں KSR قندھار سٹیٹ ریلوے تحریر ہے۔

Scanned by CamScanner

1905ء میں کوئٹہ سے نوشکی تک ریلوے لائن پہنچ گئی تھی جسے بعدازاں زاہدان تک توسیع دی گئی۔ 1883ء میں رابرٹ سنڈیمن نے ریاست خاران کے حاکم میر آزاد خان کے ساتھ ایک معاہدہ کیا' جس میں اس نے خود کو قلات کے خان کا تابع اور برطانیہ کا نوکر تسلیم کیا۔

1884ء میں میر آزاد خان نے چھ ہزار روپے سالانہ کے عوض راستوں کی بحالی اور نظم ونسق کی برقراری کے سلسلے میں خان آف قلات کے بجائے براہِ راست پولیٹیکل ایجنٹ کی اطاعت کا عہد کیا۔ اسی سال مکران کو کوئٹہ کی پولیٹیکل ایجنسی میں شامل کیا گیا۔ 1895ء میں گوادر کی بندرگاہ خان آف قلات کے بجائے براہِ راست اپنے کنٹرول میں لے لی گئی۔ 1896ء میں ریاست لسبیلہ میں پولیٹیکل ایجنٹ کی تعیناتی عمل میں آئی۔ یوں انیسویں صدی کے آخر تک قلات کوئٹہ مستونگ چاغی پنج گور سبی زیارت اور لورالائی میں پولیٹیکل ایجنسیاں قائم ہوگئیں۔ بیسویں صدی کے ابتدائی برسوں میں بلوچستان کو سیاسی طور پر تین حصوں میں تقسیم کیا گیا:

برٹش بلوچستان

نیم خودمختار قلات

لسبیلہ اور خاران

برٹش بلوچستان کو انتظامی لحاظ سے چھ یونٹوں میں تقسیم کیا گیا:

کوئٹہ پشین' سبی' لورالائی' ژوب' چمن اور بولان۔

مری بگٹی ایریا کو سبی میں متعین پولیٹیکل ایجنٹ کنٹرول کرتا تھا۔

☆☆☆☆

Scanned by CamScanner

مہماتِ قلات... میر محراب خان کی شہادت

"تم قندھار اور غزنی پر قبضہ کرلو گے، شاید کابل پر بھی لیکن تم برفوں پر فتح حاصل نہ کرسکو گے اور جب برف پڑے گی تو تم اپنی فوج کو نہ تو وہاں رکھ سکو گے اور نہ وہاں سے نکال سکو گے۔"

میر محراب خان

"دشمن قدم قدم نہایت پامردی اور جوش کے ساتھ لڑتا رہا، اس نے قلعہ کے اندرونی حصے تک اسی طرح مقابلہ کیا اور ایک ایک انچ زمین کے لیے لڑا..... میر محراب خان نے اپنے آدمیوں کی کمان کرتے ہوئے دلیرانہ مدافعت پیش کی اور اپنے کئی معتبرین کے ہمراہ تلوار ہاتھ میں لیے مارا گیا۔"

میجر جنرل سر تامس ولشائر

Scanned by CamScanner

انگریزوں کے قلات پر حملے اور میر محراب خان کی شہادت کے حوالے سے اس دور کی دو اہم دستاویزات ملتی ہیں۔ ایک "تاریخچہ مرزا احمد علی" اور دوسری اخوند محمد صدیق کی "اخبارالابرار"۔ یہ دونوں حضرات دربار قلات سے وابستہ رہے تھے۔اخوند صدیق میر محراب خان دوم کے خلاف سازشوں میں بھی شریک رہے۔

مرزا احمد علی رقم طراز ہیں:

"شجاع الملک افغان سرداروں کے تسلط سے فرار ہو کر میر محراب خان کے پاس قلات پہنچے' رحم دل خان ایک لشکر جرار کے ساتھ ان کے تعاقب میں منگوچر پہنچا۔ میر محراب خان نے داروغہ گل محمد کو رحم دل خان کے پاس بھیجا اور پیغام کیا کہ شاہ شجاع الملک نے میرے گھر میں پناہ لی ہے۔آپ کو چاہئے کہ آپ ان کا بازو حاصل کرنے کے ارادے سے باز آ کر واپس چلے جائیں۔اگر وہاں سے ایک قدم آگے بڑھو گے تو ہم اپنے بلوچی ننگ (آبرو) کے لیے اپنا سر کٹوا دیں گے' لیکن شجاع الملک کو تمہارے حوالے نہیں کریں گے.....

شاہ شجاع الملک بعدازاں انگریزوں کے پاس چلے گئے اور ان سے مدد کی درخواست کی۔انگریز سرکار نے ان کی امداد کی اور تسخیر کابل وقندھار کے لیے ایک بہت بڑی فوج ان کے ساتھ کردی.....کابل وقندھار کی تسخیر کے بعد انگریزوں کی فوج نے جو قندھار میں مقیم تھی' پلٹ کر قلات بلوچی پر چڑھائی کردی۔ میر محراب خان نے اطاعت قبول نہیں کی۔ خدا اور رسولؐ کی خوشنودی کے لیے جنگ کی۔

براہوی سرداروں میں سے ولی محمد مینگل شاہی زئی اور چند دوسرے معززین کے علاوہ اور کسی سردار کو ان کے ساتھ شامل ہو کر لڑنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ سب اپنی اپنی جگہوں پر آرام سے بیٹھے رہے۔انگریزی فوج ماہ رمضان 1250ھ (1839ء) کو قلات میں داخل ہوئی' جنگ کی آگ بھڑک اٹھی' طلوع آفتاب کے وقت سے دوپہر تک توپوں اور بندوقوں کی لڑائی جاری رہی۔ انگریزوں نے اپنی توپوں کو مستونگی دروازے کے سامنے پہنچا دیا اور توپوں کے چند گولوں سے قلعے کا

دروازہ توڑ دیا' حملہ کر کے شہر کے اندر داخل ہو گئے۔ میر محراب خان نے اپنے چند ہمراہیوں شاہی زئی نور محمد' میر ولی محمد شاہی زئی مینگل' میر فضل محمد لہڑی اور میر نبی بخش جتوئی وغیرہ کے ساتھ جام شہادت نوش کیا۔ ان کے علاوہ قلات شہر کے کئی اور باشندے بھی شہید ہوئے۔ نائب محمد حسن اور نائب رحیم داد نیک نامی اور شہادت سے محروم ہوئے' ان کو گرفتار کیا گیا۔ اخوند محمد صدیق' میر تاج محمد' ولی محمد اور عبدالعزیز نے زندگی کو غنیمت جان کر انگریزوں سے امان حاصل کی۔"

انگریزوں کے امان یافتہ اخوند محمد صدیق اپنی مختصر کتاب "اخبار الابرار" میں ان واقعات کو کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں:

"شاہ شجاع الملک انگریزوں کو اپنے ہمراہ لے کر قندھار اور کابل فتح کرنے براستہ سندھ شکار پور پہنچے۔ پہلی بار نائب محمد حسن کے توسط سے سید محمد شریف کو ان کی خدمت میں روانہ کیا۔ بار ثانی خود ملا محمد حسن کو بادشاہ اور انگریزوں کے پاس بھیجا۔ نائب محمد حسن نے آ کر بادشاہ سے ملاقات کی۔ سید محمد شریف اور سکندر برنس صاحب کو بڑی تمناؤں کے ساتھ خان صاحب کی خدمت میں بھجوایا گیا تا کہ خان صاحب شالکوٹ (کوئٹہ) آ کر بادشاہ کو سلام کریں اور میکناٹن صاحب سے بھی ملیں' جو لاٹ کے عہدہ پر متمکن ہوئے ہیں۔ چونکہ انگریزوں کے لشکر کو جلدی سے اس ملک سے گزرنا تھا' خان صاحب اتنی جلدی وہاں نہیں جاسکے' نہ ہی ان کے سرداروں میں سے کوئی شخص وہاں حاضر تھا جن کو ساتھ لے کر اور لشکر جمع کر کے سکندر برنس کے ساتھ بادشاہ کے سلام کو جاتے۔ سکندر برنس اس سے کبیدہ خاطر ہوئے اور واپس ہو کر شالکوٹ میں اپنے اس لشکر سے جا ملے جو قندھار روانہ ہونے والا تھا۔ افغانستان پہنچتے ہی افغانوں کی بے اتفاقی کی وجہ سے انہوں نے قندھار اور کابل کو تسخیر کر لیا۔ قندھار سے انگریزوں نے بین صاحب کو واپس شالکوٹ بھیجا اور لبدین صاحب کو مستونگ میں تعینات کیا۔ لبدین صاحب نے مجھے کہا آخری تجویز یہ ہے کہ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں یہاں مستونگ میں قیام کروں گا اور تم فی الفور اپنے آقا کے پاس جا کر ان سے ملو اور ان کو زر و مال اور اہل و عیال کے ساتھ قلات کے قلعہ سے باہر نکلوا دو اور جس طرف چاہو بھجوا دو۔ اس وقت میں ان پر یہی احسان کر سکتا ہوں۔ میں مستونگ سے روانہ ہو کر واپس قلات آیا اور خان صاحب کے حضور سے مشرف ہوا اور کیفیت من و عن ان سے بیان کر دی۔ خان صاحب نے فرمایا کہ انگریز لندن اور تمام ہندوستان کا بادشاہ ہے' اب اس نے کابل اور قندھار کو بھی فتح کر لیا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ جو غلبہ اور قوت اسے حاصل ہے اس کا مقابلہ ہم

Scanned by CamScanner

نہیں کر سکتے لیکن اس ملک سے فرار ہو کر ہم کہاں جائیں۔ ہمارے آباؤ اجداد اس سرزمین میں گزرے اور حکمرانی کرتے رہے ہیں..... الحمدللہ کہ اپنی زندگی میں ہم نے کسی کے سامنے اپنا سر نہیں جھکایا' خود مختار حکمران رہے ہیں' پھر آج کیوں نہ سر کٹوا دیں اور محنت و رنج کا خونابہ بھرا جام نوش کریں۔ اللہ جل شانہ کی درگاہ سے ہمیں امید ہے کہ جرعۂ شہادت اس بندۂ گنہگار کو نوش کرائے گا۔ اس میں شک نہیں کہ اس باب میں انہوں نے اپنا سر کٹوا دیا' جنگل کے شیر کی طرح میدانِ جنگ میں کود پڑے اور ایسی مردانگی دکھائی اور شجاعت کا ایسا کارنامہ سرانجام دیا کہ کسی اور بادشاہ نے نہیں کیا اور ماہِ رمضان 1250ھ کی پانچویں تاریخ کو ساقیٔ ازل کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمایا' دار الفناء سے بہ سوئے دار البقاء گئے۔''

1666ء میں احمد زئی قبیلے نے قلات پر قبضہ کیا اور 1948ء تک پاکستان کی طرف سے بزورِ قوت الحاق تک اسی قبیلے نے قلات اور بلوچستان کے بڑے حصے پر حکومت کی۔ ایک دَور میں بحیرہ عرب کے ساحل سے لے کر دریائے سندھ تک احمد زیوں کی حکومت رہی۔ ہڑند اور داجل کے علاقے جو آج کل صوبہ پنجاب کے ضلع راجن پور میں ہیں' ریاست قلات کا حصہ رہے ہیں۔ احمد زئی بلوچوں نے مغلوں' باروزئیوں' افغانوں اور ایرانیوں سے کئی جنگیں لڑیں اور اپنی ریاست کو آزاد رکھا۔ اگرچہ ریاست کی حدود گھٹتی بڑھتی رہیں۔

قلات کا طاقتور ترین حکمران میر نصیر خان نوری تھا' جس کے عہد میں گوادر' خاران' لس بیلا' ہڑند اور داجل کے علاقے قلات کے زیرِ نگین ہوئے۔

1837ء میں جب الیگزینڈر برنس کابل جا رہا تھا تو اس وقت میر نصیر خان کا پوتا میر محراب خان قلات پر حاکم تھا۔ برنس نے گنداوہ میں موجود میر محراب خان کے ولی عہد میر نصیر خان دوم سے درۂ بولان سے گزرنے کی اجازت حاصل کی۔ پہلی افغان جنگ کے دوران انڈس آرمی کو درۂ بولان عبور کرنے کے لیے میر محراب خان کی اجازت درکار تھی چنانچہ لیفٹیننٹ لیچ کو قلات بھیجا گیا۔ میر نے اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ اگرچہ دربار میں لیچ کا رویّہ آدابِ سفارت کے منافی تھا' لیکن میر نے درگزر سے کام لیا' اسے قلات کی کمزوری پر محمول کیا گیا۔ درحقیقت ریاست کچھ کمزور بھی تھی کیونکہ ساراوان اور جھلاواں کے کئی علاقے اس کے ہاتھ سے نکل چکے تھے۔ لیچ کے نامناسب روّیے کی وجہ سے کوئی مستقل سمجھوتہ طے نہ پا سکا' لیکن میر نے انگریزوں کو اپنی حدود میں سے گزرنے اور غلہ اور چارہ خریدنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ کچھی کے بنیوں کو اجناس

Scanned by CamScanner

خرید کر ذخیرہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ بعض ذخائر ڈومبکیوں نے لوٹ لیے تو الیگزینڈر برنس نے اس کا ذمہ دار خان آف قلات کو ٹھہرایا اور ایک توہین آمیز دھمکیوں بھرا خط انہیں ارسال کیا اور انگریز کیمپ میں موجود خان کے ایک رشتہ دار اور باغی شاہنواز خان کے حوالے سے لکھا کہ ریاست کا جائز وارث ان کے کیمپ میں موجود ہے۔ ایسا ہی خط شاہ شجاع الملک نے بھی میر محراب خان کے تمام تر احسانات کو فراموش کرتے ہوئے ارسال کیا۔

میر محراب خان نے جواباً لکھا کہ اس نے کوئی عہد شکنی نہیں کی' غلہ لوٹنا قبائلیوں کا انفرادی فعل ہے' وہ اس کا ذمہ دار نہیں۔ میر نے اپنے نمائندہ ملا محمد حسن کو انگریز لشکر میں بھیجا جو اس وقت بھاگ کے مقام پر پہنچ چکا تھا۔ ملا محمد حسن اخوند فتح محمد کا بیٹا تھا' جو افغانستان کا باشندہ تھا۔ وہ ایک جاہ پرست اور سازشی شخص تھا۔ انگریزوں کے کیمپ میں افغانستان کا بادشاہ موجود تھا اور پھر انگریزوں کی طاقت کا ڈنکا ہر طرف بج رہا تھا' چنانچہ ملا محمد حسن نے موقع سے فائدہ اٹھانے کی ٹھانی۔ اس نے میکناٹن کو خان کی کمزوریوں سے آگاہ کیا۔ شاہ نواز کی وفاداریوں کی تعریفیں کیں اور میر محراب خان کی مفروضہ سازشوں کی کہانیاں گھڑیں۔ میکناٹن نے اسے انعامات سے نوازا۔ قلات واپس پہنچ کر اس نے خان سے کہا کہ میں نے انگریزوں کو خوش کرنے اور آپ کے بارے میں ان کی رائے تبدیل کرنے کی بہت کوششیں کیں' لیکن انگریز کچھ سننے پر آمادہ نہیں' وہ آپ کو قتل کر کے ریاست شاہ نواز کے سپرد کرنا چاہتے ہیں' چنانچہ جنگ کے بغیر کوئی چارہ نہیں' جارحیت ہی بہترین دفاع ہے' لہٰذا بولان سے گزرتے وقت انگریز لشکر پر حملہ کر دینا چاہیے' لیکن میر محراب خان اس پر آمادہ نہ ہوئے۔ چنانچہ ملا محمد حسن نے خان کی مہر لگا کر بعض سرداروں کو خطوط تحریر کیے جن میں انگریزوں پر حملے کی ہدایت کی گئی اور اس طرح کی منصوبہ بندی کی گئی کہ یہ خطوط پکڑے جائیں' چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دوسری طرف حریت پسند بلوچ قبائل نے کچھی سے لے کر بولان تک کئی مقامات پر انگریزوں پر حملے کیے' مگر اس کا الزام میر محراب خان پر لگا۔ انگریز سپاہ شالکوٹ پہنچ گئی تو ولیم میکناٹن نے تدبر سے کام لیتے ہوئے میر محراب خان کے ساتھ معاملات درست کرنے کی کوشش کے طور پر الیگزینڈر برنس کو قلات بھیجا۔ مذاکرات کے نتیجے میں درج ذیل معاہدہ طے پا گیا:

1- انگریز افواج کو کچھی اور بولان سے گزرنے کی اجازت ہوگی اور ان کے رسل و رسائل اور کمک کے کاروانوں کی حفاظت خان آف قلات کی ذمہ داری ہوگی۔

2- خان بہ وقت ضرورت فوج کو راشن اور بار برداری کے جانور مہیا کریں گے۔

Scanned by CamScanner

3- میر محراب خان شالکوٹ جا کر شاہ شجاع الملک سے اظہار وفاداری کریں گے۔

4- ایسٹ انڈیا کمپنی اور شاہ شجاع الملک خان قلات کو بلوچستان کا بادشاہ تسلیم کرتے ہیں اور ہر طرح سے ان کی امداد کریں گے۔

5- کمپنی اور شاہ کی طرف سے خان آف قلات کو ڈیڑھ لاکھ روپیہ سالانہ بطور امداد دیئے جائیں گے۔

ملا محمد حسن کے ساتھی سید محمد شریف نے' جو خان کے خلاف بغض رکھتا تھا' الیگزینڈر برنس کے کان بھرے اور کہا کہ خان اسے قتل کر کے معاہدے کی دستاویز چھین لینا چاہتا ہے' چنانچہ برنس خاموشی سے کیمپ چھوڑ کر نکل گیا اور دستاویز اور دو ہزار روپے نقد محمد شریف کے سپرد کر گیا۔ منصوبے کے مطابق محمد شریف کے بھتیجے نے کیمپ لوٹ لیا۔ محمد شریف نے کوئٹہ پہنچ کر اس کی اطلاع برنس کو دی اور بد عہدی کا الزام میر محراب خان پر لگا۔

دوسری طرف ملا محمد حسن نے خان سے کہا کہ انگریز اسے کوئٹہ بلا کر گرفتار کرنا چاہتے ہیں' وہاں سے اسے کلکتہ بھیج دیا جائے گا۔ میر محراب خان تذبذب میں تھے کہ اسی دوران برنس کا پیغام آ گیا کہ معاہدہ منسوخ کر دیا گیا ہے' خان شالکوٹ (کوئٹہ) آنے کی زحمت نہ کرے۔ افغانستان کی مہم سے واپسی پر میجر جنرل ٹامس ولشائر کا بریگیڈ کوئٹہ پہنچا تو کلکتہ سے لارڈ آکلینڈ کا حکم ملا کہ قلات کی سرکوبی کی جائے اور محراب خان کو گرفتار کر کے کلکتہ بھیجا جائے۔ 3 نومبر 1839ء کو جنرل ولشائر کا بریگیڈ شالکوٹ سے قلات کے لیے روانہ ہوا۔ میر محراب خان نے ساراوان اور جھالاوان کے سرداروں کو بلوچی غیرت کے نام پر مدد کے لیے بلایا لیکن ان کی غیرت کی گرمی روپوں کی بارش سے سرد ہو چکی تھی۔ یہاں تک کہ ایک سردار رشید خان زرکزئی کے پاس میر نے اپنی بیٹی کو مدد طلب کرنے بھیجا' جو نہ ملی۔ میر نے اپنے ولی عہد نصیر خان کو لشکر جمع کرنے کے لیے نوشکی روانہ کیا اور خود چند سو سپاہیوں کے ساتھ قلات میں ڈٹا رہا۔ مستونگ میں ساراوان کے سرداروں نے جنرل ولشائر کا خیر مقدم کیا اور لشکر کو اناج اور چارے کے علاوہ اونٹ اور گھوڑے بھی فراہم کیے۔ قلات کا محاصرہ ہوا اور توپوں کے ذریعے شہر اور قلعے پر شدید گولہ باری ہوئی۔ انگریزی افواج شہر کے دفاعی حصار کو توڑ کر قلعہ میں داخل ہوئیں۔ بلوچوں نے قدم قدم پر دلیرانہ مزاحمت کی۔ جنرل ولشائر لکھتا ہے:

''ہماری تینوں رجمنٹوں کے تمام حملہ آور دستے راستہ بناتے

Scanned by CamScanner

ہوئے دشمن کی گولیوں کی زبردست بوچھاڑ میں جو قلعہ کے اندرونی حصے اور آس پاس کے مورچوں سے ان پر ہو رہی تھی، جس قدر جلد ممکن ہو سکتا تھا داخل ہوتے رہے۔ دشمن قدم قدم پر نہایت بہادری، پامردی اور جوش کے ساتھ لڑتا رہا۔ دشمن نے قلعہ کے اندرونی حصے تک اسی طرح مقابلہ کیا اور ایک ایک انچ زمین کے لیے لڑا..... میر محراب خان نے اپنے آدمیوں کی کمان کرتے ہوئے دلیرانہ مدافعت پیش کی اور کئی معتبرین کے ساتھ تلوار ہاتھ میں لیے مارا گیا۔"

اس جنگ میں انگریزوں کے چار کپتان، دو لیفٹیننٹ، ایک ایڈ جوٹینٹ اور ایک سو تیس فوجی مارے گئے۔ میر محراب خان کے ساتھ ان کا وزیر دیوان بچل مل اور وفادار سردار میر عبدالکریم رئیسانی، میر ولی محمد خان شاہی زئی مینگل، میر داد کریم شاہوانی، فضل خان لہڑی، نبی بخش خان جتوئی، قیصر خان بزنجو، شاہ دوست بزنجو، محمد رضا وزیر خیل، نور محمد اور تاج محمد شاغاسی خیل اور سینکڑوں بلوچ بہادروں نے اپنی مٹی کو خون کا نذرانہ پیش کیا۔

دسمبر 1839ء میں انگریزوں نے نوجوان میر شاہ نواز خان کو لبدین صاحب (لیفٹیننٹ لوڈے) کی سرپرستی میں قلات کے تخت پر بٹھایا۔ Loveday کو قلات کا پولیٹیکل افسر مقرر کیا گیا، فوج اور لیویز کا ایک ایک دستہ بھی قلات میں تعینات کیا گیا۔ ملا محمد حسن کو غداری کے صلے میں کوئی انعام نہ مل سکا کیونکہ میر محراب خان کے محل سے انگریزوں کو ملا کے متعدد خطوط ملے جس میں اس نے میر کو انگریزوں کے خلاف اکسانے کی کوشش کی تھی۔ ملا کے گھر کی تلاشی لی گئی تو وہاں سے شاہی مہر لگے ہوئے کئی سفید کاغذ ملے اور بے حساب مال و دولت بھی برآمد ہوا جو سب انگریزوں نے ضبط کر لیا اور اسے سکھر میں قید کر دیا گیا۔ انگریز مؤرخ اور صحافی چارلس میسن نے قلات پر حملے اور میر محراب خان کے قتل کو ظالمانہ اقدام ٹھہرایا ہے۔ سر ہنری ڈیورنڈ نے تمام الزام شاہ شجاع الملک کے سر ڈال دیا۔ وہ لکھتا ہے کہ "شاہ شجاع الملک نے انگریزی اقتدار کے زیر اثر اپنے محسن، میزبان اور تعاقب کنندگان سے بچا کر پناہ دینے والے میر محراب خان کو ایک سپاہیانہ موت اور اس کے کمزور دارالحکومت کو غارت گری کا صلہ دیا۔"

میر محراب خان کی شہادت کے بعد انگریزوں نے میر نصیر خان کو گرفتار کرنے کی متعدد

Scanned by CamScanner

کوششیں کیں۔ وہ نوشکی کے مینگلوں کے پاس امداد لینے گئے تھے چنانچہ مینگلوں پر حملہ کیا گیا۔ مینگلوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن اپنی کمزوری کا احساس کرتے ہوئے میر نصیر خان کو پنج گور بھجوا دیا۔ انگریزوں نے یہ اطلاع پا کر پنج گور پر حملہ کیا اور بری طرح لوٹ مار کی۔

اس دوران بلوچستان بھر میں انگریزوں کے خلاف بغاوتیں شروع ہو گئی تھیں۔ مریوں نے انگریزوں کے ایک بڑے لشکر کو شکست فاش سے دوچار کیا تھا چنانچہ قبائل کے حوصلے بڑھے۔ ساراوان میں بغاوت ہوئی' کاکڑوں اور ساراوانی بلوچوں نے کوئٹہ پر حملے کیے۔ اسی دوران میر نصیر خان مستونگ پہنچ گئے اور لشکر جمع کر کے جولائی کے آخر میں قلات پر حملہ کر دیا۔ شاہ نواز خان عددی اور سلاحی برتری کے باوجود حوصلہ ہار بیٹھا اور جان بخشی کے وعدے پر ہتھیار ڈال کر خضدار چلا گیا اور میر نصیر خان دوم خانِ قلات بن گئے۔

☆☆☆☆

Scanned by CamScanner

فارورڈ پالیسی، رابرٹ سنڈیمن، رچرڈ آئزک بروس

سر رابرٹ گروس سنڈیمن 1835ء میں پرتھ شائر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سینٹ اینڈریوز اور پرتھ میں حاصل کی۔ ان کے والد ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج میں تھے۔ انہوں نے میجر جنرل کے عہدے تک ترقی کی۔ رابرٹ سنڈیمن 1856ء میں فوج میں بھرتی ہوئے۔ 1857ء کی جنگ میں حصہ لیا اور دو بار گھائل ہوئے۔ 1859ء میں سول سروس میں چلے گئے۔ چند ماہ پشاور اور کوہاٹ میں رہنے کے بعد اسسٹنٹ کمشنر ڈیرہ غازی خان مقرر ہوئے اور بعدازاں ڈپٹی کمشنر ہوگئے۔ 1877ء کے اوائل میں بلوچستان میں ایجنٹ ٹو گورنر جنرل مقرر ہوئے اور 29 جنوری 1892ء کو لس بیلہ میں انتقال اور تدفین تک اسی عہدے پر فائز رہے۔

ان دنوں بلوچستان کا انتظام وانصرام سندھ حکومت کے سپرد تھا جبکہ ڈیرہ غازی خان اور ملحقہ مری بگٹی علاقے حکومت پنجاب کے سپرد تھے۔ حکومت سندھ بلوچستان میں عدم مداخلت اور کلوزڈ بارڈر پالیسی چاہتی تھی جبکہ رابرٹ سنڈیمن فارورڈ پالیسی کے حامی تھے۔ جب بینجمن ڈزرائیلی وزیراعظم بنے اور لارڈ سالسبری وزیر امور ہند اور 1876ء میں لارڈ لٹن کو وائسرائے ہند مقرر کیا گیا، تو فارورڈ پالیسی کو فروغ ملا۔ لارڈ لٹن نے اس سلسلے میں رابرٹ سنڈیمن کو اپنی آشیرباد دے دی۔

اولف کیرو کے بقول: ''ان کے ذہن میں پورے ہندوستان کا دفاع تھا اور اس بات کے لیے بے قرار تھے کہ روس کی ہوسِ ملک گیری کو روکنے کے لیے خان قلات کی مدد سے آگے بڑھ کر مورچہ قائم کیا جائے نہ کہ دریائے سندھ کے کنارے پر بیٹھ کر روسی حملے کا انتظار کیا جائے۔''

1875ء کے اواخر میں رابرٹ سنڈیمن اس سلسلے میں قلات گئے لیکن ناکام لوٹے، لیکن 1876ء کے اوائل میں جب وہ دوبارہ گئے تو ڈیرہ غازی خان سے لے کر بلوچستان تک کے تمام بلوچ

Scanned by CamScanner

سرداران کے ہمراہ تھے۔ انہوں نے مستونگ میں خان آف قلات اور مخالف بلوچ سرداروں کے درمیان معاہدہ کرایا اور یوں خان اور سرداروں سب نے حکومت برطانیہ کو واحد ثالث کے طور پر قبول کیا۔

میر خداداد خان نے جیکب آباد کا علاقہ لارڈ لٹن کو تحفے کے طور پر پیش کیا۔ 1879ء تک سکھر سے سبی ریلوے لائن بچھائی جا چکی تھی اور اگلے دس سال میں یہ چمن تک افغان سرحد پر پہنچ چکی تھی۔ فارورڈ پالیسی کے ذریعے اگرچہ بلوچستان پر انگریز حاکیت قائم ہوگئی لیکن اس کے مثبت اثرات بھی مرتب ہوئے' امن وامان قائم ہوا' قبائلی تنازعات کا خاتمہ ہوا' باہمی دشمنیاں کم ہوئیں' بین القبائلی جرگے کے ذریعے تنازعات کے حل کے لیے ایک اچھا فورم میسر آیا۔ اسے سنڈیمن سسٹم کا نام دیا گیا۔ 1866ء میں ڈیرہ غازی خان کی سرحد پر شروع ہونے والا یہ نظام آج بھی کسی نہ کسی شکل میں بلوچستان اور ڈیرہ غازی خانکے قبائلی علاقے میں موجود ہے۔

رچرڈ آئزک بروس کو رابرٹ سنڈیمن کے دست راست کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ بروس آئرلینڈ کے ایک جاگیردار گھرانے میں پیدا ہوا۔ وہ چھ بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا۔ 1848ء کے قحط اور مسٹر گلینڈسٹون کے قانون اصلاحِ اراضی کے نتیجے میں اس کے والد کی معاشی حالت اتنی اچھی نہ تھی کہ وہ اسے اعلیٰ پیشہ ورانہ تعلیم دلا سکیں۔ اس کا ایک بھائی رابرٹ بروس ایک پادری تھا۔ وہ 1858ء میں ہندوستان چلا گیا تھا اور 1868ء میں ڈیرہ اسماعیل خان چرچ مشن سوسائٹی کی ایک شاخ کا انچارج بنا' وہ لیفٹیننٹ گورنر پنجاب سر رابرٹ منٹگمری کا دوست تھا۔ سر رابرٹ نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اگر اس کا چھوٹا بھائی آئزک انڈیا آئے اور ہندوستانی زبان کا امتحان پاس کر لے تو وہ اسے سول سروس میں ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بھرتی کر لے گا۔ چنانچہ آئزک 21 جولائی 1862ء کو ساؤتھمپٹن سے ایک سٹیمر پر سوار ہوا' مالٹا' سکندریہ' قاہرہ اور عدن سے ہوتا ہوا بمبئی پہنچا۔ وہاں سے بذریعہ سٹیمر کراچی آیا۔ کراچی سے بذریعہ ٹرین کوٹری' کوٹری سے سٹیمر پر سوار ہوا اور دریائے سندھ میں سفر کرتا ہوا کوٹ مٹھن پہنچا اور وہاں سے گھوڑے پر بیٹھ کر ڈیرہ غازی خان اور تونسہ ہوتا ہوا ڈیرہ اسماعیل خان۔ مئی 1863ء میں اس نے مطلوبہ امتحان پاس کیا اور بطور ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر گوگیرہ (موجودہ ساہیوال) تعینات ہوا۔ 1864ء میں اس کا تبادلہ ڈیرہ غازی خان کر دیا گیا اور دو سال بعد راجن پور۔ اسی سال رابرٹ سنڈیمن ڈیرہ غازی خان کے ڈپٹی کمشنر بن کر آئے۔ انہوں نے نوجوان رابرٹ کو پسند کیا اور اسے اپنا چھوٹا بھائی بنا لیا اور پھر وہ

Scanned by CamScanner

ان کی تقریباً تمام مہمات میں شامل رہا۔ ان کی تفصیل اس نے اپنی کتاب ''فارورڈ پالیسی اور اس کے نتائج'' میں بیان کی ہے۔ انہی دنوں کیپٹن جان جیکب نے اپنی ایک رپورٹ میں لکھا:

''یہ بات یقینی ہے کہ مری خان آف قلات کے بدترین دشمن ہیں۔ کئی سالوں سے انہوں نے خان کے ملک کے بہترین علاقے کچھی کو لوٹ مار کا نشانہ بنا کر ویرانے میں بدل ڈالا ہے اور خان اس خون خوار قبیلے کی تاخت وتاراج سے بچنے کے لیے سرکار برطانیہ سے مدد مانگتا رہا ہے۔ ہماری مدد کے بغیر خان ان پر قابو نہیں پا سکتا۔ مری برطانوی حدود میں بھی جرائم کا ارتکاب کر چکے ہیں..... وسط ایشیا اور سمندر کے درمیان تجارت میں سب سے بڑی رکاوٹ کچھی اور بولان کے درمیان سفر کا غیر محفوظ ہونا ہے۔ یہاں سے سامان تجارت نہیں گزارا جا سکتا۔ صرف چند ہی بڑے تجارتی قافلے' جو مقامی قبائل کے مسلح افراد کی خدمات حاصل کرتے ہیں' یہاں سے گزر پاتے ہیں۔ اس کے باوجود بھی وہ محفوظ نہیں رہتے کیونکہ مری لشکروں کی صورت میں دھاوے بولتے ہیں اور بڑے سے بڑے قافلے کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔ قلات کی کمزور حکومت ان پر قابو پانے میں مکمل طور پر ناکام رہی ہے۔ مری قبائل کا یہ بھی خیال ہے کہ حکومت برطانیہ ان سے خوفزدہ ہے۔'' (16 اپریل 1853ء)

مسٹر گرفن نے لکھا کہ ''مری کی طرح بگتی بھی ایک ایسا قبیلہ ہے جس کا کام صرف اور صرف لوٹ مار ہے۔ خان آف قلات سے ان کی اطاعت برائے نام ہے اور ان کی لوٹ مار کا بڑا ہدف ریاست قلات کا علاقہ رہا ہے۔ اگرچہ وہ مریوں کے دشمن ہیں لیکن ہمسایہ سرزمینوں کو تاخت وتاراج کرنے کے لیے متحد ہو جاتے ہیں۔''

جب رابرٹ سنڈیمن نے ڈیرہ غازی خان کے ڈپٹی کمشنر کی حیثیت سے چارج سنبھالا تو ڈیرہ بلوچستان سرحد پر ''کلوزڈ بارڈر سسٹم'' چلتا تھا۔ ڈیرہ غازی خان کے میدانی علاقوں کو پنجاب میں ضم کیا جا چکا تھا جبکہ پہاڑی علاقوں اور کوہ سلیمان کے درّوں پر آزاد قبائل کا کنٹرول تھا۔ برطانوی ہند کے آفیسرز اور اہلکاروں کے لیے کوہ سلیمان کے درّے ایک سرخ لکیر تھے' جس کے پار وہ نہیں جا سکتے تھے جبکہ دوسری طرف سے قبائل بہ آسانی برطانوی کنٹرول کے علاقے میں داخل ہو جاتے تھے اور قتل وغارت اور لوٹ مار کے بعد بحفاظت اپنے علاقوں کو لوٹ جاتے تھے۔ اتنے طویل پہاڑی سلسلے کی نگرانی ممکن نہ تھی چنانچہ برطانوی ہند کی رعایا مصائب کا شکار تھی۔ مقامی حکام بعض سرداروں کے ذریعے جن کی درّوں کے پار

Scanned by CamScanner

رشتہ داریاں تھیں یا اثر ورسوخ تھا' لوٹ کے مال کی واپسی کی کوششیں کرتے تھے۔ اس طرح ''مڈل مین'' کا طبقہ وجود میں آیا' جو اپنی حیثیت کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے سرکار کے نام پر اپنے ذاتی مفادات پورے کرتا تھا اور سرحد کے دونوں طرف کافی اثر ورسوخ حاصل کر لیا تھا۔ رابرٹ سنڈیمن نے مڈل مین کا کردار ختم کرنے اور براہ راست درّوں کے پار بلوچستان کے قبائل سے روابط قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔

اس کا آغاز سردار جمال خان لغاری کے اثر ورسوخ کے خاتمے سے کیا گیا۔ ان پر کرپشن کے الزامات لگا کر ان سے لارڈ صاحب کے دربار میں کرسی نشینی اور مجسٹریسی اختیارات چھین لیے گئے۔ ان پر مقدمہ بھی قائم کیا گیا لیکن گواہوں کے منحرف ہو جانے کی وجہ سے انہیں سزا نہ ہو سکی جبکہ ان کے ایجنٹ ہری رام کو سات سال قید اور ہزار روپے جرمانہ کی سزا سنائی گئی۔ سردار جمال خان لغاری کے اس ''انجام'' سے دیگر ''مڈل مین'' حضرات بھی اپنی اوقات میں آ گئے۔ اس کے بعد رابرٹ سنڈیمن نے سر ہنری گرین پولیٹیکل سپرنٹنڈنٹ بالائی سندھ کی رضامندی سے سردار امام بخش مزاری (بعد ازاں نواب سر امام بخش کے سی آئی) کے ذریعے سردار غلام مرتضٰی بگٹی کے ساتھ سلسلہ جنبانی کیا۔ سردار مزاری مرتضٰی خان کو راجن پور لے کر آئے اور سنڈیمن سے ملاقات کرائی۔ مرتضٰی خان نے حکومت کے ساتھ تعاون کا فیصلہ کیا' بعد ازاں ان کے فرزند شہباز خان بگٹی (نواب اکبر خان بگٹی کے دادا) کو نواب کا خطاب دیا گیا۔ یہ فارورڈ پالیسی کا نقطہ آغاز تھا۔ سنڈیمن بلوچ سرداروں کے ساتھ کوہ سلیمان کے درّے پار کر کے بلوچستان میں داخل ہوئے..... پھر انہوں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

بلوچوں کے بعد انہوں نے بروہیوں' کاکڑوں اور وزیریوں کے ساتھ تعلقات قائم کیے۔ انہوں نے سرداروں کے مفادات کی شناخت کی اور انہیں پورا کرنے میں ان کی مدد کی اور پھر انہیں سرکار برطانیہ کے مفادات کے لیے استعمال کیا۔

سر رابرٹ سنڈیمن مزاری' دریشک' گورچانی اور ٹمی لُنڈ کے تمنداروں اور تین سو افراد کے ساتھ شم کے میدان میں پہنچے' جہاں مرتضٰی خان بگٹی نے ان کا استقبال کیا۔ وہ ان کو ساتھ لے کر مرنج گئے' وتا کری گئے۔ مسٹر سنڈیمن کی خواہش پر سردار مرتضٰی خان نے تمام بگٹی مقدمین کو سیاہ آف کے مقام پر جمع کیا' صرف ایک مقدم غلام حسین مسوری نے اس جرگے میں شرکت نہ کی۔

Scanned by CamScanner

غلام حسین ایک بڑے گروہ کا سربراہ تھا' جس میں بگٹیوں کے علاوہ کھتران اور ہدیانی لغاری بھی شامل تھے اور وہ میدانی علاقوں میں دھاوے بولتا تھا۔ کچھ دنوں بعد سنڈیمن نے جام پور میں ایک جرگہ منعقد کیا۔ اب کے مرتضیٰ خان غلام حسین کو بھی وہاں لے جانے میں کامیاب ہوئے لیکن غلام حسین نے لوٹ کا مال واپس کرنے سے انکار کیا اور ناراض ہو کر چلا گیا اور لشکر منظم کرنے لگا۔ وہ بارہ سو افراد کا لشکر لے کر قلعہ ہڑند کے قریب میدانی علاقے میں داخل ہوا' لیکن سردار غلام مرتضیٰ خان اس کی نقل و حرکت سے لمحہ بہ لمحہ مسٹر سنڈیمن کو آگاہ کر رہا تھا۔ 26 جنوری 1867ء کو برطانوی فوج اور مقامی تمنداروں کے لشکر نے کھبی وڈہ کے قریب غلام حسین کے لشکر کو بے خبری میں گھیر لیا' غلام حسین اپنے 250 ساتھیوں سمیت مارا گیا' 24 افراد گرفتار ہوئے اور باقی نے راہِ فرار اختیار کی۔ غلام حسین کے رشتہ داروں اور قریبی ساتھیوں نے بجرانی مریوں کے پاس پناہ حاصل کی' وہاں سے وہ چھوٹے گروہوں کی صورت میں آ کر حملہ آور ہوتے لیکن مقامی سرداروں کی طرف سے اطلاعات رسانی کا انتظام اس قدر عمدہ تھا کہ انہیں شاذ ہی کامیابی نصیب ہوتی' وہ مارے جاتے یا گرفتار ہو جاتے۔

ہڑند میں گرفتار ہونے والوں میں مریوں کی بڑی تعداد تھی' اسے غنیمت جانتے ہوئے سنڈیمن نے ان کی رہائی پر مذاکرات کے لیے سردار گزین خان مری کو طلب کیا' مری سردار اپنے مقدمین کے ہمراہ راجن پور آئے چنانچہ ان کے ساتھ بھی بگٹیوں جیسا سمجھوتہ طے پا گیا۔ گورنمنٹ نے سردار گزین خان کا الاؤنس مقرر کیا اور بیس سواروں پر مشتمل مری لیویز کی بھرتی عمل میں آئی۔ غلام حسین مسوری کے گروہ کی باقیات بھی مری سردار کے دباؤ پر سنڈیمن کے حضور میں پیش ہو گئے' لوٹ کا مال واپس کیا اور معافی پائی۔

اسی سال لیفٹیننٹ گورنر پنجاب سر ڈونالڈ میکلوڈ بہاول پور کے دورے پر آئے' احمد پور میں دربار منعقد کیا گیا۔ سرحد کے دونوں طرف کے بلوچ سرداروں کو مدعو کیا گیا۔ یہ ایک بڑا دلچسپ تجربہ تھا۔ اکثر کھیتران' بگٹی اور مری سرداروں نے دریائے سندھ جتنا بڑا دریا کبھی نہ دیکھا تھا اور نہ کبھی کشتی میں بیٹھے تھے۔ سرداروں کو خلعتیں دی گئیں اور قدر افزائی کی گئی۔ بعد ازاں رابرٹ سنڈیمن نے ڈیرہ غازی خان سرحد کے قبائل بزدار' قیصرانی اور ہدیانی کے ساتھ معاملات طے کیے جبکہ آئزک بروس نے راجن پور کے درکانی (گورچانی) اور لاشاری وغیرہ کو اپنے حلقہ اثر میں لیا۔

Scanned by CamScanner

سنڈیمن، قلات مشن 1875-1877

1875ء کے موسم سرما میں سراواں اور جھلاوان کے سردار خان آف قلات کے خلاف بغاوت کی تیاریاں کر رہے تھے۔ 25 دسمبر ڈی ڈے مقرر کیا گیا۔ منصوبہ یوں تھا کہ خاران کا سردار آزاد خان نوشیروانی سوراب کے راستے قلات پر حملہ کرے گا، سردار گوہر خان زرک زئی زہری سے قلات پر حملہ آور ہوگا، سردار ملا محمد رئیسانی کو کچھی پر قبضہ کرنے کے بعد براستہ بولان قلات کی طرف بڑھنا تھا۔ سراوان کے لشکر نے جوہان کا راستہ منتخب کیا۔ کامیابی کی صورت میں میر خداداد خان کو معزول کر کے ان کے فرزند میر محمود خان کو قلات کی مسند پر بٹھایا جانا تھا۔ دوسری طرف مری اور بگٹی پنجاب میں تو اپنے معاہدوں پر دیانتداری کے ساتھ عمل کر رہے تھے جبکہ بالائی سندھ اور خان قلات کی حدود میں ان کے حملوں اور لوٹ مار میں اضافہ ہوگیا تھا۔ رابرٹ سنڈیمن کی خواہش تھی کہ سندھ قلات بارڈر پر بھی کوئی انتظام عمل میں آجائے لیکن بالائی سندھ کا کمشنر سر ولیم میری ویدر اس سے متفق نہ تھا۔ اس کی رائے تھی کہ خان قلات ایک خود مختار حکمران ہیں، ان کے اور سرداروں کے باہمی مسائل قلات کا اندرونی معاملہ ہیں، اس میں مداخلت نہیں کرنی چاہئے جبکہ سنڈیمن کا خیال تھا کہ خان آف قلات صرف بروہی کنفیڈریسی کے سربراہ ہیں اور انہوں نے سرداروں کے حقوق غصب کر کے انہیں بغاوت پر مجبور کیا ہے چنانچہ علاقے میں افراتفری زیادہ ہوگئی ہے اور حالات بہت بگڑ گئے ہیں۔ نومبر 1875ء کو حکومت ہند نے سنڈیمن کی قیادت میں ایک مشن مری بگٹی علاقے اور قلات بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا جو حالات کا بغور جائزہ لے گا۔ مری اور بگٹی کے آپس کے تضادات، ان کے خان قلات اور افغان حکومت کے ساتھ تضادات کا مطالعہ، ان کے حل کے لیے تجاویز، قندھار کے ساتھ تجارت کے لیے بولان کے بجائے متبادل راستہ تلاش کرنا، خاص طور پر تھل چوٹیالی روٹ کو کھولنے کے بارے میں تجاویز پیش کرے گا۔ اجازت ملتے ہی رابرٹ سنڈیمن ڈیرہ غازی خان کے تمنداروں، ان کے 1200 سواروں اور ایک مختصر فوجی دستے کے ساتھ بلوچستان روانہ ہوئے۔ مری، بگٹی اور کھتران تمنداروں نے ان کا والہانہ استقبال کیا۔ سب سے پہلے یہ لوگ کاہان گئے، وہاں سے بی۔ ان کے ساتھ درج ذیل بلوچ سردار تھے امام بخش خان مزاری، جمال خان لغاری، غلام حیدر خان لنڈ، سکندر خان کھوسہ، بابل خان بزدار، مہر اللہ خان مری، شہباز خان بگٹی اور سردار خان کھتران۔ پھر بولان کے راستے کوئٹہ گئے۔ کوئٹہ میں

Scanned by CamScanner

انہیں خان قلات کا پیغام ملا کہ وہ کہیں بھی ان سے ملنے کو تیار ہیں۔ بمبئی میں قیام کے دوران ملا محمد رئیسانی اور سراوان کے باغی سردار مسٹر سنڈیمن سے ملے اور اپنے مطالبات سے انہیں آگاہ کیا اور اب وہ بھی ان کے ساتھ تھے۔ قلات کے نواح میں ولی عہد میر محمود خان نے ان کا استقبال کیا۔ دوسرے دن سنڈیمن نے خان آف قلات سے ملاقات کی اور انہیں باغی سرداروں سے ملاقات پر آمادہ کر لیا۔ سنڈیمن تین دن اور قلات میں رہے لیکن سرداروں اور خان کے درمیان مفاہمت میں کوئی کامیابی نہ ہو سکی۔ خان نے سنڈیمن سے وائسرائے کی طرف سے پروانہ اختیارات طلب کیا لیکن سنڈیمن کے پاس ایسا کوئی پروانہ نہ تھا جس کی رُو سے وہ انگریزی حکومت کی طرف سے خان اور سرداروں کے درمیان مفاہمت کرانے کے مجاز ہوں چنانچہ مشن ناکام ہو گیا۔ واپسی پر سنڈیمن نے سراوان کے سرداروں کو بھاری رقوم دیں اور ان کو اپنی طرف سے بولان کی حفاظت پر مامور کر کے سواروں کی بھرتی کی ذمہ داری بھی سونپی۔

4 اپریل 1876ء کو سنڈیمن نے دوبارہ سفر قلات کا آغاز کیا۔ اس بار ان کے پاس وائسرائے لارڈ لٹن کا خط موجود تھا' جس میں خان کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ سنڈیمن کے مشوروں پر عمل کریں ''تا کہ انگریزی حکومت اپنی سرحدات کی حفاظت کے لیے کوئی اور قدم اُٹھانے پر مجبور نہ ہو۔'' سنڈیمن مئی کے اواخر میں مستونگ پہنچے' خان کو بھی مستونگ تشریف لانے کے لیے کہا گیا۔ ڈیرہ غازی خان سے لے کر ایران کی سرحد تک کے تمام بلوچ سردار وہاں موجود تھے۔ 31 مئی کو دربار منعقد ہوا۔ سنڈیمن نے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''مجھے یقین ہے کہ بلوچستان جیسی بڑی سلطنت کے بادشاہ' اس طرز حکومت کی تعریف کریں گے' جس کی روشنی میں برطانیہ ہندوستان جیسے عظیم ملک پر حکومت کر رہا ہے اور وہ ہے امن' تدبر' افہام و تفہیم' اپنے حقوق کی نگہداشت کے ساتھ دوسروں کے حقوق کا تحفظ۔''

خان اور سرداروں میں سمجھوتے کے لیے کمیٹی قائم ہوئی جس کے متعدد اجلاس ہوئے' سرداروں کے مطالبات اور خان کی شرائط پر غور و خوض ہوا' بالآخر سمجھوتہ ہو گیا۔

13 جولائی کو دربار منعقد ہوا جس میں سمجھوتہ پڑھ کر سنایا گیا:

1- سرداروں نے قدیم اصول اور روایات کے مطابق خان کی اطاعت کا عہد کیا ہے اور خان نے ان کے قدیم حقوق بحال کر دیئے ہیں۔

2- خان نے سردار ملا محمد رئیسانی کے بجائے اس کے بیٹے اسد خان کو' سردار تاج محمد

Scanned by CamScanner

زرک زئی کے بجائے میر گوہر خان کو اور سردار نور دین مینگل کے بجائے شکر خان کو متعلقہ قبائل کا سردار تسلیم کر لیا ہے۔

3- خان نے جام میر خان کی رہائی کی سفارش کی ہے۔

4- منضبط جائیدادوں کے متعلق سرداروں نے خان کا فیصلہ تسلیم کر لیا ہے۔

5- سرداروں نے بولان کے متعلق سنڈیمن کے ساتھ کیے گئے خان کے فیصلے کو مان لیا ہے۔

6- خان نے سرداروں کے وراثتی حقوق اور مراتب کی نگہداشت کا وعدہ کیا ہے۔

7- اپنے تمام متنازعہ امور کے تصفیے کے لیے خان اور سرداروں نے آئندہ انگریزی حکومت کو واحد ثالث قبول کر لیا ہے۔

بعد ازاں خان کو لارڈ لٹن سے ملاقات کے لیے جیکب آباد طلب کیا گیا۔ اس ملاقات میں یہ طے پایا کہ برطانوی حکومت ہز ہائی نس کی حدود میں جہاں ضروری سمجھے گی' اپنے فوجی دستے تعینات کر سکے گی۔ اسی شق کے تحت تین سو فوجی کوئٹہ میں تعینات کر دیے گئے۔ خان نے خان گڑھ (جیکب آباد) لارڈ لٹن کو تحفے میں پیش کیا۔ بعد ازاں خان کو دلی مدعو کیا گیا۔ سنڈیمن اور سردار بھی ہمراہ تھے۔ سنڈیمن کو سی ایس آئی کا خطاب دیا گیا۔ خان کی ملاقات ایڈورڈ ہشتم شاہ برطانیہ سے کرائی گئی۔

21 فروری 1877ء کو بلوچستان ایجنسی کا قیام عمل میں آیا جس کا ہیڈ کوارٹر کوئٹہ کو بنایا گیا۔ میجر سنڈیمن ایجنٹ ٹو گورنر جنرل مقرر کیے گئے۔ ان کے ساتھ ایک میڈیکل آفیسر اور تین پولٹیکل ایجنٹوں کی تقرری عمل میں لائی گئی۔ رچرڈ آئزک بروس کو پولٹیکل ایجنٹ کوئٹہ مقرر کیا گیا۔ بولان میں لیویز کے لیے چوکیاں تعمیر کی گئیں' مقامی قبائل میں سے لیویز کی بھرتی عمل میں آئی۔ کوئٹہ میں ریذیڈنسی تعمیر ہوئی۔ اسی سال ایک واقعے کو بہانہ بنا کر جس میں ایک انگریز افسر قتل اور ایک زخمی ہوا' کوئٹہ کے قلعے پر قبضہ کر لیا گیا۔

رابرٹ سنڈیمن نے قبائلی تنازعات کا جرگوں کے ذریعے تصفیہ کرایا۔ انہوں نے ریل اور تار کے ذریعے رسل و رسائل کو ترقی دی' ہسپتال اور سکول قائم کیے' زراعت کو ترقی دی' لیویز کے قیام کے ذریعے امن و امان قائم کرنے کے لیے اقدام اٹھائے گئے۔ سرداروں کو لیویز میں بھرتی کے اختیارات دیے گئے' انہیں الاؤنس دیے گئے۔ سر رابرٹ سنڈیمن 29 جنوری 1892ء کو

Scanned by CamScanner

لسبیلہ میں انتقال کر گئے اور وہیں دفن ہوئے۔ سنڈیمن نے بلوچستان میں افراتفری' طوائف الملوکی اور لوٹ مار کا بڑی حد تک خاتمہ کر دیا۔ اس کا رائج کردہ نظام جو سنڈیمن سسٹم کہلاتا ہے' مقامی قبائل کے رسوم و رواج' قبائلی کردار اور پسند و ناپسند سے مطابقت رکھتا تھا لہٰذا سنڈیمن نے بلوچستان میں خاصی مقبولیت اور ہر دلعزیزی حاصل کی۔ سنڈیمن سسٹم کے بنیادی اصول درج ذیل ہیں:

1- قبائلی افراد' سرداروں اور معتبرین کا احترام کیا جائے اور ان کے تمام معاملات کا جرگہ کے ذریعے فیصلہ کرایا جائے۔

2- جہاں تک ممکن ہو اپنا اثر و رسوخ استعمال کیا جائے' مگر زیادہ مداخلت سے حتی الوسع پرہیز کیا جائے۔

3- ہر سردار کو اس کے قبیلے کے اندرونی معاملات میں آزاد چھوڑ دیا جائے' لیکن کسی قبیلے کے لوگوں کی غلط حرکات اور لاقانونیت کی ذمہ داری سردار پر عائد کی جائے۔

4- خان کے مالگزار علاقے میں کم سے کم مداخلت کی جائے۔

5- دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرو جو تم اپنے ساتھ کیے جانے کی توقع رکھتے ہو' یہ حسن کردار جتنا ایک عیسائی کے لیے ضروری ہے' اتنا ہی ایک قبائلی کے لیے ضروری ہے۔

6- انتہائی محتاط اور منصفانہ تحقیق کے بغیر کسی قبیلے کو غلط نہ ٹھہرایا جائے' مکمل تحقیق کے بعد قبائل یا افراد کی حق رسی بہ طریق احسن کی جانی چاہیے۔

☆☆☆☆

Scanned by CamScanner

ہنری پوٹنگر اور بلوچستان کی مہم...
فرانسیسی خطرے کا سد باب

ہنری پوٹنگر ''گریٹ گیم'' کا ایک اہم کھلاڑی تھا۔ وہ 1789ء میں آئرلینڈ میں پیدا ہوا۔ وہ ایک چھوٹے زمیندار کے چار بیٹوں میں سے ایک تھا۔ چاروں نے مختلف اوقات میں حصولِ روزگار کے لیے ہندوستان کا رُخ کیا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ہنری صرف پندرہ سال کی عمر میں ہندوستان پہنچا اور بمبئی میں برطانوی بحریہ میں بھرتی ہو گیا لیکن جلد ہی ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج میں تبادلے کی درخواست دے دی۔ تبادلے کے عمل کے دوران اس نے بمبئی میں کمپنی کے کالج میں داخلہ لے لیا تاکہ مقامی زبانوں سے شناسائی حاصل کر سکے۔ اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے وہ جلد ہی اسسٹنٹ ٹیچر بن گیا۔ 1806ء میں اسے بری فوج میں قبول کر لیا گیا۔ جولائی 1809ء میں وہ انفینٹری میں لیفٹیننٹ بن گیا۔ اسی سال وہ نکولس سمتھ کے ساتھ سندھ گیا۔ 1810ء میں وہ بلوچستان اور فارس کے سفر پر روانہ ہوا۔ اس کے ساتھ کیپٹن چارلس کرسٹی بھی تھا' جو راستے میں اس سے جدا ہو گیا اور بعد ازاں ایران میں اس سے ملا۔ یہ سفر ایک اہم سیاسی اور سروے مشن تھا۔ اسے برطانوی ہند کو فرانسیسی خطرے سے محفوظ رکھنے اور یورپ سے ہندوستان تک زمینی راستے اور گزرگاہ کی حیثیت سے بلوچستان کا سروے کرنا تھا۔ وہ فروری 1811ء میں بمبئی لوٹا' چھ سال بعد اس کا سفرنامہ شائع ہوا تو یورپ میں اس کی دھوم مچ گئی۔ 1820ء میں وہ ریاست کچھ میں ریذیڈنٹ مقرر ہوا' جو مغرب کی طرف سے ہندوستان میں داخلے پر نظر رکھنے کے لیے ایک اہم جگہ تھی۔ وہ سندھ میں ریذیڈنٹ رہا' اس نے ککری کے مقام پر مرہٹوں کے خلاف جنگ میں بہادری کے جوہر دکھائے۔ بعد میں وہ ہانگ کانگ کا پہلا گورنر بنا۔ اسے بیرن بنایا گیا اور 1500 پونڈ پنشن

Scanned by CamScanner

تاحین حیات مقرر کی گئی۔ انیسویں صدی کے آغاز میں برطانیہ اور یورپی طاقتوں کے درمیان تجارت، سمندری راستوں اور نوآبادیوں کے حوالے سے رقابتیں عروج پر تھیں۔ نپولین کے عروج اور اینگلوفرنچ وارز کے آغاز سے ہندوستان میں برطانوی مقبوضات کی سلامتی خطرے میں پڑ گئی تھی۔ 1807ء میں نپولین نے ہندوستان پر قبضے کی منصوبہ بندی کی تھی۔ ان میں مصر اور مشرقِ وسطیٰ نیز وسط ایشیا کے راستے زمینی مہمات اور راس امید کے راستے سمندری مہمات کے منصوبے شامل تھے۔ فرانسیسی افسران نے ایران کے ساتھ ایک معاہدہ کرلیا تھا، جس کی رُو سے فرانسیسی تحفظ کے بدلے شاہ ایران برطانیہ کے ساتھ تمام تعلقات منقطع کرلیتا۔ اسی سال روس کے زار الیگزینڈر اور نپولین کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس میں باہمی اختلافات ختم کرنے کا عزم ظاہر کیا گیا۔ اس ملاقات میں ہندوستان پر مشترکہ حملے کے امکان کا بھی جائزہ لیا گیا۔ دونوں ممالک کی افواج نے ایران میں جمع ہونا تھا اور پھر مل کر ہندوستان میں پیش قدمی کرنا تھی۔ یورپ میں نپولین کی مہمات نے برطانوی ہند کے لیے فرانسیسی خطرے کو حقیقی بنا دیا تھا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے حکام خوف کا شکار تھے۔ اس وقت تک بلوچستان کے حکمران خان آف قلات اور ان کی فوجی قوت کے بارے میں کمپنی کے حکام زیادہ معلومات نہ رکھتے تھے۔ 1807ء میں برطانیہ اور روس کے تعلقات بہتر ہونا شروع ہوئے۔ 1809ء میں فارس کے ساتھ برطانیہ کا معاہدہ ہوگیا، لیکن خدشات برقرار تھے لہٰذا 1810ء میں علاقے کے جغرافیے، راستوں اور لوگوں کے بارے میں آگاہی کے لیے ایک مشن بلوچستان بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ہنری پوٹنگر اور کیپٹن کرسٹی کو یورپی افواج کے فارس کے پار کی زمینوں میں سے گزرنے کے امکانات کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا گیا۔ دونوں نوشکی تک اکٹھے گئے اور اس امر کی تصدیق کی کہ بلوچستان اور افغانستان کو صحرائے بلند فارس سے الگ کرتا ہے۔ یہاں سے دونوں علیحدہ ہوگئے۔ کرسٹی ہرات چلا گیا اور وہاں سے ایران جبکہ پوٹنگر صحرا کے جنوبی گوشے کے ساتھ ساتھ گیا اور اس راستے پر چلا جو ماضی میں افغانوں نے فارس پر حملے کے لیے استعمال کیا تھا۔ اس سے قبل 1808ء میں بریگیڈیئر جنرل مالکم کو ایلچی بنا کر ہندوستان سے ایران بھیجا گیا تھا اور اسی دوران برطانیہ سے سر ہارفورڈ جونز کو بھی فارس بھیجا گیا جس نے بادشاہ کو اسنادِ سفارت پیش کیں۔ پوٹنگر اور کرسٹی کے مشن کو خفیہ رکھنے کے لیے انہیں ایک ہندو سوداگر سندر جی کا ملازم ظاہر کیا گیا۔ سندر جی مدراس اور بمبئی کو فوجی استعمال کے لیے گھوڑے فراہم کیا کرتا تھا۔ انہیں ایسی دستاویزات فراہم کی گئیں جن کی رُو سے وہ بلوچستان کے

Scanned by CamScanner

دارالحکومت قلات سے سندرجی کے لیے گھوڑے خریدنے جا رہے تھے۔ سندرجی کے ایک گماشتے پیامبر داس نے ان کے ساتھ جانا تھا' انہیں کافی رقم فراہم کی گئی جس میں سونے کی اشرفیاں بھی تھیں' جو انہوں نے خفیہ جیبوں میں چھپا رکھی تھیں۔

بمبئی سے لس بیلا

2 جنوری 1810ء کو کیپٹن کرسٹی اور لیفٹیننٹ پوٹنگر بمبئی سے سونمیانی جانے کے لیے ایک مقامی کشتی پر سوار ہوئے۔ کشتی میں ان کے علاوہ سندرجی کا گماشتہ' دو ہندوستانی ملازم اور گھوڑوں کے کچھ افغان تاجر سوار تھے' جو اپنے وطن کو لوٹ رہے تھے۔ انہوں نے مقامی لباس پہن رکھے تھے۔ 7 جنوری کو وہ جونا گڑھ کی ایک بندرگاہ پوری بندر رُکے جہاں انہوں نے سندرجی سے ملاقات کی۔ پوری بندر ایک گنجان آباد قصبہ تھا اور یہاں کے باشندے بمبئی' سندھ اور مالابار کے ساتھ تجارت کرتے تھے۔ 10 جنوری کو پوری بندر سے چل کر 15 کو وہ سندھ کی بحری حدود میں داخل ہوئے۔ انہوں نے عظیم دریائے سندھ کا سمندر کے ساتھ سنگم دیکھا۔ 16 جنوری کو وہ خلیج سونمیانی میں داخل ہوئے اور سونمیانی میں لنگر انداز ہوئے۔ ان کا ہندو گماشتہ ساحل پر جا کر ایک چھوٹی کشتی لے آیا۔ وہ رات کو سونمیانی گاؤں پہنچے اور ایک ہندو رانا سیٹھ کے گھر گئے۔ رات انہوں نے ایک آرام دہ جھونپڑے میں گزاری' دوسرے روز صبح انہوں نے سر منڈوائے اور مقامی لباس پہنے۔ اس روز مسلمانوں کی عید قربان تھی۔ اس موقع پر انہوں نے اپنے افغان ساتھیوں کو دعوتِ طعام دی۔ انہوں نے سونمیانی گاؤں کی سیر کی۔ گاؤں کوئی دو صد پچاس جھونپڑوں پر مشتمل تھا۔ اکثریت مسلمانوں کی تھی جو ماہی گیری کرتے تھے۔ تجارت پر ہندوؤں کا قبضہ تھا۔ تجارت اس چھوٹی سی جگہ کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی۔ دوسرے روز علی الصباح اونٹوں پر سوار ہو کر وہ بیلا کی سمت روانہ ہوئے۔ نمک کی دلدلوں اور لئی کی جھاڑیوں میں سفر کرتے ہوئے وہ ایک جگہ دوپہر کے کھانے کے لیے رُکے' ان کے افغان ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ وہ بیلا کے بجائے سندھ کے راستے قلات جائیں کیونکہ بیلا کے راستے میں لٹیرے بزنجو قبائل کا خطرہ ہے لیکن انہوں نے انکار کر دیا چنانچہ افغان ان سے الگ ہو گئے۔

دوسرے روز پانچ بجے کے قریب وہ اوتھل پہنچے جو چار سو مکانات پر مشتمل ایک صاف ستھرا گاؤں تھا۔ علاقہ زرخیز اور زیرِ کاشت تھا۔ جنگل اور چراگاہیں بھی تھیں۔ کنوؤں کا پانی آبپاشی

Scanned by CamScanner

کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ لوگ عموماً خوشحال تھے ان کے پاس بھیڑ بکریاں مویشیوں اور اونٹوں کے گلے تھے۔ یہاں ایک شخص نے انہیں پہچان لیا جس نے سندھ مشن کے دوران انہیں دیکھا تھا۔ انہوں نے بھی انکار نہیں کیا اور کہا کہ اب وہ کمپنی کی نوکری چھوڑ چکے ہیں اور سندر جی کے ملازم ہیں۔ اوتھل سے 28 میل کا سفر کر کے وہ بیلہ پہنچے۔ بیلہ کے نواح کی زمین زرخیز اور کاشت شدہ تھی۔ شہر سے ذرا پہلے ایک قبرستان تھا جس میں سفید اور سیاہ پتھروں سے تعمیر کردہ آیاتِ قرآنی سے مرصع کچھ قبریں تھیں۔ بتایا گیا کہ یہ جام صاحب کے بزرگوں کی قبریں ہیں۔ جام صاحب گھڑ دوڑ کے سلسلے میں شہر سے باہر تھے۔ ان کا ملازم تلسیا جام صاحب سے شہر میں قیام کی اجازت لے آیا۔ دوسرے روز انہوں نے جام صاحب کے دربار میں حاضری دی۔ مٹی سے بنا ہوا ایک ہال تھا جس کی لکڑی کی چھت لکڑی کے سادہ ستونوں پر ٹکی ہوئی تھی۔ دربار میں پچاس کے قریب افراد موجود تھے۔ جام نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔ وہ سرخ کمخواب کے لباس اور سفید پگڑی میں ملبوس تھا اور سفید کپڑے کی گدی پر براجمان تھا۔ اس کی تلوار اور ڈھال اس کے سامنے رکھی ہوئی تھیں۔ جام نے ان کی اجازت سے ان سے انگلستان اور فرانس کے مذہب' رواجوں اور ذاتوں کے بارے میں سوالات کیے۔ اس نے بتایا کہ اس نے سمندر پار بالادستی حاصل کرنے کے لیے انگلستان اور فرانس کی جنگوں کے بارے میں سن رکھا ہے۔ انگلستان کی بحری فوج کے بارے میں جوابات پر اس نے عدم یقین کا اظہار کیا اور کہا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک جہاز پر دس ہزار سپاہی سوار ہوں اور سو توپیں لدی ہوئی ہوں' اتنی توپیں تو بادشاہ کے توپ خانے میں بھی نہ ہوں گی اور ایسے دو جہازوں کا عملہ تو میری پوری ریاست کو روند ڈالے۔ انہوں نے اسے یقین دلایا کہ یہ سب سچ ہے اور اسے ٹریفالگر کی جنگ کے بارے میں بھی بتایا۔ جام نے کہا تم کہتے ہو تو میں مان لیتا ہوں لیکن میرے علاقے کے لوگ تو حضورؐ کے فرمانوں سے اس کی تصدیق مانگیں گے۔ کیا آنحضرتؐ نے اس بارے میں کوئی پیشین گوئی فرمائی ہے؟

جام نے ان کی آمد کا مقصد دریافت کیا' پھر اپنے دیوان کو ان کے لیے گائیڈ اور ملازمین کا بندوبست کرنے کو کہا اور یہ بھی حکم دیا کہ ان لوگوں کو راستے میں پڑنے والے تمام قبائل کے سرداروں کے نام خطوط دیے جائیں اور بزنجو سردار رحمت خان کو طلب کیا جائے تاکہ وہ خود انہیں اپنے علاقے میں سے گزارے۔ جام نے ان سے کہا بہتر تو یہی ہے کہ تم ڈیڑھ ایک ماہ بیلہ میں میرے مہمان رہو کیونکہ قلات میں ان دنوں شدید سردی ہوگی۔ اسی دوران امام مسقط کا ایک

Scanned by CamScanner

عرب قاصد بھی دربار میں حاضر ہوا اور سونمیانی کے ساحل پر تباہ ہونے والے ایک جہاز پر لدے ہوئے اسباب کی حفاظت اور بازیابی کے بارے میں امام کا ایک خط بہ آواز بلند پڑھ کر سنایا۔ خط فارسی میں تھا۔ منشی نے اس کا ملک کی بڑی زبان جگدالی (سرائیکی) میں ترجمہ کیا۔ بیلہ میں دو ہزار کے قریب گھر تھے جن میں ڈھائی سے تین سو ہندوؤں کے تھے۔ شہر کے ایک تہائی حصے کے گرد فصیل تھی۔ انہوں نے اپنی رہائش گاہ پر ملتان اور شکار پور کے کچھ تاجروں سے بھی ملاقات کی اور ملک کی تجارتی اور مالیاتی صورت حال پر بات چیت کی۔ انہوں نے جام کو تحائف بھیجے جنہیں بہت پسند کیا گیا۔ ان میں چھ چاقو' دو قینچیاں' ایک چھوٹی دُوربین' ایک پاؤنڈ گن پاؤڈر' چینی کے پیالے' آٹھ شیشے کے گلاس' کافی کی پیالیاں' پستولوں کے دو ہولسٹر' چینی اور ہندوستانی ریشم اور یورپی چھینٹ کے پارچہ جات تھے۔ ان کی ملاقات جام کے بھائی دریا خان سے بھی ہوئی جو ایک بڑا شکاری تھا۔ شیر اس کا مرغوب شکار تھا۔ ایک روز جام خود ان کی خیریت دریافت کرنے ان کی جائے قیام پر آیا۔ انہوں نے بیلہ سے تین اونٹ خریدے۔ ایک روز عصر کے وقت وہ بیلہ سے چلے اور شہر سے چار پانچ میل باہر جام کے ایک باغ میں شب بسری کے لیے اُترے۔ تمام علاقہ آباد تھا' آبپاشی کے لیے ندیاں تھیں۔ وہاں انہوں نے ایک گڑ فیکٹری دیکھی۔ گنے سے گڑ تیار کر کے تاڑ کے پتوں سے بنے تھیلوں میں پیک کیا جا رہا تھا۔ دوسرے روز صبح رحمت خان بزنجو آ پہنچا اور جام کی خواہش کے مطابق ان کی خضدار تک بحفاظت رہنمائی کرنے پر تیار ہو گیا لیکن ساتھ ہی ساٹھ روپے نذرانہ بھی طلب کیا۔ دوسرے دن بھی وہ وہیں ٹھہرے کیونکہ رحمت خان کو شہر میں اپنے امور نمٹانے تھے۔ رات کو انہوں نے دریائے پورالی کے کنارے الاؤ پر بیٹھ کر خانہ بدوشوں کے گیت سنے۔ اس دوران رحمت خان اور اس کے ساتھی بھی آ گئے اور شدتِ جذبات میں سازندوں سے ساز جھپٹ کر خود بجانے لگے اور آگ کے گرد رقص کرنے لگے اور وہ بہت اچھا ساز بجا لیتے تھے۔

روانگی سے قبل انہوں نے کماد کے ایک کھیت سے بغیر اجازت گنوں کے گٹھڑ اٹھا لیے اور مالک خاموش کھڑا دیکھتا رہا۔ دریائے پورالی کے پار لس تھا۔ لس اور بیلہ دونوں کی آبادی کوئی پچیس ہزار تھی جن میں سے ایک تہائی خانہ بدوش تھے۔ آبادی چار قبائل پر مشتمل تھی تومڑی' جگدال' جوکھیو اور جیٹھ۔ ان کی زبان جگدالی تھی جو سندھی سے ملتی جلتی تھی۔ لوگوں کی اکثریت بھنگ کی شیدائی تھی۔ لباس پیراہن' شلوار اور چھوٹی گول شیشوں والی ٹوپی پر مشتمل تھا۔ چاول' مچھلی

Scanned by CamScanner

مونگ اور گڑ عام غذا تھی۔ انہوں نے دریائے پورالی کے ساتھ ساتھ بنجر اور ویران علاقے میں سولہ میل شمال کی طرف سفر کیا۔ دریا کی گزرگاہ کے اطراف ببول اور گز کی جھاڑیوں کے جھنڈ تھے۔ دوسرے روز انہوں نے اسی سمت میں 35 میل مزید سفر کیا۔ اس سفر میں چٹانوں سے پھوٹتی ہوئی کئی شفاف ندیاں بھی دکھائی دیں۔ راستہ تو باقاعدہ سڑک تھا جس پر دو لدے ہوئے اونٹ ساتھ ساتھ چل سکتے تھے۔ رات انہوں نے کانجی نامی مقام پر گزاری اور درختوں کے تنوں سے بڑا الاؤ جلایا جو سیلاب پہاڑوں سے بہا کر لائے تھے۔ دوسرے روز صبح روانہ ہوئے اور 14 میل سفر کے بعد باران لک درّے پر پہنچے اور تنگ پہاڑی راستے پر چڑھائی شروع کی۔ ڈیڑھ گھنٹے میں وہ درّے کے بلند ترین مقام پر تھے جہاں سے ایک شاندار منظر دکھائی دیتا تھا۔ حد نظر تک بلند و بالا پہاڑی سلسلے تھے، جو ایک غضیلے سمندر کی موجوں کی طرح دکھائی دیتے تھے اور ہر طرف ایک الوہی سکوت طاری تھا۔ چند میل ایک پتھریلے میدان میں چلنے کے بعد ایک دریا کے کنارے پہنچے جہاں سبزہ تھا وہاں انہوں نے اونٹوں کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ وہاں انہیں ایک بروہی چرواہا بھی ملا جس سے انہوں نے ایک روپے کے عوض ایک بھیڑ خریدی۔ یہاں سے پانچ میل اور آگے گئے اور تورقبہ نامی مقام پر رات گزاری۔ ساربانوں نے بھیڑ ذبح کی اور گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے بندوقوں کے گزوں میں پرو کر بھونے۔ دوسرے روز انہوں نے دو وادیاں عبور کیں جہاں خشک گھاس اور جھاڑیوں کی بہتات تھی۔ انہوں نے 24 میل سفر کیا۔ یہ وڈھ کا علاقہ تھا۔ ان کے پاس وڈھ کے مینگل سردار ولی محمد خان کے نام جام صاحب کا خط تھا۔ انہوں نے اپنے رہنما کو خط دے کر سردار کے پاس بھیجا لیکن وہ موجود نہیں تھا۔ رات کو وہ بروہی چرواہوں کے گدانوں (خیموں) کے قریب خیمہ زن ہوئے۔ بروہیوں نے انہیں پانی، ایندھن اور دودھ فراہم کیا۔ ان لوگوں کے اطوار بہت سادہ تھے۔ ان کے پاس ایک ریوڑ تھا جو اسی وقت چراگاہ سے لوٹا تھا۔ بہت تیزی کے ساتھ ان کا دودھ نکالا گیا۔ بھیڑوں کا الگ اور بکریوں کا الگ۔ اس عمل میں تمام مرد و زن، پیر و جوان یہاں تک کہ بچوں نے بھی حصہ لیا۔ رات ہوئی تو سب مرد و زن الاؤ پر آ کر بیٹھ گئے۔ وہ بروہیوں کے ایک گدان کے اندر بھی گئے اور صفائی اور سلیقے پر حیران رہ گئے۔ خیمے کا طول دس سے بارہ گز اور عرض دس سے بارہ فیٹ تھا۔ فرش پر کھردرے قالین بچھے تھے جو بروہی خواتین خود بناتی ہیں۔ گدان کے اندر محراب اور طاقچے تھے جو درختوں کی باریک شاخوں سے بنے تھے جن کے اُوپر سیاہ اونی کمبل لپٹا ہوا تھا۔ آخری کونے میں آگ جل رہی تھی۔ دھواں دروازے

Scanned by CamScanner

کے راستے سے نکلتا تھا اس سے اگرچہ خیمے میں دھواں بھر جاتا تھا لیکن پورا خیمہ گرم ہو جاتا تھا۔ صبح وہ اپنے مہمان نواز بروہیوں سے رخصت ہوئے اور انہیں کچھ تحائف بھی دیئے۔ کچھ سفید کپڑے کے ٹکڑے اور تمبا کو۔

دوسرے روز وہ ایک ویران پہاڑی علاقے میں 35 میل سفر کر کے خضدار پہنچے۔ وہ بازار میں سے گزرتے ہوئے ایک ہندو کے گھر گئے جس کے لیے ان کے پاس خطوط تھے۔ اگرچہ حسب توقع ان کا گرم جوشی سے استقبال تو نہ ہوا لیکن بہر حال انہیں رہنے کے لیے جھونپڑا، خوراک اور جانوروں کے لیے چارہ مل گیا۔ دوسرے روز وہ اونٹوں کو آرام دینے کے لیے خضدار ہی میں ٹھہرے۔ ایک قندھاری تاجران سے ملنے آیا جس کا چچا گھوڑوں کا سوداگر تھا اور کئی سال پہلے ہندوستان گیا تھا اور واپس نہ لوٹا تھا۔ وہ اس کے بارے میں معلومات چاہتا تھا۔ وہ خود یہاں بھیڑیں خریدنے آیا تھا جنہیں وہ 500 میل ہانک کر قندھار لے جاتا۔ دو گھنٹے کی ملاقات میں قندھاری نے جو رائے قائم کی وہ یہ تھی کہ پوٹنگر اور کرسٹی سچے مسلمان تھے۔ اسی شام ایک ہندو فقیر بھی ان سے ملنے آیا جو دعویٰ کرتا تھا کہ وہ فارس، خراسان، سیستان، کشمیر اور بخارا کا سفر کر چکا ہے۔ اس نے معلومات فراہم کرنے کی پیشکش کی لیکن شکوک وشبہات سے بچنے کے لیے انہوں نے یہ پیشکش مسترد کر دی۔ لیکن گفتگو سے یہ پتہ چل گیا کہ اس کی معلومات محض سطحی ہیں اور وہ ایک شیخی باز شخص ہے۔ خضدار شہر تقریباً پانچ سو مکانات پر مشتمل تھا جس کے گرد مٹی کی بنی ہوئی فصیل تھی۔ فصیل کے اندر بھی انگور، انجیر، بادام، خوبانی اور سیب کے باغات تھے، جن پر خزاں چھائی ہوئی تھی۔ یہاں خان آف قلات کے برادر نسبتی میر علی مراد خان کی گرمائی رہائش گاہ تھی۔ وہ سردیاں گزارنے کچھ گنداوہ گیا ہوا تھا لیکن اس کا نائب موجود تھا۔ شہر میں ملتان اور شکار پور کے ہندو خاصی بڑی تعداد میں آباد تھے۔ شہر کی چابیاں ہر رات کالی دیوی کے مندر کے پجاری کے حوالے کر دی جاتی تھیں۔ اس موسم میں اہل شہر کے لیے کرنے کو کچھ زیادہ نہ تھا چنانچہ وہ آگ کے گرد بیٹھتے، تمبا کو پیتے اور بھنگ کے پتے چباتے۔ بازار میں تمام اشیائے ضرورت کی فراوانی تھی اور شہر میں دو پن چکیاں چلتی تھیں۔

اگلے روز وہ دس میل کا سفر کر کے بنگار پہنچے۔ رات گزارنے کے بعد علی الصباح جب وہ بیدار ہوئے تو شدید سردی کی وجہ سے ان کی مشکوں میں پانی جم چکا تھا۔ اس روز انہوں نے وسیع صحرا میں پچاس میل کا سفر طے کیا اور رات نو بجے سریاب پہنچے۔ یہاں ایک مینگل نے ان تھکے

ماندے مسافروں کے لیے الاؤ روشن کیا اور اپنے بچوں کو پڑوس میں بھیج کر اپنا گھر ان کے حوالے کر دیا۔ سوریاب کی وادی طول میں تیس سے چالیس میل اور عرض میں دس سے بیس میل تھی۔ اس میں تین گاؤں تھے اور ایک خاصی بڑی ندی بہتی تھی۔ یہ میر مراد علی کی ملکیت تھی۔ وادی کے مشرق میں بلند پہاڑ تھے جن کی چوٹیاں برف سے سفید تھیں۔ سوریاب سے 26 میل کا سفر کر کے وہ رود نجو پہنچے۔ راستے میں سر مہ سنگ کے مقام پر وہ ایک سرائے سے بھی گزرے۔ دوسرے روز رود نجو کے جنگل کے قطعات میں سے گزرتے ہوئے وہ قلات کے ہرے بھرے مضامات میں داخل ہوئے اور 9 فروری کی سہ پہر کو شہر کے جنوبی دروازے پر پہنچے۔

قلات

تفنگ برداروں نے ان سے شناخت طلب کی۔ انہوں نے خطوط دکھائے اور تاجر شالومل کے مہمان کی حیثیت سے اپنا تعارف کرایا۔ انہیں شالومل کی دکان پر پہنچا دیا گیا۔ شالومل نے انہیں مشورہ دیا کہ شہر کی تنگ گلیوں میں کوئی گھر لینے کے بجائے وہ فصیل شہر کے باہر کوئی مکان لے لیں کیونکہ ایک تو کرایہ کم ہوگا اور دوسرے آب و ہوا خوشگوار ہوگی۔ انہیں مشورہ پسند آیا۔ وہاں ایک اضافی نعمت تخلیے Privacy کی صورت میں بھی انہیں میسر آنا تھی۔ انہوں نے ایک باغ میں واقع گارے اور لکڑی سے بنا ایک کشادہ مکان کرائے پر لیا جس کے احاطے میں ساٹھ ستر گھوڑے باندھے جاسکتے تھے۔ اسی روز شہر کے تمام بڑے تاجران سے ملنے آئے۔ انہیں بتایا گیا کہ خان' ان کا خاندان اور لواحقین سردیاں گزارنے کیچ گندھاوہ گئے ہوئے ہیں۔ وہ بہار کی آمد پر واپس آئیں گے۔ اسی طرح قندھار سے تاجروں کے کاروان اور گھوڑے بھی بہار میں آئیں گے۔ انہوں نے بتایا کہ فی الحال وہ صرف منڈی کا جائزہ لینے آئے ہیں' گھوڑے خریدنے نہیں۔ ایک ہندو نے ان کے بارے میں شکوک و شبہات بھی ظاہر کیے لیکن انہوں نے اس سے چھٹکارہ حاصل کر ہی لیا۔ ان کی تخلیے کی خواہش پوری نہ ہو سکی اور دوسرے روز بھی ملاقاتیوں کا تانتا بندھا رہا۔ شدید سردی اور یخ ہوائیں تھیں' آگ مسلسل جلتی رہی۔ ان کا مالک مکان اور اس کا بھائی پہاڑوں میں سے لکڑیاں کاٹنے گئے جب واپس آئے تو ان کے لیے تحفے کے طور پر برف کا ایک تھیلا بھی بھر کر لائے کیونکہ انہوں نے مہمانوں کو برف کے بارے میں پسندیدگی کے لہجے میں باتیں کرتے سنا تھا۔ گزشتہ سات سالوں سے انہوں نے برف نہیں دیکھی تھی۔ برف نے ان کے گھر اور بچپن کی یادیں تازہ

Scanned by CamScanner

کردیں۔ ہنری نے مالک مکان کا شکریہ ادا کیا تو وہ ہنس کر بولا' اتنی سی برف کے لیے شکریہ! تم میرے ساتھ پہاڑ پر چلو وہاں پورا ملک برف سے ڈھکا ہوا ہے۔ وہ خاموش رہے۔ احساسات کو الفاظ میں بیان بھی تو نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اگلے روز قندھار کے بابی افغان تاجران سے ملنے آئے جو قلات میں سکونت پذیر ہو چکے تھے۔ وہ بمبئی کی مارکیٹ کے بارے میں معلومات چاہتے تھے۔ ان میں سے ایک فیض محمد نے کہا کہ ایک انگریز اس کا دوست ہے جو کراچی میں ریذیڈنٹ تھا۔ وہ دراصل ان کے بارے میں مشکوک ہو چکا تھا اور ان کی اصلیت جاننا چاہتا تھا لیکن ہنری نے اس کی کوشش کامیاب نہ ہونے دی۔ اس نے کہا ہاں میں نے بھی سنا ہے کہ کبھی سندھ میں انگریزوں کی تجارتی کوٹھی ہوا کرتی تھی۔ فیض محمد نے اپنے ساتھیوں سے پشتو میں کہا کہ وہ ان دونوں کو سندھ میں انگریزوں کے ایلچی کے ساتھ دیکھ چکا ہے لیکن انہوں نے اس کی تردید کی اور جام کے آدمیوں نے بھی۔ فیض محمد نے دو انتہائی دلچسپ سوالات کیے۔ پہلا یہ کہ بمبئی کا فرنگی گورنر ہندو ہے یا مسلمان اور دوسرا ''کمپنی خاتون'' کی عمر کتنی ہے؟ ہرات کا ایک غلزئی تاجر بھی ان سے ملنے آیا جو ہینگ سے لدے چالیس اونٹوں کا قافلہ لایا تھا اور ان سے بمبئی کے سندر جی کے نام تعارفی خط چاہتا تھا۔ خط ملنے پر وہ بے حد شکر گزار ہوا اور پیشکش کی کہ وہ ان کے ایک آدمی کو قندھار لے جا سکتا ہے اور انہیں جتنے گھوڑے درکار ہوں' خود جا کر ان کے لیے قندھار سے لا سکتا ہے۔ انہوں نے شائستگی کے ساتھ اس کی پیشکش مسترد کر دی۔ غلزئی نے کہا کہ آپ صحیح مسلمان لگتے ہیں۔ آپ کی ذات اور وطن کیا ہے۔ کرسٹی نے جواب دیا کہ وہ ازبک ہیں جو کافی عرصے سے ہندوستان میں مقیم ہیں۔

15 فروری کو درزی ان کے نئے لباس لے کر آیا۔ تب وہ قلات شہر گئے اور دو گھنٹے شالو مل کی دکان پر بیٹھے۔ بلوچستان کا دارالحکومت قلات ایک بلند مقام پر تھا جو آٹھ میل طویل اور دو سے تین میل عریض باغات اور کھیتوں پر مشتمل ایک میدان کے سرے پر واقع تھا۔ شہر تقریباً چوکور تھا جس کے تین طرف 18 سے 20 فیٹ بلند فصیل تھی۔ ہر 250 قدم پر بندوق برداروں کے لیے برج تھے جبکہ فصیل پر کوئی توپ نہیں رکھی گئی تھی۔ چوتھی طرف قدرتی دفاعی حصار پہاڑ کی شکل میں موجود تھا۔ ایک بلند پہاڑی پر چیف آف قلات بیگلر بیگ میر محمود خان کا محل تھا جس کے گرد مضبوط فصیل تعمیر کی گئی تھی۔ شہر کے تین دروازے تھے خانی' قندھاری اور بیلائی۔ شہر کے اندر کوئی 25 سو مکانات تھے جبکہ فصیل کے باہر مضافات میں ان سے نصف' گھر نیم پختہ اینٹوں اور لکڑی

Scanned by CamScanner

سے بنائے جاتے تھے۔ گلیاں نسبتاً کشادہ تھیں جن میں گارے یا چونے سے پلستر کیا گیا تھا۔ گلیوں کے دونوں کنارے پیدل چلنے والوں کے لیے اونچے کیے گئے تھے۔ گلی کے وسط میں ایک ان ڈھکی نالی تھی جسے صاف نہیں رکھا جاتا تھا۔ شہر کی صفائی میں ایک رکاوٹ مکانوں کی بالائی منزلیں تھیں جنہیں گلیوں کے اوپر بڑھا لیا جاتا تھا۔ قلات کا بازار کافی بڑا تھا اور ہر قسم کی اشیائے تجارت سے بھرا ہوا۔ تازہ گوشت' سبزیاں اور پھل معقول نرخوں پر دستیاب تھے۔ شہر کو ایک پہاڑی چشمے کا میٹھا پانی فراہم کیا جاتا تھا۔ چشمے سے پانی لانے والی شفاف ندی اتنی بڑی تھی کہ ہر چوتھائی میل کے طول میں یہ چار پن چکیوں کو چلاتی تھی۔ قلات کی وادی میں موجود زیادہ تر باغات میر محمود خان کے والد نے لگوائے تھے۔ قلات میں چار بڑے نسلی گروہ آباد تھے بلوچی یا بروہی' دہوار' ہندو اور افغان۔

16 فروری کو میر محمود خان کا ایک داروغہ ان سے ملنے آیا جو دو روز قبل کیچ گندھاوہ سے لوٹا تھا۔ انہوں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور گزارش کی کہ ان کا ایک عریضہ خان تک پہنچا دے جس میں خان سے ملاقات اور اس کی مملکت کی حدود میں چند روز قیام کی اجازت طلب کی گئی تھی۔ ایک روز ان کی ملاقات کرمان کے ایک ملا سے ہوئی جو چپاؤ (گھڑ سوار ڈاکوؤں کا غارت گرانہ حملہ) میں اٹھالی جانے والی اپنی بیٹی کی تلاش کے لیے بامپور اور کیچ کے راستے قلات آیا ہوا تھا۔ انہوں نے اس سے گزارش کی کہ وہ کرمان کی منڈی میں گھوڑوں کی خریداری کے لیے ان کے سفر میں ان کا رہنما بن جائے' تو اس نے پیغمبرؐ اور ریشِ شاہ کی قسم کھا کر کہا کہ وہ اس راستے سے واپس جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا جہاں آپ کے پاس صرف دو صورتیں ہوتی ہیں یا تو ویرانوں میں بھٹکتے پھریں جہاں نہ پانی میسر ہوتا ہے نہ خوراک یا پھر ان کتوں (ناروئی بلوچوں) کے درمیان سفر کریں جہاں آپ کی ہر سانس آخری ہو سکتی ہے' خدا ان کی نسل کا خاتمہ کرے انہوں نے میرا گھوڑا چھین لیا بلکہ ہر ایک چیز یہاں تک کہ تن کے کپڑے بھی۔

22 فروری کو ان کا اسباب موصول ہو گیا جس میں ادویات بھی تھیں۔ انہوں نے مقامی لوگوں کا علاج بھی کیا۔ یہ الگ بات ہے کہ اکثر مریضوں نے بیرونی استعمال والی دوائیں پی لیں اور پینے والی دوائیں آنکھوں میں ڈال لیں یا زخموں پر لگا لیں یا چھ سات خوراکیں ایک ہی بار لے لیں جس سے ان کی تکالیف میں اضافہ ہو گیا۔ انہیں خان کے ایک مشیر سلطان صاحب کے گھر لے جایا گیا جہاں انہوں نے دو خواتین کا علاج کیا۔ قیام کی آخری رات کرمانی ملا نے

Scanned by CamScanner

انہیں یوسفؑ زلیخا کی داستان سنائی۔

قلات سے سرحد

6 مارچ کو وہ قلات سے روانہ ہوئے۔ دو ہندوستانی ملازم‘ چار بروہی ساربان اور پانچ اونٹوں کا یہ مختصر کارواں سات میل کا سفر کر کے قلات کے شمال مغرب میں ایک گاؤں گورکھ میں رُکا کیونکہ انہیں طوفان بادوباراں نے آلیا تھا۔ راستہ بہت اچھا تھا سبزہ اور پانی موجود تھا۔ دوسرے روز انہوں نے 28 میل کا فاصلہ طے کیا۔ پہاڑی راستہ تھا۔ انہیں راستے میں کئی بروہی ملے جو گدھوں پر گندم لاد کر نوشکی لے جا رہے تھے۔ انہوں نے رات دریا کی گزرگاہ میں موجود ایک تالاب کے کنارے بسر کی۔ اگلے روز مزید ویران اور بنجر علاقے میں 30 میل سفر کیا جس کا زیادہ تر حصہ بے آب وگیاہ صحرا تھا اور کچھ حصے میں ببول اور لئی کی جھاڑیاں تھیں۔ رات انہوں نے صحرا میں گزاری اور دوسرے روز علی الصباح روانہ ہوئے تو صبح نو بجے نوشکی پہنچ گئے جو ایک چھوٹا سا گاؤں یا تمن تھا۔ تمن کی تمام آبادی نے انہیں گھیر لیا۔ انہوں نے ایک ہندو سوکارام کو بلایا اور اسے آٹے اور کھجوروں کا بندوبست کرنے کو کہا۔ اس نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ تیز تیز سفر کریں تو ایک روز قبل گرم سیل کے لیے روانہ ہونے والے کارواں کو پکڑ سکتے ہیں۔ ہجوم گستاخ ہونے لگا تھا چنانچہ ایک شخص کے مشورے پر وہ سردار کے مہمان خانے پر چلے گئے‘ جیسے ہی وہ وہاں پہنچے لوگوں کا روّیہ بدل گیا۔ ایک آدمی ان کے اونٹوں کو چرانے کے لیے لے گیا۔ سردار کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ شام کا کھانا سردار کے گھر سے آیا۔ کھانے کے بعد سردار خود آ گیا۔ انہوں نے اپنا تعارف ہندوستان میں آباد ازبکوں کی حیثیت سے کرایا۔

سردار اپنے بیٹے کی قیادت میں بارہ تفنگ برداروں کو ان کے ساتھ سیستان کے مرکز دوشک بھیجنے پر آمادہ ہو گیا۔ صبح کا ناشتہ بھی سردار کے گھر سے آیا جو دودھ اور روٹی پر مشتمل تھا۔ ان کا ہندوستانی نوکر روٹی پکانے کے لیے آٹا گوندھ رہا تھا کہ بلوچوں نے اسے دیکھ لیا اور وہ غصے میں آ گئے ”تم ہمارے تمن کی بے عزتی کر رہے ہو‘ کیا عبدل خان اپنے مہمانوں کو کھانا نہیں کھلا سکتا؟“ انہوں نے معذرت کر لی کہ وہ یہاں کی روایات سے واقف نہ تھے۔ ایک شخص نے بتایا ”اگرچہ ہم غریب ہیں لیکن ایک بار ہم نے میر نصیر خان کی فوج کی پانچ روز تک مہمانداری کی اور خان نے ہمیں ”دلکشا“ کا خطاب دیا۔“ وہ تمام دن لوگوں میں گھرے رہے۔ سردار کا بیٹا جمعہ خان بھی وہاں

Scanned by CamScanner

موجود تھا۔ وہ جاننا چاہتے تھے کہ وہ شیعہ ہیں یا سنی؟ انہوں نے ان سے کلمہ بھی سنا۔ انہوں نے سردار کی عدالت بھی دیکھی۔

22 مارچ کی صبح کیپٹن کرسٹی سردار کے بیٹے جمعہ خان کی رہنمائی میں روانہ ہو گیا۔ اس نے دوشنک سے ہرات اور وہاں سے کرمان جانا تھا جبکہ ہنری کو سرحد کے راستے وہاں پہنچنا تھا۔ روانگی سے پہلے اس نے سردار کو ریشمی کپڑے کا قطعہ، چاقو اور قینچی بطور تحفہ دیئے۔ اسی روز ایک قاصد قلات سے دو خطوط لایا ایک فارسی میں اور ایک دیوناگری میں۔ ہنری نے یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ کوئی بھی بات خفیہ نہیں رکھتا' فارسی خط سردار کو دے دیا' جس میں معمول کی خیر خیریت کی باتیں تھیں جبکہ دیوناگری خط چھپا لیا اور تنہائی میں جا کر پڑھا۔ اس میں لکھا تھا کہ ''امیر سندھ کے دو آدمی حیدرآباد سے قلات آئے ہوئے تھے اور امیر کا یہ پیغام لائے تھے کہ وہ ان دو فرنگیوں کو گرفتار کر کے حیدرآباد بھجوائے' انہیں خان کے پاس کیچ گندھاوہ بھیج دیا گیا۔ خان نے ان سے کہا اگر وہ ان کے جاسوس ہونے کا کوئی ٹھوس ثبوت فراہم کریں تو انہیں روک لیا جائے گا۔'' یہ خط پڑھنے کے بعد ہنری نے دوسرے روز نوشکی سے نکل جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے سیستانی ہندو بدھو کو آٹا اور کھجوریں حاصل کرنے کے لیے کہا اور خود سردار کے بھتیجے مراد خان کو ساٹھ روپے کے عوض بلوچستان کی مغربی سرحد تک رہنمائی کے لیے آمادہ کر لیا۔ سردار کو بھی بیس روپے نذرانہ پیش کیا اور اس سے راستے میں پڑنے والے قبائل کے نام خطوط حاصل کیے۔ پانچ افراد پر مشتمل مختصر کارواں نوشکی سے روانہ ہوا۔ دو میل سفر کے بعد وہ ایک گنبد کے پاس سے گزرے۔ انہیں بتایا گیا کہ یہاں ایک شہر ہوا کرتا تھا جس کے باشندے اتنے امیر تھے کہ عمارتیں بنانے کے لیے چونے میں پانی کے بجائے دودھ ملایا کرتے تھے۔ دودھ کے اس ضیاع پر دیوتا نے غصے میں آ کر شہر تباہ کر دیا۔ کچھ آگے گئے تو بہت سے بڑے پتھر نظر آئے جو ایک دوسرے سے بیس تیس گز کی دوری پر تھے۔ دریافت کرنے پر بتایا گیا کہ یہ رستم نے اپنے گھوڑے کی رفتار کی یادگار کے طور پر رکھے تھے۔ وہ ایک ریگستان میں سفر کر رہے تھے اور پہاڑ وہاں سے کافی دور جنوب میں واقع تھے' ان پتھروں کو یہاں لا کر رکھنے میں کافی محنت اور اخراجات ہوئے ہوں گے۔ انہوں نے صحرا میں سولہ میل سفر کیا اور ایک کاریز کے کنارے قیام کیا۔ دوسرے روز صبح چھ بجے روانہ ہوئے اور تین میل میدانی سفر کے بعد پہاڑیوں میں داخل ہوئے اور پھر بلند پہاڑوں کے درمیان پہنچ گئے۔ 17 میل سفر کے بعد ایک خشک دریا ''بیل'' کے کنارے پہنچے اور مزید چھ میل سفر کرنے کے بعد پڑاؤ کیا۔ راستہ اچھا

Scanned by CamScanner

نہ تھا' بعض مقامات پر تو اس کی چوڑائی محض دو گز ہوتی تھی۔ دونوں طرف دیواروں کی مانند بلند ہوتی چٹانیں تھیں۔ ان چٹانوں میں سنگ مرمر کے بڑے بڑے بلاک نظر آتے تھے اور ہینگ کے پودے بھی پھل پھول رہے تھے۔ انہوں نے جنوب مغرب کی سمت 29 میل سفر کیا۔ اگلے روز اس کا بخار جو گزشتہ روز سے آ رہا تھا' شدت اختیار کر گیا۔ وہ بمشکل اونٹ پر بیٹھ سکتا تھا چنانچہ اس نے ایک براہوی کو سہارے کے لیے پیچھے بٹھا لیا۔ آج انہوں نے دریائے بیل کے ساتھ پچیس میل سفر کیا۔ اب دریا میں کافی پانی تھا۔ لئی ببول اور گز کی گھنی جھاڑیاں تھیں جن میں سے راستہ بناتے ہوئے اونٹوں کو دقت ہوتی تھی۔ دریا کے مغربی کنارے پر انہوں نے غیر معمولی قسم کے مقبرے دیکھے جو تقریباً مستطیل شکل کے تھے اور ان کی دیواریں پتھر کی تھیں۔ انہیں دُور تک بکھرے ہوئے کھنڈرات ملے' لیکن وہ کوئی نقوش یا تحریریں نہ پا سکے۔ ایک براہوی نے بتایا کہ یہ گبروں کے دور کے ہیں (آتش پرست) اور یہ عین ممکن تھا کیونکہ اس قسم کا طرز تعمیر نہ مسلمانوں کا تھا نہ ہندوؤں کا' وہ پارسیوں کا ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے یہ آتش کدے رہے ہوں۔ مراد نے بتایا کہ اس قسم کے پتھر یہاں نہیں ملتے۔ اس رات ایک خوفناک طوفانِ باد و باراں آیا جو دو گھنٹے رہا۔ اگلے روز انہوں نے ایک بنجر میدان میں 28 میل جنوب مغرب کو سفر کیا' انہیں ایک نوشیروانی بلوچ چرواہا ملا' اس کا قبیلہ خشک سالی کی وجہ سے ہجرت کر کے خاران جا چکا تھا۔ وہ ساراوان نامی قصبے سے گزرے' یہاں کا سردار گل محمد قنبرانی تھا جس کے پاس دو سو سوار تھے۔ وہ خان آف قلات کو کوئی خراج نہیں دیتا تھا۔ البتہ بوقت ضرورت اپنے سوار خان کو پیش کرتا تھا۔ یہاں زراعت کوئی خاص نہیں ہوتی تھی' خشک سالی میں انہیں اناج گرم سیل' کیچ گنداوہ یہاں تک کہ سندھ سے لانا پڑتا تھا۔

29 مارچ کو اسے بخار سے نجات ملی' تیس میل کا فاصلہ طے کیا' جلالان' خرگوشکی اور ہنکوت میں سے گزرے۔ ان علاقوں میں قابل کاشت قطعات اراضی کافی تھے لیکن فصل نہ تھی۔ بتایا گیا کہ ٹڈی دل نے کھیتوں کا صفایا کر دیا ہے۔ خاران یہاں سے 45 میل جنوب مشرق میں تھا جو ساراوان سے بڑا اور قلعہ بند شہر تھا۔ معلوم ہوا کہ وہاں کے سردار عباس خان نوشیروانی نے چار سال سے خودمختاری کا اعلان کیا ہوا ہے اور قلات کو خراج نہیں دیتا۔ اس کے پاس پانچ چھ سو سوار ہیں۔ نوشیروانی بہادر اور عمدہ لڑاکے ہیں۔ خاران کے اونٹ دیگر علاقوں کے اونٹوں سے بہتر اور برتر سمجھے جاتے ہیں۔

30 مارچ کو انہوں نے ساڑھے سترہ میل سفر کیا۔ انہیں بڑبروہیوں کا ایک گروہ ملا جن

کی مدد سے انہوں نے صحرا عبور کیا۔ مراد نے اعتراف کیا کہ اسے راستے کا علم نہیں۔ انہوں نے گڑھوں میں جمع کیے گئے بارش کے پانی سے مشکیں بھریں۔

31 مارچ' انہوں نے تقریباً 150 فٹ گہرے کنویں میں سے پانی حاصل کیا۔ آج انہوں نے ایک لق و دق صحرا میں سفر کیا جس کی سرخ ریت انتہائی باریک ذرّات پر مشتمل تھی اور ہواؤں کے عمل کی وجہ سے سرخ ریت کی دیواریں جگہ جگہ کھڑی تھیں۔ اگلے دن بھی وہ اسی صحرا میں چلے اور ریگ رواں اور سراب دیکھے۔

شام کو ایک دریا کے کنارے پہنچے جس کی گزرگاہ 500 گز چوڑی تھی اور وہ جنوب مشرق میں سمندر کی طرف جا رہا تھا۔ دریا کی گزرگاہ میں دونوں طرف درختوں اور جھاڑیوں کے گھنے جنگل تھے جس میں بھیڑیوں' گیدڑوں اور دوسرے جنگلی جانوروں کی بہتات تھی۔ وہ دائیں مڑے اور ریگان نامی ایک گاؤں میں پہنچے جس کے باشندے شمال مشرق میں واقع گرم سیل کو ہجرت کر چکے تھے۔ انہوں نے دریا کی خشک گزرگاہ میں گڑھے کھود کر مشکیں بھریں۔ 2 اپریل کو وہ ریگان سے چلے اور صحرا میں سفر کیا۔ اس روز انہوں نے شدید طوفانی بگولے کا سامنا کیا جس کے بعد نصف گھنٹہ بارش ہوتی رہی۔ یہ سب اچانک ہوا آسمان بالکل صاف تھا' دُور تک بادل نظر نہ آتے تھے۔ پھر اچانک گرد کے بگولے اُٹھنے لگے۔ ان کے رہنما نے انہیں اونٹوں سے اُترنے اور ان کی اوٹ میں آنے کو کہا۔ پانچ گز سے آگے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ جون سے ستمبر تک اس علاقے میں شدید ہوائیں چلتی ہیں' اس ہوا کو جلاتِ جولر اور بادِ سموم کہتے ہیں۔ یہ اونٹوں کو ہلاک کر سکتی ہے۔ انسانوں کے پٹھے اکڑ کر تشنج زدہ سے ہو جاتے ہیں۔ جلد خشک ہو کر سکڑ جاتی ہے۔ یوں لگتا ہے کہ گوشت جل رہا ہو۔ آخر میں گہرے زخم نمودار ہو جاتے ہیں جن سے خون رِسنے لگتا ہے اور موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔ یہ اذیت ناک صورت حال کئی گھنٹے یا کئی دن بھی رہ سکتی ہے۔ اس کا تدارک یہ ہے کہ خود کو کپڑوں میں لپیٹ کر اُلٹے لیٹ جائیں۔

اگلے روز رہنما کے احتجاج کے باوجود وہ نصف شب کو چل پڑے' لیکن آخر کار انہیں رُکنا پڑا کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ وہ ایک ہی جگہ گھومے جا رہے ہیں۔ بادلوں کی وجہ سے سمت کا تعین نہ ہو پا رہا تھا۔ تب ہنری کو قطب نما کا خیال آیا اور اس نے سمت کا تعین کیا۔ سورج طلوع ہونے تک وہ 13 میل سفر طے کر کے پہاڑوں کے نواح میں پہنچ چکے تھے۔ وہ شام سات بجے تک چلتے رہے اور کل 44 میل سفر کیا۔

Scanned by CamScanner

4 اپریل کو ایک پتھریلے میدان میں بارہ میل چلنے کے بعد وہ گلوگان پہنچے' اگرچہ انہوں نے چودہ میل شمال میں جا لک جانا تھا' لیکن مراد یہاں کے سردار خداداد کا داماد تھا چنانچہ وہ انہیں اپنی سسرال لے آیا۔ مراد نے انہیں کھجوروں کے ایک جھنڈ میں ٹھہرایا اور خود سردار کے گھر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ واپس آیا اور ہنری سے کہا کہ سردار خداداد کا کہنا ہے کہ وہ خود کو پیرزادہ ظاہر کرے' ورنہ وہ اپنے گاؤں میں بھی اس کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لے سکتا کیونکہ اب وہ لوگ خان قلات کی حدود سے باہر مکران میں ہیں جہاں کے سبھی باشندے لٹیرے ہیں اور وہ اپنے بھائیوں اور پڑوسیوں کو لوٹنے سے بھی نہیں چوکتے۔ گاؤں میں داخل ہو کر وہ مسجد کے دروازے پر اُترے۔ مراد نے وہاں اپنے سسر اور تین ملاؤں کے ساتھ یہ کہہ کر تعارف کرایا کہ یہ قلات کے پیرزادہ صاحب ہیں جو حج پر تشریف لے جا رہے ہیں۔ یہاں سے انہیں ایک جھونپڑا نما مکان میں لے جایا گیا۔ سردار نے کھانا بھجوایا اور چمپی مالش کے لیے ایک غلام کو بھیجا جس نے ان کی تھکاوٹ دُور کر دی۔

صبح لسی اور چپاتی کے ساتھ ناشتہ ملا۔ سردار سے سفر کے لیے خوراک کا بندوبست کرنے کو کہا گیا تو اس نے کہا کہ یہاں قحط کی سی صورت حال ہے جس کے آثار آپ نے دیکھ لیے ہوں گے بہرحال میں تھوڑے سے جو کے آٹے اور کھجوروں کا بندوبست کر دوں گا۔ دوسرے روز سردار کی خواہش پر اس نے مسجد میں ظہر کی نماز ادا کی۔ سردار نے بامپور تک جانے کے لیے تین مسلح محافظ بھی ان کے ساتھ کر دیئے۔ گلوگان میں 150 کے قریب گھر تھے جن میں سے بعض دو اور تین منزلہ بھی تھے۔ پتہ چلا کہ اکثر لوگ حفاظتی نکتہ نظر سے رات کو چھتوں پر سوتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے وہ لکڑی کی سیڑھی استعمال کرتے ہیں اور چھت پر چڑھنے کے بعد سیڑھی کو کھینچ کر اُوپر رکھ لیتے ہیں تاکہ لٹیرے اسے استعمال نہ کر سکیں۔ گاؤں کے ایک طرف کھجوروں کے جھنڈ تھے جو ایک میل تک چلے گئے تھے وہاں ایک ندی بھی بہتی تھی جس کے دونوں طرف کھیتیاں تھیں۔

انہوں نے جنوب مغرب میں چھ میل سفر کیا۔ راستے میں دو گاؤں آئے۔ شام کو انہوں نے ایک کھلی جگہ پڑاؤ ڈالا۔ گلوگان سے ہفتر تک آباد لوگ مکرانی کہلاتے ہیں جو چھوٹے قد لیکن مضبوط کاٹھی کے لوگ تھے۔ وہ ہر وقت اپنے طاقتور بلوچ پڑوسیوں سے خوفزدہ رہتے تھے۔ مہمان نوازی میں بلوچوں سے کہیں پیچھے تھے۔ اکثر لوگ آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ ہنری نے انہیں پھٹکری اور افیون سے بنے ہوئے آنکھوں کے قطرے دیئے جس سے انہیں کافی راحت ملی۔

Scanned by CamScanner

اسے پیرزادہ صاحب کی کرامت سمجھا گیا۔ بیشمار لوگ اس سے دُعا کرانے آئے۔ لوگوں نے اس سے خشک سالی کے خاتمے کا تعویذ بھی طلب کیا۔ اگلے روز انہوں نے 26 میل کا فاصلہ طے کیا۔ راستے میں انہوں نے دو اونچے پہاڑی سلسلے دیکھے۔ ایک کوہ گبر تھا جس کی چوٹی گنبد نما تھی اور اس کے اُوپر آتش کدہ کے کھنڈر بھی تھے۔ دوسرا کوہ گورنگا یا گونجتا ہوا پہاڑ تھا۔ اس کے قریب آہستہ سے کہے گئے الفاظ بھی خاصی گونج پیدا کرتے تھے۔ ایک جگہ وہ نماز کے لیے رُکے ہوئے تھے تو مسلح افراد کے ایک گروہ نے انہیں گھیر لیا۔ وہ انہیں لٹیرے سمجھ کر آئے تھے لیکن جب پتہ چلا کہ یہ تو پیرزادہ صاحب کا قافلہ ہے تو وہ التماسِ دُعا کر کے چلے گئے۔

8 اپریل کو وہ ضلع دیزک میں واقع گل گاؤں پہنچے وہاں کے ایک ملا نے انہیں بلوا بھیجا جس کی ضیافتیں بہت مشہور تھیں۔ ہنری مذہبی گفتگو کے خوف سے نہیں جانا چاہتا تھا جبکہ اس کے ساتھی ایک اچھے ناشتے کی خواہش اور توقع رکھتے تھے۔ انہیں جانا ہی پڑا۔ ایک گھنے درخت کے نیچے قالین بچھا تھا جس پر روٹی دودھ مکھن وغیرہ سجے ہوئے تھے اور صاف ستھرے لباسوں میں ملبوس پانچ افراد بیٹھے تھے۔ کھانے کے بعد پیرزادہ صاحب سے فاتحہ پڑھنے کی استدعا کی گئی۔ ہنری نے داڑھی پر ہاتھ پھیرا' کھنکارا' آسمان کی طرف رُخ کیا' ہاتھ بلند کر کے بڑبڑایا۔ البتہ اس بڑبڑاہٹ میں اللہ رسولؐ اور شکر کے الفاظ بہت واضح ادا کیے گئے۔

9 میل سفر کر کے وہ دیزک پہنچے یہاں کا سردار نعمت اللہ خان تھا۔ وہ یہاں کی پیداوار کا دسواں حصہ لیتا تھا۔ اس کے زیرِ تسلط سات گاؤں تھے جن میں سے ہر ایک کا مالیہ ہزار روپے سالانہ تھا کیونکہ یہ خاصا زرخیز اور آباد علاقہ تھا۔ سہ پہر کو وہ سرجو گاؤں پہنچے جہاں ایک ہجوم نے انہیں گھیر لیا۔ وہ اسے شیعہ اور ایرانی سمجھے تھے لیکن اس نے بتایا کہ وہ سخت قسم کا سنی مسلمان ہے اور پیرزادہ بھی تو وہ معذرت خواہ اور طالب دُعا ہوئے۔

9 اپریل کو انہوں نے 23 میل سفر کیا اور ایک گاؤں میں سے گزرے جہاں کا سردار شیخ مراد خان کرد بلوچ تھا۔ دس اپریل کو انہوں نے پچیس میل سفر کیا اور شروک اور مگس گاؤں میں سے گزرے۔ وہ مگس گاؤں میں رات گزارنا چاہتے تھے لیکن انہوں نے سنا کہ چند روز قبل لوریوں کے ایک گروہ نے سردار اور اس کے خاندان کو قتل کر دیا ہے اور اب وہ ایک مکان کا محاصرہ کیے ہوئے ہیں جس میں سردار کا ایک کمسن لڑکا پناہ لیے ہوئے ہے۔ تب انہوں نے یہاں ٹھہرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس علاقے میں لوگوں کے پسندیدہ موضوعات گفتگو' قتل' لوٹ مار اور مجرمانہ

Scanned by CamScanner

حملے تھے۔انہیں دلیرانہ افعال خیال کیا جاتا تھے۔

لوری ایک خانہ بدوش قبیلہ ہے۔یورپ کے جپسیوں کی مانند۔ان کے ہر گروہ کا ایک بادشاہ ہوتا ہے'یہ اغوا اور چوری چکاری کی وجہ سے بدنام ہیں۔شراب رقص اور موسیقی کے دلدادہ ہیں۔بندر اور ریچھ پالتے ہیں۔یہ شعبدہ باز رمال اور فالگیر وغیرہ ہوتے ہیں۔اگرچہ خود کو مسلمان کہتے ہیں لیکن قرآن کے اصولوں کو بالکل نہیں مانتے۔

ہنری لکھتا ہے کہ یہ لوگ حیات بعد الموت پر ایمان نہیں رکھتے ان میں سے جب کوئی مرتا ہے تو اس کی تمام اشیاء اور ہتھیار وغیرہ اس کے ساتھ دفن کردیئے جاتے ہیں۔یہ سنی شیعہ مسئلے میں اپنا مغز نہیں کھپاتے' موقع کی مناسبت سے کوئی سا مذہب اختیار کرلیتے ہیں۔مرد عورت دونوں بھڑکیلے قسم کے لباس پہنتے ہیں۔شادیاں نہیں کرتے۔عورتیں مختلف مردوں کے ساتھ تعلقات استوار کیے رکھتی ہیں۔کوئی بچہ پیدا ہو تو وہ پورے گروہ کی ملکیت سمجھا جاتا ہے۔

راستے میں ایک شخص قبول فقیر ان کے ہمراہ ہوگیا تھا۔اس رات اس نے ہنگامہ کھڑا کردیا۔اس نے کہا کہ پیرزادہ اور فتح محمد اپنی نمازیں باقاعدگی کے ساتھ ادا نہیں کرتے لہٰذا وہ سزا کے مستوجب ہیں خاص طور پر اس صورت میں بھی کہ یہ عازمین حج ہیں۔

ہنری نے کہا شریعت نے بعض صورتوں میں نماز کی چھوٹ دی ہے ہم سفر میں ہیں اور ایک ماہ سے ایک ہی لباس پہنے ہوئے ہیں جبکہ نماز کے لیے طہارت ضروری ہے لیکن قبول فقیر قائل نہ ہوا اور کہا کہ خدا جانے میں کن لوگوں کے ساتھ سفر کر رہا ہوں۔یہ کافر ہیں یہودی ہیں یا کون ہیں۔

11 اپریل کو انہوں نے خشک ویران اور بنجر علاقے میں پچیس میل سفر کیا۔راستے میں انہیں تین کرد خاندان ملے جو اپنی آبادی پر جہان خان لٹیرے کے حملے کے بعد بھاگ رہے تھے انہوں نے کردوں سے ایک بکری خریدی جس کے لیے انہوں نے نصف روپیہ مانگا لیکن سکہ نہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے پورا روپیہ دے دیا۔اگلے روز وہ ایک دریا کی گزرگاہ میں اُترے اور پھر اس کے کنارے کنارے سفر کیا۔یہاں لئی ببول اور گز کے گھنے جنگل تھے۔جنگلی پھولوں کی خوشبو دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔سات میل سفر کے بعد وہ ایک ویران گاؤں آسمان آباد پہنچے جہاں صرف تین خاندان رہ گئے تھے۔دریا کی گزرگاہ میں درختوں کے تنے پڑے ہوئے تھے اور کناروں پر موجود درختوں کی شاخوں میں سیلاب کے ساتھ لایا ہوا جھاڑ جھنکار پندرہ فیٹ بلندی پر

Scanned by CamScanner

اٹکا ہوا تھا۔ رات کو بھیڑیوں، گیدڑوں اور لگڑبگڑوں کا شور سنائی دیا۔ گاؤں والوں نے انہیں بھگانے کے لیے شوروغوغا کیا۔ یہ لوگ اپنے کھیتوں کو سوروں سے بچانے کے لیے جاگ رہے تھے۔

اگلے روز قبول فقیر ان سے جدا ہو گیا۔ اس نے مکران کی ایک بندرگاہ سے مسقط اور وہاں سے جدہ جانا تھا۔ 13 اپریل کو وہ ہفتر پہنچے جہاں ان کے لیے قالین بچھایا گیا اور ناشتہ پیش کیا گیا۔ مقامی سردار نے فارسی میں اس سے کہا کہ وہ ایک بھیس بدلا ہوا شہزادہ ہے اور اسے اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیے، لیکن ہنری نے کہا کہ وہ ایک پیرزادہ ہے اور مشہد مقدس جا رہا ہے۔ سردار قائم خان نے انہیں کچھ اشیائے خورد و نوش اور ایک خط پوہرا کے سردار اپنے بھائی شاہ محراب خان کے نام دیا۔ ہنری نے اسے ایک پستول تحفے میں دیا۔ وہ شام کو پوہرا پہنچے، سڑک بہت عمدہ تھی۔ بعض مقامات پر اس کے اطراف پام کے درخت تھے اور چشمے اور ندیاں بھی۔ سردار شاہ محراب نماز مغرب کے لیے مسجد کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے انہیں نماز کی دعوت دی لیکن انہوں نے طہارت نہ ہونے کی بنیاد پر معذرت کی۔ مہمان خانے کے سامنے سات فٹ بلند ایک چبوترہ تھا جس پر چٹائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ وہ ان پر بیٹھ گئے۔ سردار آیا تو انہوں نے اسے قائم خان کا خط دیا۔ قائم خان نے خط میں بھی اس شبہ کا ذکر کر دیا تھا۔ اس وقت ایک بارہ سالہ بچہ بولا اگر اس نے خود نہ کہا ہوتا کہ وہ پیرزادہ ہے تو میں کہتا کہ یہ گرانٹ فرنگی کا بھائی ہے جسے میں نے گزشتہ سال بامپور میں دیکھا تھا۔ سردار نے کہا اگر ایسا ہے تو حقیقت بتا دو تمہارے ساتھ کوئی برا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ تب ہنری نے کہا کہ وہ ایک ہندو تاجر کا ملازم ہے اور کرمان جا رہا ہے۔ گرانٹ اس کا بھائی تو نہیں بہرحال رشتہ دار ضرور ہے۔ اس پر مراد خان کا سسر خداداد خان جو اُن کے ساتھ تھا، بہت تلملایا۔ ہنری نے کہا مجھے پیرزادہ بننے کا مشورہ تمہارے داماد مراد نے دیا تھا تب خداداد نے دونوں کو بہت برا بھلا کہا۔ سردار ہنس کر گھر چلا گیا۔ کھانا سردار کے گھر سے آیا، جو بکرے کے گوشت، شوربے اور چپاتیوں پر مشتمل تھا۔

صبح سردار کو تحائف پیش کیے گئے گن پاؤڈر، چاقو، قینچی اور چقماق وغیرہ۔ سردار نے نرماشیر تک رہنما فراہم کرنے کا وعدہ کیا اور اپنے دیوان سے کہا کہ انہیں جو کا آٹا دے دیا جائے وہاں ایک ہندو گوسائیں آ گیا جو ملتان کا باسی تھا اور کشمیر، کابل، قندھار اور سیستان سے ہوتا ہوا یہاں آیا تھا اور سونمیانی کے قریب لس میں واقع مقدس ہنگلاج مندر جا رہا تھا۔ لیکن پھر اس نے

اپنا ارادہ بدل دیا اور اب وہ کیپسین کے ساحل پر واقع مقدس جوالا مکھی (آتش فشاں) کی زیارت کرنے جا رہا تھا۔ سرداران پڑھ تھا جب اسے پتہ چلا کہ فرنگی لکھ پڑھ سکتا ہے تو اس نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا ''کیا تم ملا ہو؟'' جب ہنری نے بتایا کہ وہ اپنی زبان کے علاوہ فارسی اور ہندی بھی جانتا ہے تو وہ انگشت بدنداں رہ گیا اور کاغذ قلم منگوا کر اس سے مختلف جملے لکھوائے اور اس کے اپنے کوائف بھی نام' پتہ' پیشہ' شہر میں آنے کی تاریخ اور تاثرات۔ اس نے منشی سے کہا کہ اس کاغذ کو محفوظ کر لیا جائے تاکہ مستقبل میں آنے والے کسی فرنگی کو دکھایا جا سکے۔ شاہ محراب خان ایک طاقتور سردار تھا وہ چھ ہزار تک سوار جمع کر سکتا تھا اور اس کا اقتدار ویزک سے بسمان تک 90 سے 100 میل کے محیط میں مانا جاتا تھا۔ اس کا قبیلہ ناروئی بلوچوں کی شاخ اربابی تھا۔ سردار نے انہیں دو خط دیئے ایک بسمان کے مراد خان کے نام اور دوسرا خان آف بمپور محراب خان کے نام۔ شاہ محراب کی ایک بیوی خان آف بمپور کی بہن تھی۔ روانہ ہوتے وقت ہنری نے اپنے تین اونٹوں میں سے ایک اونٹ خداداد خان کو دے دیا' دراصل وہ اونٹ کمزور ہو چکا تھا اور ہنری اس سے جان چھڑانا چاہتا تھا۔

وہ سولہ میل جنوب مغرب کو سفر کر کے باپمور پہنچے اور خان کو تعارفی خط بھجوایا۔ خان خود ان سے ملنے آیا۔ وہ سفید قمیص نیلی شلوار اور ٹوپی میں ملبوس تھا۔ اس نے ہاتھ میں سٹیل کا ایک چار فٹ لمبا عصا تھاما ہوا تھا جس کے اوپر نیچے گول مٹھ لگے ہوئے تھے اور درمیان میں لوہے کے گول چھلے تھے۔ وہ انہیں حرکت دے کر بجاتا رہتا تھا۔

سردار نے اسے اپنا اصطبل دکھایا جس میں ساٹھ ستر گھوڑے تھے اور دو بہت شاندار بچھیرے تھے جو سردار نے اسے خریدنے کو کہا۔ دوسرے دن محراب خان کو تحائف پیش کیے گئے۔ چقماق' گن پاؤڈر کا فلاسک اور چاقو جس پر اسے بہت مایوسی ہوئی۔ ہنری نے بتایا کہ وہ تو محض ملازم ہے تو محراب خان نے کہا یہ لو بندوق اور کرمان جانے کے بجائے ہندوستان لوٹ جاؤ اور بدمعاش ہندو کو گولی مار کر آزادی حاصل کر لو سپاہی بنو اور ملک میں چپاؤ (غارت گری) کرو۔ پھر اس نے برطانیہ کی فوجی طاقت کے بارے میں دریافت کیا' پھر کہا کہ اگر تمہارے پاس اتنی طاقت ہے تو ان ایرانی ملحدوں کا خاتمہ کیوں نہیں کر دیتے؟ میں جب چاہوں دو سو سوار بھیج کر ان کا ایک پورا قلعہ برباد کر سکتا ہوں۔ میں نے چند ماہ پہلے شاہ محراب اور قائم خان کے ساتھ مل کر ان کے ایک پورے صوبے کو لوٹا تھا۔ سردار کو کسی نے بتایا کہ ہنری کے پاس دو نہایت عمدہ پستول ہیں تو اس

Scanned by CamScanner

نے دباؤ ڈال کر اس سے وہ پستول اینٹھ لیے۔ بامپور ایک چھوٹا قصبہ تھا۔ اس کے اطراف کبھی ایک فصیل ہوا کرتی تھی جو زمین بوس ہو چکی تھی۔

سردار کا قلعہ نما گھر سو گز بلند ایک ٹیلے پر تھا' جس کی فصیل کا محیط چھ سو گز تھا اور یہ فارس کی کسی بھی فوج کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ سردار محراب خان کی سولہ بیویاں تھیں۔ سردار کا اس سال کا محصول 140 اونٹ' 140 بندوقیں' 140 بھیڑ بکریاں' 140 پیمانے کھجور' 1400 پیمانے گندم اور 2600 روپے نقد تھا (ایک پیمانہ =106 پونڈ)۔ بمپور کے لوگ رخشانی بلوچ تھے اور وہاں فارسی اور بلوچی دونوں بولی جاتی تھیں۔

19 اپریل کو اٹھارہ میل سفر کرنے کے بعد وہ بسمان پہنچے جو پہاڑوں کے دامن میں کھجوروں کے جھنڈوں میں گھرا ایک خوبصورت گاؤں تھا۔ وہ گاؤں سے سو گز باہر اخروٹ کے ایک گھنے درخت کے نیچے اُترے اور گائیڈ کو دونوں محرابوں کے خط دے کر مراد خان کی طرف روانہ کیا۔ نوکر قالین لے کر آئے' پھر طعام لائے جو دلیے کے طباق اور ایک زندہ بھیڑ پر مشتمل تھا۔ ساربانوں نے بھیڑ ذبح کر کے بھونی۔ رات کو پھر دلیے اور بکرے کا شوربہ آیا۔ لوگوں نے انہیں بتایا کہ دشت عبور کر کے نرماشیر جانا موت کو دعوت دینا ہے لیکن سردار نے انہیں حوصلہ دیا اور ہر قسم کی مدد کی پیشکش کی۔ دوسرے روز انہوں نے بسمان کے نواح میں گرم پانی کا کنواں دیکھا جس میں سے اُبلتا ہوا پانی نکلتا تھا۔ وہ منبع سے کچھ نیچے جا کر نہائے۔ سردار نے تقریباً پندرہ میل دُور واقع ایک پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے کہا وہاں اس سے کہیں زیادہ گرم پانی کے چشمے ہیں اور یہ پانی بھی وہاں سے ایک زیر زمین نالے کے ذریعے آ رہا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ کسی دیوی نے بنایا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ یہ قدیم زمانے کے گبروں کا کارنامہ ہے۔ سردار نے پہاڑ کا نام کوہ نوشادر بتایا جس میں نوشادر اور گندھک کے ذخائر ہیں جن سے بارود بنتا تھا۔ ہنری کی فرمائش پر سردار نے آدمی بھیجے جو پہاڑ میں سے دونوں معدنیات کے نمونے لے آئے۔ وہ سردار مراد خان کی شفقت اور مہمان نوازی سے بہت متاثر ہوا۔ بسمان بلوچستان کی آخری آبادی تھی۔

21 تاریخ کو مشکیں بھر کر روانہ ہوئے' چند میل جا کر گائیڈ کو انعام دے کر رخصت کر دیا لیکن شتربانوں کے اصرار پر اسے ایک مقامی بلوچ کو بطور گائیڈ رکھنا پڑا۔ انہوں نے بے آب و گیاہ پتھریلے میدان میں چالیس میل شمال مغرب کی طرف سفر کیا۔ اگلے روز انہوں نے ویرانے میں 31 میل سفر کیا۔ گرمی بہت زیادہ تھی کہیں کہیں صحرا میں سراب دکھائی دیتے تھے' کہیں کہیں گز اور

Scanned by CamScanner

خارشتر کی جھاڑیاں تھیں۔ انہوں نے پانی کا ذخیرہ آپس میں بانٹ لیا جو شام تک ختم ہو گیا اور رات کو وہ بغیر پانی کے سوئے۔ ان سے پچیس میل مغرب میں بلند پہاڑ تھے جن کی چوٹیوں پر برف تھی۔

فارس میں

وہ رات کے ایک بجے چل پڑے رات چاندنی تھی اور ہوا خوشگوار چھ میل بعد ایک چشمہ آیا۔ انہوں نے جی بھر کر پانی پیا اور مشکیں بھر لیں۔ بائیس میل سفر کے بعد نرماشیر کے جنگل کے کنارے پہنچے اور گائیڈ کو چند پاؤنڈ آٹا اور تین روپے دے کر رخصت کیا۔ وہ ایران کے پہلے قلعے ریگان پہنچے۔ سردار عباس خان نے انہیں طلب کر لیا۔ اس نے کئی سوالات کیے۔ وہ حیران تھا کہ ہنری بلوچوں کے علاقے میں اتنا طویل سفر کرنے کے باوجود زندہ سلامت ہے۔ ہنری نے کہا ''میری ظاہری غربت میرا پاسپورٹ ہے' بلوچ مجھ سے کچھ چھیننے کے بجائے کچھ دے دیتے تھے۔'' سردار ہنس پڑا۔ رات انہوں نے قلعے سے باہر درختوں کے نیچے گزاری کیونکہ اجنبیوں کو رات قلعے میں گزارنے کی اجازت نہیں تھی۔ البتہ انہیں جو کی روٹی اور دودھ بھجوا دیا گیا۔ دن انہوں نے قلعے میں گزارا۔ ریگان ایک مضبوط قلعہ بند گاؤں تھا۔ قلعے کی پانچ سے چھ فٹ چوڑی دیواروں کی عمدہ دیکھ بھال ہوتی تھی۔ دروازے پر بندوق بردار تعینات تھے۔ برجوں پر متعین سنتری رات بھر ہوشیار خبردار کرتے رہتے تھے کیونکہ یہ علاقہ بلوچوں کے چھاپوں کی زد میں تھا۔

قلعے میں داخل ہوتے ہی راستے کے دونوں طرف مویشی خانے بنے ہوئے تھے تاکہ مویشی چراگاہ سے سیدھے یہاں آئیں اور قصبے کے اندر گندگی نہ پھیلے۔ مویشیوں کے مالک یہاں کی صفائی کے ذمہ دار تھے۔ عباس خان قلعہ دار ایران خود شہسوار قبیلے کا بلوچ تھا۔ اس کے چھ بیٹے تھے جو بہت عمدہ جرید باز (نیزہ باز) تھے۔ اس کھیل میں دو گھڑسوار پوری رفتار سے ایک دوسرے کی طرف گھوڑے دوڑاتے ہوئے بڑھتے ہیں اور باری باری ایک دوسرے کی طرف برق رفتاری کے ساتھ نیزے پھینکتے ہیں۔ دوسرا نہ صرف جھکائی دے کر نیزے سے بچتا ہے بلکہ اسے پکڑ کر حریف کی طرف پھینکتا ہے۔ ہنری نے جب عباس خان کے بیٹوں کو ایک دوسرے پر حملے کرتے دیکھا تو لرز اُٹھا۔

28 اپریل صبح چھ بجے جب قلعے کا دروازہ کھلا تو ان کا نیا گائیڈ باہر آ گیا اور وہ چل

پڑے۔ انہوں نے ہرے بھرے میدان میں شمال مشرق کی طرف بیس میل سفر کیا۔ لوگ جو کے کھیتوں میں کٹائی کر رہے تھے۔ ندیاں تھیں، پیپل، نیم، ببول اور گز کے درخت تھے۔ اس کے علاوہ آم، تمر ہندی (املی)، اخروٹ اور جنگلی بادام کے درخت بھی تھے۔ بائیں طرف برف پوش پہاڑ تھا۔ وہ بیس میل سفر کر کے ایک قلعہ بند گاؤں بور جائز کے۔ کدخدا (حاکم دیہہ) باہر آیا اور ان کی شناخت اور مقصد سفر دریافت کیا، جواب ملنے پر اس نے کہا کہ کرمان جانے سے پہلے تمہیں کرک جا کر گورنر کے نمائندے رشید خان سے اجازت نامہ لینا ہوگا۔ ہنری نے بھی اسی کی طرح بارعب لہجے میں کہا کہ میں سرکار برطانیہ کا ایک معزز تجارتی نمائندہ ہوں، اگر تم نے مجھے روکا تو میں کرمان جا کر شہزادے سے تمہاری شکایت کروں گا، لیکن وہ بھی ڈٹا رہا اور کہا اب تم شہنشاہ کے ملک میں ہو اور یہاں کے اصولوں کے تابع رہنا ہوگا۔ اسی دوران بارش ہونے لگی اور وہ قلعے کے اندر چلا گیا۔

صبح بارہ میل شمال مغرب کی طرف سفر کر کے ایک قلعے کے دروازے پر پہنچے جس کی حالت نسبتاً خستہ تھی۔ یہاں کا کدخدا کریم خان کرد بلوچ تھا اور وہ خود کرک گیا ہوا تھا۔ انہیں قلعے کے اندر نہیں آنے دیا گیا۔ دوسرے روز وہ علی الصباح چلے اور جمالی نامی قصبے میں پہنچ کر ناشتے کے لیے رُکے وہاں انہیں کریم خان مل گیا جس نے انہیں بام کے گورنر کے نام خط لکھ دیا۔ وہ نور آباد میں سے گزرتے ہوئے بام پہنچے۔

صبح وہ قلعے میں لطف علی خان کے دربار میں حاضر ہوئے۔ وہ اس کے خستہ بلوچی لباس پر حیران ہوا جو ہنری گزشتہ چھ ہفتے سے پہنے ہوئے تھا۔ لطف علی بائیس سالہ نوجوان اصفہان کا باسی اور شائستہ شخص تھا۔ دربار اگرچہ خاصا بڑا تھا لیکن زیادہ آراستہ نہ تھا۔ اس نے کئی سوالات کیے، ہنری نے کریم خان کا خط دیا اور بتایا کہ وہ جلدی میں ہے کیونکہ اسے جنرل مالکم کے پاس تہران پہنچنا ہے۔ انہوں نے انار جو اور کھجوریں خریدیں۔

بام میں ان کا ٹکراؤ ایک سید سے ہوا، جو ایک ہجوم کو ساتھ لے کر سرائے میں ان کے کمرے میں آ گیا تھا۔ اس نے عجیب وغریب سوالات کیے۔ تمہارے ملک میں ایک عورت کے کتنے شوہر ہوتے ہیں؟ کیا وہاں بہن بھائی آپس میں نکاح کرتے ہیں؟ سور کے گوشت اور شراب کے بارے میں کئی سوالات کیے گئے۔ ہنری خاموش رہا۔ جب سید نے یہ سوال کیا کہ تم جانتے ہو خدا کہاں ہے؟ ہنری نے جواب دیا، میں تمہارے تمام سوالات کے تسلی بخش جواب دوں گا بشرطیکہ تم بتا دو کہ خدا کہاں نہیں ہے؟ سید یہ سن کر بھڑک اُٹھا اور بولا، خدا کی قسم اگر یہ مسلمان ہوتا تو بہت

Scanned by CamScanner

اچھا آدمی ہوتا اور پھر ہجوم کو ساتھ لے کر واپس چلا گیا۔ صوبہ نرماشیر میں پہلے خلجی حکمران تھے' ایرانیوں نے انہیں یہاں سے نکال دیا اور سرحد کے بلوچیوں کو یہاں لا بسایا۔ یہاں کی زمین زرخیز اور آبی وسائل موجود تھے۔ 1810ء میں یہاں کا ریونیو چالیس ہزار روپے تھا۔ ریگان اور بام کے درمیان انہوں نے بیس پن چکیاں دیکھی تھیں۔ بام کا بازار خاصا بڑا اور اسباب تجارت سے بھرا ہوا تھا۔ قلعہ بھی خاصا مضبوط تھا۔ یہاں کے انار بہت مشہور تھے جو شیراز اور بغداد کے اناروں سے بہتر تھے۔

29 اپریل صبح چھ بجے روانہ ہوئے' 44 میل کا سفر شمال مغرب کی سمت کیا اور ایک گاؤں سبزستان میں ٹھہرے۔ اگلے دن پہلے بنجر میدان میں اور پھر اشکونامی دریا کی گزرگاہ میں سفر کیا جس کے کناروں پر جھاڑیوں اور درختوں کا جنگل تھا۔ بعض مقامات پر جنگل صاف کر کے کاشت کاری کی گئی تھی۔ گنا' کپاس' تمباکو اور گندم کاشت ہوتے تھے۔

2 مئی کو ایک قصبے عیون کے اطراف سے گزرے جس کے گرد باغات ہی باغات تھے۔ یہاں گورنر کرمان شہزادہ ابراہیم کا شکاری محل تھا جو بہت شاندار تھا۔ کرمان حکومت کے گھوڑے اور خچر بھی یہیں رکھے جاتے تھے۔ یہاں چھ سرائیں تھیں۔ اس علاقے کاریزوں کا بڑا مربوط نظام تھا۔ ایک زیرزمین آبی گزرگاہ تھی جو تیس سے چالیس میل تک جاتی تھی اور ہر سو سے ڈیڑھ سو فیٹ کے فاصلے پر چھ فٹ چوڑے اور تیس سے نوے فیٹ گہرے گڑھے تھے۔ ان کاریزوں کی صفائی اور مرمت کا اہتمام باقاعدگی کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ اس کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ پانی بخارات بن کر ضائع نہیں ہوتا۔

3 مئی کو رات دو بجے چل کر صبح دس بجے وہ کرمان پہنچ گیا۔ یہاں دورانِ سفر وہ خود کو خاصا محفوظ محسوس کرتے تھے۔ راستے میں آبادیاں تھیں۔ باغات تھے۔ گاؤں تھے۔ کرمان کے بازاروں میں سے گزرتے ہوئے وہ ایک کارواں سرائے میں آئے۔ انہوں نے بازار سے کھانا منگوا کر کھایا' لطف علی خان کو اپنی آمد کی اطلاع دے کر شہزادے کی طرف روانہ کیا۔ ایک ہندو نے اسے دربار میں حاضری کے لیے معقول لباس عاریتاً دینے کی پیشکش کی' جو اس نے قبول کر لی۔ اس نے ایک قاصد شیراز روانہ کیا جسے ایک خط بریگیڈیئر جنرل مالکم کے نام اور دوسرا صوبہ فارس کے وزیر غلام نبی خان کے نام تاکہ اگر جنرل مالکم وہاں نہ ہوں تو وہ شہزادہ یعنی گورنر کو آگاہ کر دیں کہ وہ شیراز آنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ دوسرے روز دس بجے شہزادے کی طرف سے دربار میں بلاوا آ گیا۔

Scanned by CamScanner

وہ مانگے کا لباس پہن کر دربار میں داخل ہوا۔ عرض بیگی اسے شہزادے کے حضور میں لے گیا جو ایک بلند نشست پر براجمان تھا' حاضرین دیواروں کے ساتھ لگے دست بستہ کھڑے تھے۔ ہنری پوٹنگر نے جھک کر شہزادے کو سلام کیا اور سامنے رکھی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ شہزادے نے بلند آواز میں اس کی آمد کا مقصد دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا کہ وہ ہندوستانی فوج کے لیے گھوڑے خریدنے قلات گیا تھا' وہاں سے اسے ساحل پر جا کر بذریعہ سمندر جنرل مالکم سے ملنے جانا تھا لیکن موسم کی خرابی کی وجہ سے وہ ساحل پر جانے کے بجائے خشکی کے راستے اس طرف آ گیا۔ شہزادہ ایک خوب صورت نوجوان تھا' اس کی چھوٹی سیاہ داڑھی تھی اور وہ یورپی چھینٹ کے لباس میں ملبوس تھا۔ وہ شاہ کا بھتیجا اور داماد تھا۔ اگلے روز وہ شہزادے کے محل میں گیا اور وزیر سے ملاقات کی۔ اس نے وزیر کو بتایا کہ وہ جنرل مالکم کا بھتیجا ہے تو وزیر کا رویہ بہت بہتر ہو گیا۔ اس نے ہنری کو رات کے کھانے پر مدعو کیا۔ وہ رات کے کھانے پر دوبارہ محل گیا۔ پہلے قلیان لایا گیا' پھر ہاتھ دھلائے گئے' پھر میٹھی کافی' شربت' مٹھائیاں' اچار' مربے' پھل اور خشک میوہ جات سونے چاندی کے برتنوں میں لائے گئے۔ اس کے بعد کھانا لگایا گیا۔ پلاؤ' نان' کئی قسم کی گوشت کی ڈشیں۔ وزیر نے بسم اللہ کہا اور کھانا شروع ہوا۔ نوکر پانی اور شربت لیے پاس کھڑے تھے۔ میزبان نے مہمان کے لیے وائن لانے کو کہا لیکن اس نے شکریے کے ساتھ معذرت کر لی۔ پوٹنگر لکھتا ہے کہ اپنے گھروں میں اجنبیوں کے ساتھ معاملت میں ایرانیوں سے زیادہ شائستہ اور مہذب اور کوئی قوم نہیں' لیکن ایرانی اپنے برابر والوں کے لیے مہذب اور کم رُتبے والوں کے لیے بالادست اور ظالم ہوتے ہیں' آج کے ایران میں جو ظلم' ناانصافی' بددیانتی اور لوٹ مار ہے' وہ کسی زمانے میں کسی قوم میں نہیں تھی۔

15 مئی کو شہزادے نے اپنے ایک نوکر کے قاتلوں کو سزا دی۔ شہر کے دروازے اور کاروبار بند کر دیے گئے اور لوگوں کو ایک میدان میں جمع کیا گیا۔ شہزادے نے قاتلوں کو سزا سنائی۔ کچھ ملزموں کے ناک' کان' ہونٹ اور زبانیں کاٹی جاتی تھیں' کچھ کے اعضائے تناسل اور کچھ بے چاروں کے ہاتھوں اور پیروں کی انگلیاں۔ سزا پر عملدرآمد کے بعد مجرموں کو گلیوں میں چھوڑ دیا گیا اور اہل شہر کو حکم دیا گیا کہ کوئی ان کی مدد نہ کرے اور نہ ہی ان کے ساتھ کسی قسم کا تعلق رکھا جائے۔ شہزادہ زرد رنگ کے لباس میں ملبوس تھا اور اسی رنگ کی ایک چادر قالین پر بچھائی گئی تھی۔ یہ لباس غضب پوشاک کہلاتا ہے۔ اس روز ایک شخص عیسائیت قبول کرنے کی خواہش لے کر اس کے پاس

Scanned by CamScanner

آیا، لیکن پونگر نے دال میں کالا دیکھ کر اسے بھگا دیا۔

اگلے روز کارواں سرائے کے چوک میں اس نے ایک عجیب منظر دیکھا' چار پانچ سو لوگوں کا ایک ہجوم تھا اور ایک ملا تقریر کر رہا تھا۔ وہ نبیؐ کے داماد علیؓ کے مصائب بیان کر رہا تھا اور لوگ بچوں کی طرح چیخ و پکار کر رہے تھے' پہلے وہ سمجھا کہ یہ لوگ ڈرامہ کر رہے ہیں' لیکن جب وہ قریب گیا اور بغور دیکھا تو معلوم ہوا کہ پیر و جواں یہاں تک کے بچے بھی دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ خود ملا کا گلا رندھ جاتا تھا اور اسے اپنا بیان روکنا پڑتا تھا۔ وہ عقیدت کے اس مظاہرے سے بہت متاثر ہوا۔ وہ لکھتا ہے کہ صوبہ کرمان کے مشرق میں سیستان اور بلوچستان' مغرب میں فارس' جنوب میں لُرستان اور مکران اور شمال میں اراک اور خراسان ہیں' پورے صوبے میں کوئی دوامی دریا نہیں' زراعت کے لیے پانی کاریزوں سے آتا ہے' اس صوبے میں ایک بندرگاہ بندر عباس ہے۔ کرمان شہر کبھی ایک بڑا اور خوش حال شہر تھا اور اصفہان کے بعد ایران کا دوسرا بڑا شہر تھا۔ کہتے ہیں ایک گبر شہزادی نے یہاں ایک سیب کھایا جس کے اندر سے کیڑا نکل آیا' اس نے شہر کا نام کرمان رکھ دیا' کرم بہ معنی کیڑا اس شہر پر عربوں' چنگیز' تیمور' افغانوں اور نادر شاہ نے حملے کیے اور اسے تباہ کیا۔

آخری بار 1794ء میں محمد شاہ قاچار نے اس کا محاصرہ کیا اور اسے غارت کیا۔ اس شہر کی آبادی تیس ہزار کے قریب ہے' بازار مالِ تجارت سے بھرے پڑے ہیں' مسقف بازار بہت خوبصورت ہے۔ چھت کے اُوپر گنبد ہیں' آٹھ نو کارواں سرائے ہیں۔ یہاں کی شالیں' نمدے اور بندوقیں پورے ایشیا میں معروف ہیں۔ یہاں کی اون نرمی اور نفاست میں اپنی مثال آپ ہے اور اس سے بنی شالیں کشمیری شالوں سے بہتر ہوتی ہیں۔ کرمان اپنی مصنوعات خراسان' کابل اور بخارا کو برآمد کرتا ہے اور ایران کے شمالی صوبوں کو بھی۔ کرمان سندھ اور عرب کے ساتھ بھی تجارت کرتا ہے۔

بندر عباس کرمان سے آٹھ منزلوں کے فاصلے پر ہے۔ 1623ء میں شاہ عباس اعظم نے اسے پرتگیزیوں سے چھینا اور اسے ترقی دی۔ 1630ء میں شاہ کی وفات کے بعد اس کا زوال شروع ہوا' لیکن اب بھی یہ بحیرہ احمر' افریقہ' مسقط اور ہندوستان کے ساتھ تجارت کرتی ہے۔ شاہ عباس نے کرمان سے بندر عباس تک ہر منزل پر ایک شاندار کارواں سرائے تعمیر کی تھیں جواب اُجڑ گئی ہیں۔ بندر عباس کی آبادی بیس ہزار کے لگ بھگ ہے جس میں عرب' ہندو اور دیگر

Scanned by CamScanner

غیر ملکی بھی شامل ہیں۔

25 مئی کو وہ کرمان سے شیراز کے لیے روانہ ہوا' وہ رباط' قلعہ آغا' پا قلعہ سے ہوتے ہوئے یبنان نامی قصبے پہنچے' یہاں کے رہنے والے لوگ علی الٰہی تھے جن کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ انسانیت کی فلاح کے لیے حضرت علیؓ کے رُوپ میں زمین پر آیا۔ اس عقیدے کے لوگ دیگر مسلمان ممالک میں بھی پائے جاتے تھے لیکن ایران واحد جگہ ہے جہاں یہ لوگ نسبتاً امن اور سکون کے ساتھ رہتے تھے۔ اگرچہ یہاں بھی ان کے لیے کافی مسائل تھے۔ وہ شہر بابک' قراہ اور خوانسار مزار اریجان سے ہوتے ہوئے دریائے بند امیر کے اُوپر سے گزرے اور 5 جون کو شیراز پہنچے۔ وہ فوراً وزیر فارس محمد نبی خان کے گھر پہنچا' جس نے اپنے ایک ملازم کے ساتھ مدراس انفنٹری کے لیفٹیننٹ لٹل کی رہائش گاہ پر بھیج دیا اور پھلوں اور شیرینی کے کئی خوان بھی اسے بھجوائے۔ اگلے روز اس نے وزیر سے ملاقات کی اور شہزادہ محمد علی میرزا گورنر سے بھی ملنے گیا۔ شیراز میں قیام کے دوران وہ باغِ جہاں نما کی سیر کو گیا اور خواجہ حافظ کے مزار پر بھی حاضری دی۔

وہ لکھتا ہے کہ حافظ کا مزار صاحب قبر کی شاعرانہ عظمت کے مقابلے میں ایک بدنما عمارت ہے۔ وہ گیارہ جون کو جنرل مالکم کے مشن سے منسلک سرجن جون کرمک کے ہمراہ شیراز سے روانہ ہوا۔ ان کا پہلا پڑاؤ زرگان تھا جہاں وہ دو روز ٹھہرے اور پرسی پولس کے عظیم کھنڈرات کی سیر کی۔ 27 جون کو وہ اصفہان پہنچے۔ انہوں نے آٹھ روز اصفہان میں قیام کیا۔ اصفہان میں کیپٹن کرسٹی اس سے آملا اور اس کے بقول یہ دن اس کی زندگی کے چند پرمسرت ترین دنوں میں سے ایک تھا۔

☆☆☆☆

Scanned by CamScanner

کاہان کا دفاع ...کیپٹن لیوس براؤن (1840)

''ہم اپنے 179 جوان کھو چکے تھے' باقی ماندہ تھکن اور پیاس سے جاں بلب تھے۔ ہمارا تمام راشن اور خیمے دشمن نے چھین لیے تھے۔ یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ ہم نہ تو پہاڑ پر پیش قدمی کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس پر توپیں لے جانے کے قابل ہیں۔ میجر کلیبورن نے ہم سب کو طلب کیا اور ضروری تفصیلات بتانے کے بعد کہا کہ وہ کانوائے کے مقصد کے حصول کو ناممکن سمجھتے ہیں لہٰذا انتہائی مجبوری کے عالم میں کاہان کے بدقسمت گیریژن کو اس کے حال پر چھوڑنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ رات دس بجے ہم نے پسپائی اختیار کی..... یہ لڑائی غزنی یا قلات کی جنگوں سے کہیں زیادہ شدید تھی۔ ہمارا موجودہ جانی نقصان ان دونوں جنگوں کے مجموعی نقصان سے بھی تین گنا زیادہ تھا' ہماری رجمنٹ عملاً غیر منظم ہو گئی' سرکاری دستاویزات اور نقدی گنوا دی گئی' توپیں چھوڑ دی گئیں.....''

(ایڈورڈ فینگ' 25 ستمبر 1840ء۔ سکھر کیمپ)

''1839ء میں جب سر الیگزینڈر برنس ہماری حکومت کی جانب سے ایک مشن کے سلسلے میں کابل میں امیر دوست محمد کے دربار میں موجود تھے' فارس کے لشکر ہرات کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ ہرات جو مغربی نقطۂ نظر سے ہندوستان کی کلید تھا' فارس کے حکمران اپنا اثر و رسوخ دریائے سندھ کے کناروں تک پھیلانا چاہتے تھے۔ روسی ماہرین اور ڈپلومیٹ فارس کے لشکر میں موجود تھے اور محاصرے کی نگرانی کر رہے تھے۔ امیر دوست محمد پر بھی ہمیں شک تھا کہ وہ روس کی ہمدردی میں فارس کے ساتھ ساز باز کر رہا تھا۔ ہماری حکومت کی رائے میں جب تک امیر دوست محمد کا اقتدار کابل پر قائم ہے' ہندوستان میں ہمارے مفادات روسی دست برد سے محفوظ نہیں رہ سکتے..... ہماری حکومت نے محسوس کیا کہ بیرونی سازشوں اور مداخلتوں کی بڑھتی ہوئی یلغار کو روکنے کے لیے ٹھوس اقدامات ضروری ہیں۔ چنانچہ ہماری حکومت نے افغانستان کے ایک سابق حکمران شاہ شجاع کو کابل کے تخت پر بٹھانے کا فیصلہ کر لیا.....''

(چارلس رینالڈ ولیمز۔ ڈیفنس آف کاہان)

Scanned by CamScanner

''بجناب کیپٹن لیوس براؤن صاحب' کمانڈر کاہان

جناب عالی!

جب تک یہ مراسلہ آپ کو موصول ہوگا (پہنچ پائے گا بھی یا نہیں) آپ اس الم ناک بربادی کے بارے میں سن چکے ہوں گے' جو آپ کو کمک پہنچانے کے لیے کاہان بھیجے جانے والے بدقسمت دستے کا مقدر بنی۔ 31 ماہ گزشتہ کو درۂ نفسک کی بلندیوں تک رسائی حاصل کرنے کی بے پناہ کوششوں اور ایک شدید جنگ کے باوجود اور پھر حواس چھین لینے والی پیاس کے خلاف گھنٹوں تک صبر آزما جرأت واستقامت دکھانے کے باوصف' چار آفیسرز کے مارے جانے اور ایک کے خطرناک حد تک زخمی ہونے پر باقی ماندہ خستہ حال دستوں کو پیاس سے مرجانے سے بچانے کے لیے میجر کلیبورن کو بادل نخواستہ یہ افسوسناک فیصلہ کرنا پڑا کہ آپ کے بہادر دستے کو کاہان میں اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ مجھے میجر فوربس کی جانب سے یہ ناخوشگوار اطلاع آپ تک پہنچانے کی ہدایت کی گئی ہے کہ آپ تک کمک پہنچانے کی تمام تر کوششیں ناکام ہو چکی ہیں۔ ایک اور رسد کارواں بھیجنے کے لیے ہمارے پاس نہ تو دستے ہیں نہ راشن اور نہ ہی چھکڑے۔ لہٰذا مجبوراً آپ کو آپ کے وسائل پر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔ آپ کا کیمپ غیر محفوظ ہے۔ میجر فوربس آپ کو کسی بھی اقدام کا اختیار دیتے ہیں۔ تاریکی شب میں تیز رفتار پسپائی اختیار کریں یا دشمن کے ساتھ کسی بھی قسم کی شرائط طے کر لیں۔ میجر فوربس آپ سے عمدہ' بہتر اور مناسب اقدام کی درخواست کرتے ہیں اور آپ کو اپنے دستے بحفاظت میدانوں میں لانے کے لیے کسی بھی قسم کے انتظام یا سمجھوتے کا اختیار دیتے ہیں۔''

جے ڈاؤن' بریگیڈ میجر

کیمپ سکھر۔ 7 ستمبر 1840ء

☆☆☆

روزنامچہ کیپٹن لیوس براؤن

6 ستمبر 1840ء

''اونٹوں اور بیلوں کے لیے چارہ ختم ہو گیا ہے اور غلہ بھی۔ ان بے چارے جانوروں

کی موت اب یقینی ہے۔ ہمارے پاس چند بوری چاول اور تین یا چار تھیلے آٹے کے رہ گئے ہیں۔ آٹے کی دس بوریاں الگ رکھ دی گئی تھیں' ان میں ریت ملی ہوئی تھی' اس کے باوجود سپاہی انہیں حریصانہ انداز میں استعمال کر رہے تھے۔ ایک شتر سوار جب روٹی چراتے ہوئے پکڑا گیا تو اس نے خود کو گولی مار لی۔''

7 ستمبر 1840ء

''ہم توقع کر رہے تھے کہ صبح اٹھ کر جب بلوچوں کے کیمپ پر نظر ڈالیں گے تو وہاں ایک بھی خیمہ نظر نہیں آئے گا لیکن وہاں کا منظر ہماری توقعات کے بالکل برعکس تھا۔ ہمارے کانوائے کی تین توپیں ایک بلند مقام پر نصب تھیں اور ان کے مہیب دہانے ہمیں گھور رہے تھے۔ خدا جانے میجر کلیبورن اور ان کے دستے کا کیا انجام ہوا؟.....''

☆☆☆

Scanned by CamScanner

کیپٹن لیوس براؤن کا تعلق پانچویں بمبئی نیٹو انفنٹری رجمنٹ سے تھا' جو سکھر گیریژن میں تعینات تھی۔ اپریل 1840ء میں اسے ایک دستے کا کمانڈر مقرر کر کے کوہستان مری میں واقع مری بلوچوں کے ہیڈ کوارٹر کاہان پر قبضے کا حکم دیا گیا۔

1839ء میں برطانوی ہند کی ایک بڑی فوج ''گرینڈ آرمی آف انڈس'' افغانستان کے سابق بادشاہ مقیم لدھیانہ شاہ شجاع الملک کو دوبارہ تخت کابل پر متمکن کرنے کے لیے سرجان کین کی کمان میں افغانستان روانہ ہوئی۔ شکار پور سے روانہ ہو کر کچھی کے وسیع و عریض صحرا کو عبور کر کے ڈھاڈر اور وہاں سے درۂ بولان کے پار کوئٹہ پہنچیں اور پھر درۂ کجک کے راستے قندھار.....
کابل کے نامزد ریذیڈنٹ سر الیگزینڈر برنس نے بلوچستان کے حکمران خان آف قلات میر محراب خان سے فوج کی بحفاظت بلوچستان سے گزر جانے اور رسد اکٹھا کرنے کا معاہدہ کیا تھا اور خان اس پر کاربند بھی رہے' لیکن بھلا آزادی پسند اور حریت خواہ بلوچ انگریزوں کو بلوچستان سے ٹہلتے ہوئے کیونکر گزر جانے دیتے' چنانچہ کچھی کے صحرا میں میر بجار خان کی قیادت میں ڈومبکیوں اور پھر پہاڑوں میں مریوں اور درۂ بولان میں سے گزرتے ہوئے مختلف بلوچ قبائلیوں نے اس فوج پر شب خون مارے اور خوب مالِ غنیمت لوٹا اور بعد میں بھی اس کے کاروانوں پر حملے کرتے رہے۔
افغانستان پر قبضے کے بعد قندھار سے ایک بریگیڈ میجر جنرل ولشائر کی قیادت میں واپس بھیجا گیا جس نے کوئٹہ پر قبضہ کیا اور پھر قلات پر حملہ کیا۔ خان آف قلات میر محراب خان شمشیر بدست مارے گئے۔ اس جنگ میں انگریزوں کے چار کپتان' دو لیفٹیننٹ اور سپاہی ملا کر 138 افراد ہلاک ہوئے۔ بعد ازاں انگریزوں نے مریوں اور ڈومبکیوں کو سزا دینے کا فیصلہ کیا۔ ڈومبکیوں کے سردار میر بجار خان کو دھوکے سے گرفتار کیا گیا اور مریوں کے ہیڈ کوارٹر کاہان پر قبضے کے لیے کپتان براؤن کی کمان میں ایک مہم بھیجی گئی۔

کیپٹن براؤن سکھر سے شکار پور اور پھر خوفناک اور تھکا دینے والی صحرا کی مسافت طے کر کے کچھی میں واقع قصبے فلجی پہنچا۔ یہاں اسے دشوار گزار پہاڑوں کا سفر درپیش تھا' اسے

ساڑت آف اور نفسک کے تنگ اور دشوار گزار دروں کو عبور کر کے کاہان پہنچنا تھا۔ یہاں چھ سو مربع گز پر مشتمل ایک قلعہ تھا جس کے اندر مری سردار اس کے کچھ عزیزوں اور چند ہندو بنیوں کے گھر تھے۔ کیپٹن براؤن اس تمام مہم کے رف نوٹس ایک ڈائری میں تحریر کرتا رہا۔ اپریل 1841ء میں گورنر بمبئی کے حکم پر گورنمنٹ پریس نے اس ڈائری کو شائع کیا۔ بعد میں اس ڈائری کو بنیاد بنا کر چارلس رینالڈ ولیمز نے ''ڈیفنس آف کاہان'' کے نام سے ایک کتاب شائع کی۔ ممتاز بلوچ دانشور اور مورخ ڈاکٹر شاہ محمد مری نے ''مری بلوچ جنگ مزاحمت'' کے نام سے اس کتاب کا ترجمہ کیا۔

کاہان پر جارحیت کی یہ مہم بھی ''گریٹ گیم'' ہی کا ایک حصہ تھی۔

فلیجی سے کاہان... بغیر کسی مزاحمت کے

8 اپریل 1840ء کو جب کیپٹن براؤن کچھی کے قصبہ فلیجی پہنچا تو وہاں پانچویں رجمنٹ کے تین سو سنگین بردار پیادہ سپاہی لیفٹیننٹ بیکر کی زیر کمان' توپ خانے کے لیفٹیننٹ ارسکائن دو توپوں کے ساتھ سندھ اریگولر ہارس کے لیفٹیننٹ ارسکائن پچاس گھڑ سواروں کے ہمراہ اور پانچ سو پٹھان گھڑ سوار موجود تھے۔ وہاں انہیں چار ماہ کا راشن جمع کرنا تھا' 600 اونٹ جمع کرنے تھے۔ فلیجی میں شدید گرمی تھی۔ درجہ حرارت تھا 112 فارن ہائٹ' چنانچہ ارسکائن اور ٹیلر دونوں بیمار پڑ گئے جبکہ ایک صوبیدار ہلاک ہو گیا۔ دو مئی کو اس کی سپلائی مکمل ہو گئی تو اس نے پہاڑوں کی جانب مارچ شروع کیا۔ اس دوران ڈاکٹر گلاس بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ جانے سے پہلے کیپٹن نے ایک توپ پیچھے چھوڑ دی' جس کی ڈومبکیوں کے خلاف مہم میں لہڑی میں بریگیڈ میجر کو ضرورت تھی اور وہ خود بھی اس مہم کو آسان سمجھ رہا تھا۔ پچاس پٹھان سواروں کو بھی ناقابل اعتبار اور بزدل سمجھتے ہوئے فلیجی میں ٹھہرنے کا حکم دیا گیا۔

وہ ایک خشک دریا کی وسیع و عریض ریت اور بجری بھری گزرگاہ میں سے گزرے۔ یہاں سے توپ کو گزارنا بے حد مشکل تھا لیکن اس مشکل سے گزر کر انہیں ٹھنڈے اور میٹھے پانی کی ایک ندی ملی اور گھاس اور جھاڑیوں سے بھرا ایک میدان جہاں مویشیوں کے لیے چارے اور ایندھن کے لیے لکڑیوں کی فراوانی تھی۔ دوسرے روز وہ رات دو بجے روانہ ہوئے اور صبح سات بجے تک دشوار پہاڑی راستے پر آٹھ میل سفر کیا۔ آئندہ چھ روز میں وہ ترپن میل کی مسافت طے کر پائے۔ آٹھ مئی کو انہوں نے درۂ ساڑت آف کے دامن میں ایک چشمے کے قریب کیمپ کیا

Scanned by CamScanner

اوراسی روز سہ پہر چار بجے پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا' تقریباً ایک میل کی عمودی چڑھائی.....انہیں پورے بارہ گھنٹے لگے۔ جب ان کا آخری اونٹ چوٹی پر پہنچا تو سپیدۂ سحر نمودار ہورہا تھا۔ سب سے مشکل کام توپ کو چڑھانا تھا۔ انہوں نے پہاڑی کی چوٹی پر کیمپ کیا۔ اگرچہ پہاڑ کا نام سارٹ آف (ٹھنڈا پانی) تھا لیکن پانی اور گھاس ندارد' چنانچہ جانوروں کو پانی پینے اور آب کشی کے اونٹوں اور آدمیوں کو پانی لانے کے لیے گروہوں کی صورت میں نیچے بھیجا جاتا رہا۔ اسی دوران بلوچوں کی ٹولیاں اردگرد کی پہاڑی چوٹیوں پر نمودار ہونے لگی تھیں' وہ محض فوج کی نقل وحرکت پر نظر رکھے ہوئے تھے' البتہ کبھی کبھار تفریحاً ایک آدھ گولی بھی داغ دیتے تھے۔ وہ توپ کی زد سے محفوظ فاصلے پر رہے۔

اگلے روز لشکر نے چھ میل سفر طے کیا اور وہ درّہ نفسک کے دامن میں پہنچے اور اس سے اگلے روز دس مئی کو درّے پر چڑھنا شروع کیا' جسے بلوچوں نے تین مقامات پر بڑے پتھر رکھ کر بند کردیا تھا۔ خاصی دقت اور مشقت کے بعد وہ پتھر ہٹا کر راستہ صاف کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ شام چار بجے سے صبح تین بجے تک وہ صرف ایک چوتھائی میل کی چڑھائی چڑھ سکے۔ انہیں اونٹوں کا بوجھ گرانا پڑا' کئی اونٹ لڑھک گئے اور بلوچ بھی ان کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرکے انہیں اندھادُھند فائرنگ پر مجبور کرتے رہے اور ان کا خاصا گولہ بارود ضائع کروایا۔

صبح انہیں کو ہِ نفسک کی چوٹی سے کاہان کے میدان میں متعدد الاؤ جلتے دکھائی دیئے۔ مری بلوچ اپنے اناج' بھوسے اور چارے کے ذخائر کو دشمن کے ہاتھ لگنے سے بچانے کے لیے نذرِ آتش کررہے تھے۔ جب فوج پہاڑ سے اُتری تو بلوچوں نے محفوظ فاصلے سے اپنی رائفلوں کی آزمائش کی اور انہیں نہ صرف پریشان کیا بلکہ لیفٹیننٹ کلارک اور اس کے اردلی کو مجروح بھی کردیا۔ کاہان کے چھ میل طویل ہموار میدان کو عبور کرکے وہ سات بجے کاہان کے سنسان اور ویران ترک شدہ قلعے میں داخل ہوئے جس کے دروازے نکال لیے گئے تھے' تمام برج تباہ کردیئے گئے تھے اور واحد کنوئیں کو پاٹ دیا گیا تھا۔

لیفٹیننٹ کلارک کی زیرکمان پانچویں بمبئی نیٹو انفینٹری رجمنٹ کی تباہی

کیپٹن لیوس براؤن اور اس کے رفقاء کاہان کی بلامزاحمت فتح کا جشن نہ منا سکے' چار روز تو انہیں قلعے کی مرمت میں لگ گئے' برجوں کی تعمیرنو کی گئی' فصیل کے کمزور مقامات کو مستحکم کیا گیا' خوش قسمتی سے انہیں قلعے کے دروازے صرف دو میل دُور کھیتوں میں پڑے مل گئے اور گندم

Scanned by CamScanner

کے پچاس بوجھ بھی ہاتھ لگے، جنہیں بلوچ نذر آتش نہ کر پائے تھے۔ قلعے کے اندر مکان اچھی حالت میں تھے، کاہان کا موسم خوشگوار تھا، ہوا صاف تھی۔ قلعے کے اطراف پندرہ میل لمبا اور چھ میل چوڑا میدان تھا، جس پر بہ آسانی نظر رکھی جا سکتی تھی اور درختوں کے بڑے جھنڈ یا ٹیلے اور ٹیکریاں وغیرہ بالکل نہ تھیں اور دشمن کے چھپنے کے لیے موزوں مقامات نہ تھے۔ اس دوران ایک سپاہی کا قلعے سے محض پانچ سو گز کے فاصلے پر سر کاٹ دیا گیا اور ایک سپاہی کنواں صاف کرتے ہوئے دم گھٹ کر مر گیا۔ قلعے کو مضبوط کر لینے کے بعد لیفٹیننٹ وال پول کلارک کمانڈر سندھ اریگولر ہارس کو چالیس گھڑ سواروں اور جونیئر افسران، 156 پیادہ سپاہیوں اور سات سو خالی اونٹوں کے ساتھ واپس پھلجی روانہ کیا گیا۔ نفسک کے درّے تک انہیں کسی مزاحمت کا سامنا تو کیا کسی دشمن کی پرچھائیں تک دکھائی نہ دی، چنانچہ کلارک نے نفسک کی چوٹی سے ہی ایک صوبیدار، پانچ حوالداروں اسّی سپاہیوں کو واپس کاہان جانے کی ہدایت کی اور خود نفسک کی بلندیوں سے نیچے اُترنے لگا۔ صوبیدار اور اس کے سپاہی اس وقت تک درّے پر رُکے رہے جب تک کارواں کا آخری اونٹ بھی پہاڑ سے اُتر نہ گیا اور پھر بے فکری سے واپس کاہان کی طرف اُترنے لگے۔ انہوں نے نصف فاصلہ ہی طے کیا ہوگا کہ بلوچ جیسے پتھروں میں سے اُگنے لگے، زندہ کاہان پہنچنے والے واحد فوجی کا اندازہ تھا کہ حملہ آور کوئی دو ہزار کے قریب ہوں گے... صوبیدار، پانچ حوالدار اور 78 سپاہی بھی کاہان نہ لوٹ سکے... اور ہاں... پانچ روز قبل ران میں گولی کھا کر زندہ بچ جانے والے لیفٹیننٹ کلارک بھی زندہ پھلجی نہ پہنچ سکے۔ عین اس وقت انہیں بھی ساڑت آف کے دامن میں بلوچوں نے گھیر لیا۔ ان حملہ آوروں کی تعداد بھی دو ہزار ہی بتائی جاتی ہے۔ یہ تخمینہ زیادہ صحیح ہو سکتا ہے کیونکہ یہ زندہ بچ جانے والے ایک حوالدار اور گیارہ نیم فوجی اہلکاروں کی متفقہ رائے تھی۔ دستے کے ساتھ آنے والے سینکڑوں اونٹ، تمام خیمے اور جملہ مال و اسباب بلوچوں کے ہاتھ لگے۔ کیپٹن لیوس براؤن کو کسی نے بتایا کہ پچیس بلوچ بھی کلارک کے ساتھ معرکہ آرائی میں مارے گئے ہیں واللہ اعلم.....

یوں پانچویں بمبئی نیٹو انفنٹری رجمنٹ نے کاہان کی فتح کے پانچویں دن اپنا ایک لیفٹیننٹ، ایک صوبیدار، ایک جمعدار اور پانچ حوالدار گنوا دیے اور ہاں..... ایک سو انتالیس سپاہی بھی!

فاتحین کاہان محاصرے میں

اپنی فورس کو پہنچنے والے اس بھاری دھچکے کے بعد قلعہ کاہان کے قابضین کو فوراً اپنے

Scanned by CamScanner

محصور ہونے کا احساس ہو گیا۔ راشن کی تقسیم پر سختی کر دی گئی اور اسے نصف کر دیا گیا۔ قلعے کے اطراف دو سو گز تک تمام جھاڑیاں کٹوا دی گئیں۔ دستے کو چار گروہوں میں تقسیم کر کے چاروں فصیلوں پر چوبیس گھنٹے پہرے کا اہتمام کیا گیا۔ فصیل کی بنیاد کے ساتھ اندر کی طرف ایک گہری خندق کھدوائی گئی اور اس کے اندر نوکیلی لکڑیوں کی باڑ لگا دی گئی۔ توپ کے لیے ایک نیا برج تعمیر کیا گیا۔ اناج کی خالی بوریوں میں ریت بھر دی گئی۔ ایک نیا کنواں کھودا گیا اور قلعے کے دروازے کے سامنے موجود تالاب کی صفائی کرائی گئی۔ غیر فوجی عملے کو بھی مضبوط لاٹھیاں پکڑا کر ان سے چوکیداری کا کام لیا جانے لگا۔ قلعے کی فصیلوں کے اطراف ہر نقل و حرکت پر خواہ وہ رائفل کی رینج سے باہر ہی کیوں نہ ہو فائرنگ کی جانے لگی۔

ایک روز کیپٹن براؤن کو پولیٹیکل ایجنٹ کا پیغام ملا کہ کوئٹہ میں کیپٹن بین کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ مری بلوچوں کے خلاف کارروائی کے لیے کاکڑ پٹھانوں کی مدد حاصل کریں، جو مریوں کے بدترین دشمن ہیں (لیکن افسوس کہ یہ چال بھی اُلٹی ہی پڑی کیونکہ کاکڑوں نے مریوں کے بجائے کیپٹن بین پر ہی حملہ کر دیا)۔ بلوچ اکثر اوقات تیز رفتار گھوڑوں پر نمودار ہوتے اور محفوظ فاصلے پر رہ کر میدان میں گرد اُڑاتے رہتے۔ ایک روز میدان خالی دیکھ کر اور حالات سازگار پا کر بیس افراد کو گھاس کاٹنے کے لیے میدان میں بھیجا گیا، ان میں سے دس ہی واپس آئے اور وہ بھی لیفٹیننٹ ارسکائن کی توپ کی عمدہ کارکردگی کی بدولت۔ ایک بار تو قلعے کی فصیل کے بالکل نیچے گھاس کاٹنے والے شتربان بھی اسی انجام کو پہنچنے لگے تھے لیکن توپ پھر آڑے آ گئی۔

وقت گزرتا رہا۔ شیر بیگ نامی ایک بگٹی جو ایک اچھا پہاڑی گائیڈ اور خاصا تیز و طرار شخص تھا، قلعے میں آتا رہا۔ اگرچہ مری اور بگٹی روایتی حریف ہیں لیکن بیرونی خطروں کے خلاف وہ متحد ہو جاتے تھے، لیکن شیر بیگ کی دلچسپی روایات اور اقدار وغیرہ میں نہیں، صرف سکہ رائج الوقت میں تھی، وہ کیپٹن براؤن کو قلعے سے باہر کی دنیا کی اطلاعات بہم پہنچاتا رہا اور اطلاعات کے علاوہ بھیڑ بکریاں اور دیگر اشیائے خوردنی بھی لاتا رہا۔ ایک بار تو وہ چٹخارے کے لیے مرچیں اور شکر بھی لایا لیکن اچھے خاصے گراں نرخ پر...اور یہ شیر بیگ کا حق بھی تھا۔

لیکن محاصرہ بہرحال محاصرہ ہوتا ہے... اناج اور چارے کی قلت بڑھتی گئی، باربرداری اونٹ اور توپ کھینچنے والے بیل بے چارے فاقہ کشی کا شکار ہو گئے، پانچ قریب المرگ اونٹوں کو تو گولی ہی مارنا پڑی، سپاہی پھوڑے پھنسیوں کے ہاتھوں پریشان تھے اور ڈاکٹر گلاس کی ''نااہلی'' پر نالاں۔

Scanned by CamScanner

ایک روز ایک بڑا ریوڑ محصورین کو للچاتا ہوا قلعے کے خاصا قریب سے گزرا' سپاہی گوشت کی اتنی بڑی مقدار کو دیکھ کر رالیں ٹپکانے لگے' وہ باہر جا کر انہیں پکڑنا چاہتے تھے' لیکن کیپٹن براؤن نے دریا کی خشک گزرگاہ میں سپاہیوں کے شکار کے لیے کھڑے متعدد بلوچ گھڑسواروں کو سونگھ لیا تھا۔

18 جولائی کو کاہان پر ایک بڑا حملہ مون سون کے بادلوں نے کیا۔ زبردست طوفانِ بادوباراں آیا۔ محصورین کو تو یوں لگا کہ پورا قلعہ ہی منہدم ہو جائے گا۔ قلعے میں پانی بھر گیا اور قلعے کے باہر کاہان کے میدان میں ہر طرف جل تھل ہو گیا۔ سپاہیوں کو قلعے سے پانی نکالنے پر لگا دیا گیا۔ تالاب لبالب بھر چکا تھا۔ ہفتے بھر بعد جب پانی خشک ہوا تو بلوچ ہر طرف کھیتوں میں ہل چلاتے دکھائی دیئے جانے لگے..... لیکن توپ کی زد سے دُور' محصورین یہ منظر دیکھ کر کڑھنے کے سوا اور کر ہی کیا سکتے تھے۔ ساون کی مون سون آئی تو ساتھ مچھر بھی آئے اور لشکر پر حملہ آور ہوئے۔ کیپٹن براؤن کے شدید بخار کے لیے ڈاکٹر گلاس کو بلایا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ بے چارہ خود بخار میں مبتلا ہے۔

قلعے کے اندر بخار نے ڈاکٹر سمیت لاتعداد افراد کو ہسپتال پہنچا دیا تھا تو باہر بلوچوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور وہ روز بروز قلعے کے قریب آتے جا رہے تھے۔ وہ اپنی فصلیں کاشت کر رہے تھے' ان کے ریوڑ قلعے کی فصیل کے قریب آ کر چرنے لگے تھے لیکن انہوں نے اس ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی کا خمیازہ بھگتا... ان کے تین سو دنبے اور 57 بکریاں اہلِ لشکر گھیر کر قلعے کے اندر لانے میں کامیاب ہو گئے اور برج پر نصب توپ کئی بلوچوں کی جان لینے میں۔ ہیبت خان مری انتہائی بے خوفی کے ساتھ اپنے چوری شدہ ریوڑ کی واپسی کا مطالبہ لے کر قلعے کے اندر آ پہنچا اور منفی جواب ملنے پر سنگین نتائج کی دھمکیاں دے کر دندناتا ہوا واپس چلا گیا۔
16 اگست کو یعنی محاصرے کے کوئی چار ماہ بعد ایک قاصد یہ اطلاع لے کر آیا کہ سکھر سے ایک بہت بڑا امدادی دستہ اور کاروانِ رسد میجر کلیبورن کی قیادت میں روانہ ہونے والا ہے اور 24 اگست کو یہ خوش کن اطلاع ملی کہ کارواں روانہ ہو چکا ہے۔

درّۂ نفسک... گرینڈیئرز کا قبرستان

31 اگست کا سورج غروب ہوا... کاہان کے قلعے کے اطراف موجود بلند پہاڑ ابھی تاریک ہیولوں میں نہ بدلے تھے کہ ان کی چوٹیاں روشن ہونے لگیں' ہر طرف مشعلیں روشن ہوئیں'

Scanned by CamScanner

الاؤ جلنے لگے۔ نفسک کے دڑے کی سمت سے توپ چلنے کی آواز آئی اور اہل قلعہ کے چہرے خوشی سے تمتما اُٹھے۔ یہ امدادی کانوائے کی آمد کا سگنل تھا۔ رات آٹھ بجے توپ کے گولوں کے کچھ اور دھماکے سنائی دیئے...اور پھر خاموشی چھا گئی۔

صبح ہوئی تو قلعے کے برجوں پر موجود سپاہیوں نے بلوچوں کے ڈل کے ڈل پیدل اور گھوڑوں پر سوار نفسک اور ساڑت آف کی طرف جاتے دیکھے۔ پہاڑیوں کی چوٹیاں بالکل خالی تھیں.....کانوائے کے کوئی آثار نہ تھے' شاید اس نے راستہ بدل لیا ہوگا' یہ اہل قلعہ کی سوچ تھی۔

دو ستمبر کو کاہان کا میدان ایک بار پھر بلوچوں سے بھر گیا اور آج وہ تعداد میں ہمیشہ سے زیادہ تھے۔ ان کے پاس بے شمار اونٹ تھے' کچھ سامان سے لدے ہوئے تھے اور کچھ خالی۔ انہوں نے میدان کے وسط میں ایک خیمہ نصب کیا ہوا تھا جو برطانوی فوج کے کسی آفیسر کا تھا۔ کیپٹن براؤن نے سوچا کہ شاید کانوائے نے بلندی پر چڑھتے وقت کچھ سامان گرا دیا ہوگا' جو یہ "بدمعاش" اُٹھا کر لائے ہوں گے۔ اس وقت قلعے میں آٹے کی کل چھ بوریاں بچی تھیں' ایک قطرہ شراب' ایک کپ چائے اور ایک بھی سگریٹ باقی نہ بچا تھا۔ لیکن وہ پر امید تھے کہ کمک کا کارواں کسی بھی لمحے پہنچ جائے گا اور پھر ہر چیز کی فراوانی ہوگی لیکن جو بات کیپٹن براؤن کو معلوم نہ تھی وہ یہ تھی کہ میجر کلیبورن کی سربراہی میں کاہان کو محاصرے سے آزاد کرانے کی مہم پر آنے والے "گرینڈیئرز" ایک مکمل اور ذلت آمیز شکست سے دوچار ہو چکے تھے۔

فرسٹ گرینڈیئرز کے چار سو سپاہی' سیکنڈ گرینڈیئرز کے سو' 200 ریگولر ہارس کے' تین ضرب توپ 12 اگست کو سکھر سے روانہ ہوئے' ان کے ہمراہ رسد کے گیارہ سو اونٹ تھے۔ 29 اگست کو وہ پھلجی کے دشوار گزار صحرا کو عبور کر کے ساڑت آف کے دہانے پر خیمہ زن ہو چکے تھے۔ 30 اگست کو انہوں نے دڑے پر چڑھنا شروع کیا اور لیفٹیننٹ کلارک کے دستے کی تباہی کے آثار دیکھے۔ اس وقت انہیں ہرگز علم نہ تھا کہ وہ خود بھی اسی انجام سے دوچار ہونے والے ہیں۔ 31 کی صبح ہزاروں بلوچ اس فورس کو گھیرے میں لے چکے تھے.....اور ساتھ ہی فورس قلت آب کا شکار بھی ہو چکی تھی۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ علاقے میں خاصی بارشیں ہوئی ہیں' چنانچہ ساڑت آف اور نفسک میں شیریں شفاف پانی کی ندیاں بہہ رہی ہوں گی لیکن یہاں تو ایک بوند پانی نہ تھا۔ دڑے کے پار پانی کی فراوانی تھی لیکن ایک چھوٹا سا مسئلہ تھا کہ درمیان میں بلوچ حائل تھے اور ظاہر ہے

ایسے موقع پر میجر کلیبورن اس قسم کی عرضی بھی نہیں بھیج سکتے تھے کہ ''عزت مآب سردار دودا خان چیف آف مری! گزارش ہے کہ فدویان آپ کے قلعے میں محصور اپنے دوستوں کے لیے سامانِ رسد لے کر آئے ہیں اور ہمیں پانی کی اشد ضرورت ہے لہٰذا ازراہِ کرم ہمیں درّہ نفسک عبور کرنے کی اجازت عطا فرمائی جائے۔ حضور کی عین نوازش ہوگی۔ آپ کا تابعدار میجر کلیبورن بقلم خود''..... جو کچھ حاصل کرنا تھا بزورِ بازو کرنا تھا۔ مرنا تو پیاس سے بھی تھا' لیکن کوشش کرنے میں امکان تو تھا کہ پانی مل جائے اور جانیں بچ جائیں۔ چنانچہ گرینڈیئرز نفسک کی چڑھائی چڑھنے لگے اور تب ہی اچانک پہاڑ کی چوٹی سے فورس پر توڑے دار بندوقوں سے آگ برسنے لگی اور ساتھ ہی بڑے بڑے پتھر بھی..... اس بارش کے رُکتے ہی بلوچ تلواریں سونت کر لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ فوج نے توپوں کے گرد حصار بنا لیا اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر توپوں سے گولہ باری کی جانے لگی۔ درّے کی چوٹی کے ایک بڑھے ہوئے چھجے پر مورچہ بندی ہوئی' جوابی حملے کے تیاری کی جانے لگی لیکن بلوچ چھلاووں کی طرح جانے کہاں سے نکل کر آئے اور حملے کے لیے تیار فوج پر توڑے دار بندوقوں اور پتھروں سے حملہ کر دیا۔ ایک بار پھر توپوں کو ایکشن میں لایا گیا لیکن بلوچ کہیں جمع تو تھے نہیں' وہ جنوں بھوتوں اور چھلاووں کی طرح اچانک نمودار ہوتے تھے اور مار کاٹ کرتے غائب ہو جاتے' زخمی پیاس سے دم توڑ رہے تھے..... ایک گائیڈ نے آکر بتایا کہ نصف میل کے فاصلے پر پانی موجود ہے چنانچہ باقی ماندہ اونٹ اور گھوڑے پانی لانے کے لیے بھیج دیے گئے۔ غروبِ آفتاب کے بعد چند بھٹکتے ہوئے سپاہیوں سے یہ خبر ملی کہ اس پارٹی کو تلواروں سے کاٹ دیا گیا ہے..... چنانچہ رات کی تاریکی میں سارٹ آف کے دامن میں واقع موجود پانی تک نو میل پسپائی اختیار کی گئی' سواریاں نہ ہونے کی وجہ سے زخمیوں کو زخموں اور پیاس سے مرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔

ستر اونٹ' تمام آٹا' سبھی خیمے' دیگر اشیائے خورد ونوش' دستاویزات' ہزاروں روپے نقد بلوچوں کے ہاتھ آ گئے۔ جب بچا ہی کچھ نہ تھا تو کمک کا کیا سوال' چنانچہ فلیچی کی واپسی کا فیصلہ کیا گیا۔

3 ستمبر کو جب ایڈجوٹینٹ ایڈورڈ فیننگ نے حاضری لی تو معلوم ہوا کہ گرینڈیئرز کے پندرہ افسر اور 190 جوان غیر حاضر ہیں..... اور وہ دنیا سے ہی غیر حاضر ہو چکے تھے..... ان کی باقیات درّہ نفسک کے وسیع وعریض پتھریلے گورستان میں بے گور وکفن پڑی تھیں۔

Scanned by CamScanner

کاہان کے محصور گیریژن کی پسپائی

12 ستمبر کو کیپٹن براؤن کو سکھر سے بریگیڈ میجر کا مراسلہ موصول ہوا جس میں اسے اختیار دیا گیا کہ وہ کاہان سے محفوظ پسپائی کے لیے کسی بھی قسم کا سمجھوتہ کرنے میں آزاد ہے۔ کیپٹن براؤن جانتا تھا کہ وہ رات کی تاریکی میں خاموشی سے نکل کر کاہان سے بھاگ نہیں سکتا' اس کے دستے کے کافی لوگ بیمار ہیں اور پھر وہ توپ اور گولہ بارود قلعے میں نہیں چھوڑ سکتا اور اس بات کی بھی کوئی ضمانت نہیں کہ وہ مریوں کو غچا دے کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو سکے گا اور نفسک اور ساڑت آف کے موت کے پھندوں سے بچ کر فلیجی پہنچ پائے گا۔ اس کے پاس صرف دس اونٹ تھے اور وہ بھی کمزور ہو کر ''چوہے'' سے ہو گئے تھے۔ راشن کا کوٹہ ایک چوتھائی کر دیا گیا تھا اور سپاہی فاقہ کشی کا شکار تھے۔ آخر اس نے شیر بیگ بگتی کی خدمات حاصل کیں اور 22 ستمبر کو اسے اپنے ایک نائب کے ہمراہ اس پیغام کے ساتھ سردار دوداخان مری کے پاس بھیجا:

''دودا مری! میں آپ کا قلعہ آپ کو اس شرط پر لوٹانے کو تیار ہوں کہ آپ مجھے بحفاظت میدانوں تک پہنچانے کی ذاتی ضمانت دیں... ورنہ میرے پاس ابھی کافی راشن ہے میں مزید دو ماہ یہاں گزار سکتا ہوں۔''

24 کو قاصد جواب لایا کہ دوداخان نے کچھ سوچ بچار کے بعد قرآن مجید پر حلف دیا ہے کہ اگر براؤن صاحب تین روز کے اندر قلعہ خالی کر دے تو وہ میدان تک اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہوگا۔ کچھ دیر بعد دوداخان کا ایک قاصد بھی صلح پر رضامندی کا پیغام لے کر آ گیا۔

25 ستمبر کو کیپٹن براؤن قلعے سے باہر میدان میں دوداخان کے بھتیجے سے جا کر ملا' جس نے امید ظاہر کی کہ اب مری قبیلے اور برطانیہ کے درمیان پائیدار امن قائم ہوگا۔ اس نے کہا کہ درۂ نفسک پر وہ اپنی زندگیاں اور اپنا وطن بچانے کے لیے لڑے تھے اور لڑائی کے بعد انگریزوں کے ایک بھی آدمی کو قتل نہیں کیا گیا۔ تمام قیدیوں کو خوراک اور لباس فراہم کیے گئے اور انہیں رہا کر دیا گیا۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ انگریزوں کو قابل اعتماد گائیڈ فراہم کرے گا۔

کیپٹن براؤن نے لکھا:

''میرے خیال میں اس کانفرنس کو میں اور ارسکائن بآسانی فراموش نہیں کر پائیں گے۔ اس کے نتائج سے ہمارا اور ہمارے دستے کا مقدر وابستہ تھا۔ ہم نے ان بلوچوں کو مہذب

ترین اور شائستہ ترین انسان پایا۔ ہم نے ان سے ملاقات کر کے ان کے قول اور عہد پر جس اعتماد کا اظہار کیا وہ اس سے بے حد خوش ہوئے۔ پانچ طویل مہینوں تک ایک دوسرے کے جانی دشمن بنے رہنے کے بعد ہم ایک ہی گھنٹے کے اندر بہت اچھے دوست بن گئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انہیں ہم سے نجات پا کر بہت خوشی مل رہی تھی اور ہم بھی اپنی آزادی پا کر خوش تھے۔''

28 ستمبر کو انہوں نے کاہان چھوڑ دیا اور پھر بحفاظت فلیجی پہنچ گئے۔

کیپٹن براؤن' لیفٹیننٹ ارسکائن' ڈاکٹر گلاس اور ان کے دیگر ساتھیوں کو بمبئی گورنمنٹ کی طرف سے انعامات اور تعریفی اسناد سے نوازا گیا۔ گورنر نے اعلان کیا کہ کاہان کے دفاع میں کیپٹن لیوس براؤن نے جس جرأت' استقامت اور جرانمردی کا مظاہرہ کیا اور اس کے زیر کمان سپاہیوں نے جو شاندار کارنامے انجام دیئے' اس کے لیے بمبے نیٹو انفینٹری کی پانچویں رجمنٹ کے پرچم پر لفظ ''کاہان'' تحریر کیا جائے۔ غور کیا جائے تو یہ ایک سزا لگتی ہے' رجمنٹ کے لیے مسلسل شرمندگی کا سامان پیدا کر دیا گیا تھا۔

☆☆☆

کیپٹن براؤن اور دوداخان کے بھتیجے کے خیر سگالی کے جذبات کے برعکس انگریز اور مری کبھی ایک دوسرے کے دوست نہ بن سکے اور مری مسلسل انگریزوں کے خلاف برسرپیکار رہے اور قربانیاں دیتے رہے تاوقتیکہ انگریز برصغیر سے نکل نہ گئے۔ انگریز کے چلے جانے کے بعد بھی ''براؤن صاحبوں'' کے خلاف مریوں کی جدوجہد جاری رہی۔ کیپٹن براؤن کے ڈیڑھ صدی بعد بھی کاہان محاصرے میں ہے لیکن اس بار براؤن صاحبوں کے بجائے مری محاصرے میں ہیں۔ صاحبوں نے مریوں کے دو بڑے گروہوں گزینی اور بجارانی کو آپس میں لڑا دیا ہے... آج بھی کاہان کے اطراف لینڈ مائنز پھٹتی ہیں اور راکٹ تباہی پھیلاتے ہیں۔ ماضی کی گریٹ گیم نے مری نوجوانوں کو خاک و خون میں نہلایا تو آج کی گریٹ گیم بھی مریوں سے ان کے لخت جگر چھین رہی ہے اور اب تو گن شپ ہیلی کاپٹر اور جیٹ طیارے بھی ان پر آگ برسا رہے ہیں۔

☆☆☆☆

جرمن ہیولوں کے خلاف مہم

بریگیڈیئر جنرل ڈائر (1916ء)

"جرمن اپنے ایجنٹوں کو جھوٹے پروپیگنڈے سے لیس کر کے فارس اور افغانستان کے راستے بڑی تعداد میں ہندوستان میں داخل کر رہے تھے۔ افغانستان بھی فارس کی طرح برائے نام غیر جانبدار تھا بلکہ بسا اوقات کھلی جارحانہ کارروائیوں سے غیر جانبداری کے دعوے کی خلاف ورزی کرتا تھا اور جرمن ایجنٹوں کو اپنی حدود سے گزرتے وقت تمام تر سہولیات بہم پہنچاتا تھا۔ جرمن ایجنٹ افغانستان سے پنجاب میں داخل ہو جاتے تھے۔ افغانستان پہنچنے کے لیے جرمن جاسوسوں کو فارس میں سے لازماً گزرنا پڑتا تھا اور فارس کی حکومت نے بھی جرمنوں کی نقل و حرکت پر کوئی پابندی عائد نہیں کی تھی....."

"ان دنوں روس اپنا اثر و رسوخ بتدریج پامیر کی طرف پھیلا رہا تھا۔ یہاں تک کہ دریائے آمو پر اس کی سرحدی چوکیاں چترال سے محض آٹھ منزلوں کی مسافت پر قائم ہو چکی تھیں، چنانچہ یہ ایک لازمی امر تھا کہ ہماری طرف سے بھی اس کا توڑ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی، لہٰذا حکومت ہند کے لیے یہ ضروری ٹھہرا کہ وہ فارس اور افغانستان میں اپنا اثر و رسوخ بڑھائے اور اپنی سرحدی چوکیوں کو رباط اور نصرت آباد تک لے جائے......"

Raiders of sarhad

Breg. Gen. R.E.H.Dyer

Scanned by CamScanner

سٹاف ہیڈکوارٹر دلی.....فروری 1916ء

فروری 1916ء کی ایک خوشگوار خنک صبح دلی میں تعینات برطانوی ہند کی افواج کے چیف آف سٹاف جنرل کرک پیٹرک نے جلیانوالہ باغ کے قصاب رسوائے زمانہ بریگیڈیئر ڈائر کوسٹاف ہیڈکوارٹر میں طلب کیا اور دارجلنگ کی بھاپ اڑاتی خوشبودار چائے کے کپ پہ اس کے ساتھ جرمن جاسوسوں کی سرگرمیوں کا ذکر کیا جو ان کی حاصل کردہ معلومات کے مطابق فارس سے سرحد (شمالی مغربی بلوچستان) یا پھر افغانستان کے راستے ہندوستان میں داخل ہوتے تھے۔ شمال مغربی بلوچستان جو ان دنوں سرحد کہلاتا تھا (ان دنوں ایران میں شامل ہے)' آزاد قبائل کا مسکن تھا' جو برطانوی راج کے لیے مشکلات پیدا کرتے تھے۔

جنرل پیٹرک کے خیال میں جرمن ایجنٹ ان قبائل کو برطانوی دستوں کے رسل و رسائل کو تباہ کرنے اور ان کی رسد کے قافلوں کو لوٹنے جیسی سرگرمیوں کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ جنرل موصوف کی رائے میں یہ ایجنٹ ہندوستان میں داخل ہو کر مسلمانان ہند کو ایک وسیع بغاوت پر اکسانا چاہتے ہیں۔ فارس اور افغانستان کی حکومتیں بھی ان ایجنٹوں کو تمام ممکنہ سہولیات بہم پہنچا رہی ہیں۔ بریگیڈیئر ڈائر کو ان سرگرمیوں کا سدباب کرنا تھا اور ان قبائل کو طاقت سے یا ڈپلومیسی سے دھونس سے یا رشوت سے' ہر صورت میں جرمنوں کے ہاتھوں استعمال ہونے سے روکنا تھا۔ جنرل پیٹرک نے اسے بتایا کہ جرمن ایجنٹوں نے مقامی بلوچ قبائل کو بھاری رشوتیں دینے کے علاوہ یہ بھی یقین دلا رکھا ہے کہ جرمن ان کے مسلمان بھائی ہیں اور اپنے بادشاہ قیصر ولیم سمیت اسلام قبول کر چکے ہیں (ایسا ہی بعد میں ہٹلر کے بارے میں بھی کہا گیا جب مصر میں جرمن ایجنٹوں نے ایسے پمفلٹ تقسیم کیے جن میں ہٹلر کا نام حاجی محمد ہٹلر تحریر تھا)۔

برطانیہ کے لیے یہ بات اس لیے بھی خطرے کا باعث تھی کہ مسلمان ملک ترکی جرمنوں

Scanned by CamScanner

کا اتحادی تھا اور اب جرمنوں کے مشرف بہ اسلام ہونے کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر ہندوستانی مسلمان ہند میں برطانوی راج کے لیے سنگین خطرہ ثابت ہو سکتے تھے۔ بریگیڈیئر ڈائر کو ہدایات دی گئیں کہ وہ بلا تاخیر کوئٹہ روانہ ہو جائیں اور وہاں سے جلد از جلد سرحد پہنچ کر جرمن جاسوسوں کی سرگرمیوں کا تدارک کریں۔ بریگیڈیئر ڈائر نے عہد کیا کہ وہ سرحد کے قبائل کو بلوچستان کی سرحد کے دروازوں کا ایسا محافظ بنائیں گے جن کی بندوقوں کا رخ انگریزوں کی بجائے ان کے دشمنوں کی جانب ہوگا۔"

دلی سے رباط براستہ راولپنڈی، کوئٹہ، نوشکی

جنرل پیٹرک سے رخصت ہو کر بریگیڈیئر ڈائر سیدھا دلی ریلوے سٹیشن پہنچا اور اپنی کار کی نوشکی کے لیے بذریعہ ٹرین بکنگ کرائی اور خود اپنے وفادار نوکر اللہ داد کے ساتھ راولپنڈی روانہ ہوا۔ راولپنڈی میں اس کا قیام صرف ایک گھنٹے کا تھا۔ اللہ داد کو تمام سامان کوئٹہ جانے والی ٹرین پر چڑھانے کا کہہ کر وہ خود جنرل جیرالڈ کیٹسن سے ملاقات کے لیے چلا گیا۔ یہاں سے اس نے ایک تجربہ کار انگریز ڈرائیور ایلن کو بھی ساتھ لیا جو انتہائی ذہین اور بہادر شخص تھا لیکن ضرورت سے زیادہ خوش خوراک بھی تھا۔ اس صلاحیت کا انہیں بعد میں علم ہوا جب ایلن نے ناشتے میں دس سا سیج ہڑپ کیے۔ کوئٹہ پہنچ کر اس نے جنرل گروور سے ملاقات کی اور ان سے کار کے فالتو ٹائر، پیٹرول اور دیگر ضروری سامان حاصل کیا۔

25 فروری کو وہ نوشکی پہنچے اور نوشکی ریلوے سٹیشن سے اپنی کار حاصل کی۔ نوشکی کے اطراف پھیلے خوفناک ویرانوں کو دیکھ کر ان کا مقامی ڈرائیور جو گاڑی کے ساتھ آیا تھا، انتہائی دہشت زدہ ہوا اور اپنے بوڑھے والدین کی سنگین بیماری کا بہانہ کر کے منت وزاری سے چھٹی لے کر واپس بھاگ گیا۔ نوشکی میں ہی انہیں کوئٹہ کے پولیٹیکل آفیسر کا ٹیلی گرام ملا کہ سرحدی چھاپہ ماروں نے رباط، سیندک اور خواش کے علاقوں میں رسل و رسائل کے ذرائع کو منقطع کر دیا ہے۔

نوشکی سے وہ علی الصباح رباط کے لیے روانہ ہوئے۔ رباط نوشکی سے 375 میل کے فاصلے پر واقع تھا اور سڑک ندارد ..... راستے صرف اونٹوں کے کاروانوں کی پگڈنڈیوں پر مشتمل تھے جبکہ بیشتر مقامات پر پگڈنڈیاں بھی تیز ہواؤں کی لائی ہوئی صحرائی

Scanned by CamScanner

ریت سے ڈھکی ہوتی تھیں۔ تین سو مربع میل پر مشتمل سرحد کے اس علاقے کے دفاع کے لیے ہندوستانی فوج کی محض ایک بٹالین' رسالے کی ایک رجمنٹ اور صرف چار پہاڑی توپیں موجود تھیں' چنانچہ چھاپہ مار عموماً کامیابی کے ساتھ بلا روک ٹوک کارروائیاں کرتے تھے۔ اس وسیع ریتلے ویرانے میں سفر کے لیے انہیں پٹرول کے علاوہ کافی مقدار میں پانی اور ایک ہفتے کے لیے اچھی خاصی خوراک ساتھ لے جانا تھی' خاص طور پر جب ایلن جیسا بسیار خور آدمی بھی ان کے ساتھ تھا' ان کی موٹر بار بار ریت میں پھنس جاتی اور دھنس جاتی' اسے کھود کر نکالنا پڑتا اور جہاں ریت نہ ہوتی وہاں ایک اور مصیبت.....اور یہ تھیں حالیہ بارشوں کے نتیجے میں وجود میں آنے والی بے شمار کم گہری دلدلی جھیلیں' جن کی وجہ سے انہیں بار بار راستے سے ہٹ کران بلاؤں کے گرد چکر لگانا پڑتا۔

ایک جگہ ایلن سے بریگیڈیئر نے کہا: ''جو ہوگا دیکھا جائے گا' گاڑی سیدھی ہی لے چلو۔''

نتیجہ.....کار ایکسل تک کیچڑ میں دھنس گئی اور وہ تمام تر کوششوں کے باوجود اسے انچ بھر نہ ہلا سکے۔ اب وہ مدد کی تلاش میں نکلے اور رات دو بجے خانہ بدوشوں کے ایک پڑاؤ پر پہنچے۔ معقول ہدیہ پیش کر کے قبیلے کے تمام صحت مند بالغ مردوں کو ساتھ لیا جنہوں نے خاصا زور بازو استعمال کر کے گاڑی کو دلدل سے نکال لیا۔ پہلے روز انہوں نے 30 میل سفر کیا جبکہ منصوبے کے مطابق ٹارگٹ 90 میل تھا۔ دوسرے روز انہوں نے بارہ میل سفر کیا تھا کہ گاڑی ایک ٹیلے میں دھنس گئی۔ زور دست دوستاں ناکام ہوا اور تبھی وہی خانہ بدوش دفعتہً آ موجود ہوئے۔ پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ انہیں یقین تھا کہ یہ آہنی بلا دھنستی ہی رہے گی چنانچہ وہ پیدل ان کے پیچھے چلے آ رہے تھے.....

ایک بار پھر ان کی خدمت میں معقول نذرانہ پیش کیا گیا۔ یہاں ایلن کی غفلت سے تقریباً چودہ گیلن پیٹرول ضائع ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انہیں اپنے سفر کا بیشتر حصہ پیدل طے کرنا ہوگا۔ آخر بعد از دوپہر وہ ''یادگار'' چوکی پر پہنچے جہاں ایک ریسٹ ہاؤس بھی تھا جسے قفل لگا ہوا تھا لیکن آپ تو جانتے ہیں کہ ڈائر صاحب بھلا تالوں سے رک سکتے تھے' چنانچہ انہوں نے کندھے سے دھکے مار کر دروازہ کھول لیا۔ انہیں گرد سفر اتارنے کے لیے پانی کے ٹب کی ضرورت تھی لیکن پانی کی بجائے انہیں ملا پیٹرول کا ذخیرہ۔ سات ٹین اعلیٰ قسم کے پیٹرول سے لبالب بھرے۔ ہر

Scanned by CamScanner

ٹین میں چار گیلن پیٹرول تھا۔ گویا چودہ گیلن ضائع ہوئے اور 28 گیلن مل گئے..... چوکیدار آ گیا اسے پیٹرول کے مالک کا کوئی علم نہ تھا' چنانچہ مسٹر ڈائر نے اس پر دعویٰ ملکیت کر دیا اور چوکیدار کو ایک رسید لکھ کر دے دی کہ میں نے اپنا پیٹرول وصول کر لیا ہے۔ بریگیڈیئر ڈائر بقلم خود..... مجھے یقین ہے انہوں نے اصلی دستخط نہیں کیے ہوں گے۔

رات ریسٹ ہاؤس میں گزاری' صبح روانہ ہوئے' راستے میں انہیں اونٹوں کے کئی کاررواں ملے جو سرحدی چوکیوں کے لیے رسد لے جا رہے تھے اور چھاپہ ماروں سے بیحد خائف تھے..... اگلی رات انہوں نے مشکی چاہ نامی پڑاؤ پر گزاری اور صبح اٹھ کر سینڈک کے لیے روانہ ہوئے۔ یہ سفر کا سب سے کٹھن حصہ تھا۔ بنجر پتھریلا اور اونچے نیچے ٹیلوں اور ٹیکریوں پر مشتمل' راہ میں کئی خشک پہاڑی ندی نالے بھی تھے۔ پھر رات ہو گئی۔ وہ اونٹوں کی پگڈنڈی کو کھو بیٹھے اور بھٹک گئے۔

ایلن نے تجویز پیش کی کہ آگے سفر کرنا گاڑی کی صحت کے لیے مضر ہے چنانچہ صبح کی روشنی ہونے تک یہیں ٹھہرنا چاہیے۔ ڈائر صاحب نے تجویز مان لی۔ انہوں نے لالٹین روشن کی اور گاڑی کے اردگرد گھوم پھر کر پگڈنڈی تلاش کرنے کی کوشش کی..... انہیں کچھ آوازیں سنائی دیں' تب انہیں چھاپہ ماروں کا خیال آیا' چنانچہ مبینہ چھاپہ ماروں کے ہاتھوں یرغمال ہونے سے بچنے کے لیے انہوں نے لالٹین بجھا دی اور بے حس و حرکت کھڑے ہو کر صورتحال کو بھانپنے کی کوشش کرنے لگے۔ دو یا تین افراد کی آوازیں آ رہی تھیں۔ انہوں نے سوچا کہ اگر یہاں چھاپہ ماروں کا پڑاؤ ہوتا تو الاؤ جل رہا ہوتا' شور و غل ہوتا' پہرے دار گشت کر رہے ہوتے لیکن انہوں نے کوئی آواز نہ نکالی کیونکہ وہ نہتے تھے اور اپنا ریوالور گاڑی میں چھوڑ آئے تھے' واپس آ کر ریوالور ہاتھ میں لیا' ایلن کو ہوشیار رہنے کو کہا اور واپس جا کر ہندوستانی میں پوچھا:

''تم کون ہائے.....''

جواب ملا: صاحب میں عیدو چاغی لیویز کا جمعدار اور سرکار کا دوست۔''

تب ڈائر صاحب نے اپنا تعارف کرایا اور ان لوگوں کو سامنے آنے کو کہا۔ تین مسلح افراد تاریکی میں سے نکل کر سامنے آ گئے۔

''ویل تم ایدر کیا کرتا ہائے.....؟''

جواباً اسی آواز نے جس نے خود کو عیدو بتایا تھا کہا:

Scanned by CamScanner

''صاحب ہم تینوں جاگی لیویز کے ملازم ہیں' ہمارے ساتھ پچاس سپاہی اور بھی ہیں اور ہم آپ سے لڑنے کے لیے آئے تھے۔''

''مجھ سے لڑنے کا واسطے' کیوں؟ کس لیے؟''

تب عیدو نے بتایا کہ ''ہم کافی دیر سے ایک تیز پھیلتی ہوئی اور گھومتی ہوئی روشنی دیکھ رہے تھے تو ہم سمجھے کہ یہ جرمن ہوائی جہاز ہیں چنانچہ ہماری باقی فورس خوفزدہ ہو کر بھاگ گئی۔ لیکن ہم تینوں اپنا فرض نبھانے اور صحیح صورتحال معلوم کرنے کے لیے یہاں رک گئے۔

اب ڈائر صاحب سمجھے کہ وہ لوگ ان کی گاڑی کی بتیوں سے خوفزدہ ہو رہے تھے۔ ان بیچاروں نے شاید کبھی موٹر کار نہیں دیکھی تھی۔ ڈائر صاحب نے انہیں شاباش دی اور موٹر کار کے بارے میں بتایا اور عیدو کو پیشکش کی کہ اس جیسے بہادر آدمی کی انہیں اشد ضرورت ہے' لہٰذا وہ ان کے ساتھ رہ سکتا ہے۔ عیدو خوش ہوا اور کہا:

''صاحب میں آپ کے ہمراہ انگریز کے دشمنوں کے خلاف لڑوں گا اور جان پر کھیل کر آپ کی حفاظت کروں گا۔ یوں بھی کچھ دیر پہلے میں آپ کی جان بچا چکا ہوں۔''

''وہ کس طرح؟''

''صاحب جب یہ ہوائی جہاز رکا جسے آپ کہتے ہیں کہ ہوائی جہاز نہیں ہے تو میرے ساتھی نے رائفل سیدھی کی اور فائر کرنے لگا۔ تب میں نے اسے روک دیا کہ پہلے دیکھیں تو سہی کہ آدمی ہے کون؟''

ڈائر صاحب نے ایک بار پھر عیدو کی ہوشیاری کو سراہا اور اسے سینڈک کی طرف رہنمائی کرنے کا حکم دیا..... اور کچھ ہی دیر بعد صاحب' ایلن اور اللہ داد سینڈک کے چھوٹے سے قلعے کی حفاظت اور آسودگی میں تھے۔

دوسرے روز صبح انہوں نے عیدو کو بلایا اور اس کے ساتھ طویل گفتگو کی جس کے بعد ان کی عیدو کے بارے میں اچھی رائے مزید پختہ ہوگئی..... عیدو علاقے کی زمین کے چپے چپے کے شناسا تھا۔ تمام قبائلی چھاپہ ماروں سے واقف' ان کی خصوصیات اور ان کی طاقت سے آگاہ۔ نیز ان کی کمزوریوں سے بھی آشنا تھا۔ غرض بقول ڈائر صاحب عیدو لاکھوں میں ایک تھا۔ اس طویل گفتگو کے بعد انہوں نے ناشتہ کیا اور موٹر کار میں روانہ ہوئے اور دو بجے بعد دوپہر رباط پہنچ گئے۔

Scanned by CamScanner

رباط...سرحد کے قبائل...نصرت آباد... چھاپہ ماروں سے نمٹنے کی منصوبہ بندی

رباط میں بریگیڈیئر ڈائر کی ملاقات 35 سندھ ہارس کے میجر لینڈون سے ہوئی جو وہاں انٹیلی جنس افسر تھا۔ وہ مقامی لوگوں' ان کے رسوم ورواج' مزاج اور طور طریقوں سے بخوبی آگاہ تھا۔ بریگیڈیئر ڈائر اس سے کافی متاثر ہوئے اور اسے عیدو کے بعد اپنی دوسری بڑی دریافت اور قیمتی اثاثہ قرار دیا اور اسے اپنا بریگیڈ میجر مقرر کیا۔ اگرچہ ان کے پاس کوئی بریگیڈ نہ تھا۔ فارس اور افغانستان کے سرحد پہ واقع ایرانی قصبے نصرت آباد میں برطانوی قونصل خانہ قائم تھا۔ ایک بلوچ پولیٹیکل آفیسر یہاں تعینات تھا جو سرحددار کہلاتا تھا اور وہ پولیٹیکل آفیسر کوئٹہ کے ماتحت تھا۔ سرحددار نیم فوجی فورس چاغی لیویز کا سربراہ تھا جو علاقے میں امن وامان کے قیام کی ذمہ دار تھی اور چھاپہ ماروں کی سرگرمیوں کے انسداد کی بھی۔

رباط اور بیرچند میں برطانیہ کی فوجی چوکیاں قائم تھیں اور مواصلاتی نظام کام کر رہا تھا' لیکن یہاں دستوں کی تعداد انتہائی ناکافی تھی۔ سرحد کے اس علاقے میں تین بڑے قبائل آباد تھے۔

مشرق میں گمشادزئی جو جالک سے کوہ سفید تک پھیلے ہوئے تھے' ان کا سردار خلیل خان تھا۔ مغرب میں اسماعیل زئی جو خواش سے گلوگان تک آباد تھے اور ان کا سردار جمعہ خان تھا جبکہ درمیانی حصہ جس میں علاقے کا صدر مقام خواش بھی شامل تھا ایک عمر رسیدہ سردار جیئند اور اس کے یار محمد زئی قبیلے کے پاس تھا۔ جیئند کا اثر ورسوخ تمام قبائل اور ان کے سرداروں پہ تھا اور وہ عرصہ دراز سے سرحد کا غیر متنازعہ چیف سمجھا جاتا تھا۔

ہر قبیلہ تقریباً ہزار خاندانوں پر مشتمل تھا ہر ایک بوقت ضرورت ہزار سے دو ہزار تک ماؤزر رائفلوں سے مسلح لڑاکا دستے میدان میں لاسکتا تھا۔

رباط کے جنوب میں ایک اور قبیلہ ریکی بھی آباد تھا جس کا سردار ابراہیم خان تھا۔ یہ قبیلہ انگریزوں کا دوست تھا' اگرچہ یہاں اصل اقتدار چاغی لیویز کے حوالدار عیدو کے پاس تھا' یہ تمام قبائل نیم خانہ بدوش اور چرواہے تھے لیکن جہاں کاریزیں اور چشمے تھے' وہاں کاشتکاری بھی ہوتی تھی۔

اکثر قبائل رہزنی کرتے تھے جسے چپاؤ کہا جاتا تھا اور یہ قبائل میں ایک تسلیم شدہ رسم

Scanned by CamScanner

یعنی ایک روایت تھی۔ یہ لوگ تجارتی اور مسافر کاروانوں یہاں تک کہ مشہد کو جانے والے زائرین کے قافلوں کو بھی لوٹ لیتے تھے اور کئی بار تو مسلمہ تقدیس رکھنے والے اس شہر کو بھی اپنی تاخت و تاراج کا نشانہ بنا چکے تھے۔ لوٹ کے دوران عورتوں اور بچوں کو بھی اٹھا لیا جاتا تھا۔ یہ لوگ کسی ریاستی قانون کی پروانہیں کرتے تھے البتہ اپنے قبائلی ضوابط کے سختی سے پابند تھے۔ قسم اور عہد نہیں توڑتے تھے اور مہمان کے ساتھ دغا نہیں کرتے تھے۔ اکثر علاقہ بنجر ریتلا اور پتھریلا' گرمیوں میں انتہائی گرم اور سردیوں میں شدید سرد' اپریل سے جولائی تک مسلسل تیز ہوا چلتی تھی جو بادِ صدو بیست روز کہلاتی تھی۔ یہاں دو خاصے بلند پہاڑ تھے' ایک گیارہ ہزار چار سوفٹ بلند کوہ بزمان اور دوسرا زندہ آتش فشاں کوہِ تفتان جس سے دھوئیں کے بادل مسلسل بلند ہوتے تھے اور جو سال میں چھ ماہ برف سے بھی ڈھکا رہتا تھا۔

بریگیڈیئر ڈائر نے تفصیلی معلومات حاصل کرنے کے بعد اپنی سرگرمیوں کا آغاز سردار کی طلبی سے کیا اور مقامی بلوچ پولیٹیکل افسر کو ہدایت کی کہ وہ جیند خان، خلیل خان اور ابراہیم خان کو کچاؤ کی چوکی میں میٹنگ کے لیے طلب کرے لیکن بریگیڈیئر کو مایوسی ہوئی کیونکہ انگریز کے حامی اور مقابلتاً کمزور ریکی زئی قبیلے کے معززین کے علاوہ کوئی بھی ان سے ملنے نہیں آیا۔ انہوں نے اسے اپنے رینک پر محمول کیا کہ شاید اگر وہ بریگیڈیئر کی بجائے جنرل ہوئے تو بلوچ سردار انہیں نظرانداز نہ کر پاتے۔ (میرا نہیں خیال کہ بے چارے سادہ اور ناخواندہ بلوچ اس رینکنگ سے ذرا بھر بھی آشنا ہوں لہٰذا انہوں نے ترقی پانے کے لیے یہ ڈرامہ رچایا)۔ انہوں نے جنرل کرک پیٹرک کو شملہ ٹیلی گرام بھیجا کہ انہیں جنرل کے عہدے پر ترقی دے دی جائے۔

واقعی حیرت انگیز بات ہے کہ ٹیلی گراف لائن یہاں گزشتہ پچاس سال سے موجود تھی' جو ہندوستان کو براستہ فارس (ایران) یورپ سے ملاتی تھی اور مزید حیرت انگیز امر یہ ہے کہ چھاپہ ماروں نے انہیں کبھی نہیں کاٹا تھا کیونکہ اپنے توہمات کی بنا پر وہ ان سے خوفزدہ تھے اور ان تاروں کو شیطان سے رابطے کا کوئی ذریعہ سمجھتے تھے..... اور کیا حقیقتاً ایسا نہیں تھا.....؟

بریگیڈیئر ڈائر پر یہ بات واضح تھی کہ وہ میدانِ جنگ میں قبائلی لشکروں کو شکست نہیں دے سکتے' لہٰذا دھونس' دھمکی' رشوت' لالچ اور جھوٹ جیسے ہتھیاروں کا استعمال ازحد ضروری تھا۔ انہوں نے عیدو کو طلب کیا اور کہا کہ کیا وہ اپنے جیسے دو تیز طرار' قابل بھروسہ اور ''اول درجے کے جھوٹے'' اشخاص مہیا کر سکتا ہے؟ ان کی جیبیں روپوں سے لبالب بھر دی جائیں گی۔

Scanned by CamScanner

عیدو کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ تب ڈائر صاحب نے اسے اپنے منصوبے سے آگاہ کیا۔ عیدو کے دوست سردار جیند خان اور خلیل خان کے پاس جائیں گے اور انہیں بتائیں گے کہ وہ اس مشہور انگریز جرنیل کے کیمپ سے بھاگ کر آئے ہیں جو حال ہی میں ہندوستان سے پانچ ہزار مسلح فوجی لے کر آیا ہے۔ اپنے طلب کرنے پر ان کے کچاؤ حاضر نہ ہونے کی وجہ سے وہ ان سے سخت ناراض ہے اور ان پر حملے کی تیاری کر رہا ہے اور اس سلسلے میں پہلے وہ خلیل خان پر حملہ کرے گا۔

عیدو کے دوست اپنے مشن پر روانہ ہو گئے اور ڈائر صاحب لینڈون کے ساتھ نصرت آباد چلے گئے۔ نصرت آباد کے قونصل خانے میں انہیں بذریعہ ٹیلی گرام یہ خوشخبری ملی کہ وہ بریگیڈیئر جنرل بنا دیئے گئے ہیں۔ اگرچہ انہوں نے اس سے قبل ہی سرخ فیتے اور ایک دوسرے کو قطع کرتی تلواروں کے نشان بنوا لیے تھے۔ اس ٹیلی گرام کے موصول ہونے پر وہ بہت خوش اور مطمئن ہوئے کیونکہ اب وہ خود کو جعلساز محسوس نہیں کرتے تھے۔ یہاں انہیں ایک بری خبر بھی ملی کہ ان کا اسباب جو نوشکی سے اونٹوں پر آ رہا تھا' چھاپہ ماروں نے لوٹ لیا ہے۔ ان کا گھوڑا مارا گیا ہے اور سائیس کا تو لباس بھی اتروا لیا گیا ہے۔

نصرت آباد میں وہ کرنل کلیرج سے ملے اور اسے رسد جمع کرنے کی ہدایت کی اور ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ وہ پہاڑی توپیں' رسالے کا ایک دستہ اور جتنے بھی پیادہ فوجی میسر ہوں جلد از جلد رباط بجھوائے۔

عیدو کے جاسوس اپنی مہم میں کامیابی کے ساتھ مصروف تھے اور جنرل صاحب خود سامانِ رسد مہیا کرنے میں۔ کرنل کلیرج نے دونوں توپیں اور چند سپاہی میجر میک گوان کی سرکردگی میں بجھوا دیئے' چاغی لیویز کے پندرہ نفر اور اٹھائیسویں لائٹ کیولری کے سترہ سوار بھی آ پہنچے جنہیں میر جاوا روانہ کر دیا گیا' وہ خود کچاؤ روانہ ہوئے جہاں انیسویں پنجاب رجمنٹ کے سو سپاہی اور دو مشین گنیں تھیں' لیکن وہاں انہیں مایوسی کا سامنا کرنا پڑا' انہیں صرف نو تربیت یافتہ سپاہی اور پچھتر غیر تربیت یافتہ ریکروٹ ہی میسر آئے اور ہاں دو عدد مشین گنیں بھی۔

6 اپریل کی شام کو یہ مختصر سپاہ میر جاوا پہنچ گئی' جہاں میجر میک گوان اپنی دو توپوں اور سترہ سواروں کے ساتھ ان کے منتظر تھے۔

قبائل پانچ ہزار فوجیوں کی آمد کی خبر سن کر رسل و رسائل کے راستوں کو تباہ کرنے کے

Scanned by CamScanner

بجائے پیچھے ہٹ گئے تھے اور اس لشکر جرار کے مقابلہ کے لیے اپنی تیاریوں میں مصروف تھے۔

پانچ ہزار ''چھلاووں'' کا جیئند خان پر حملہ' حکمت عملی کی سادگی پر فتح...... جیئند کے سفید جھنڈے

دوسرے روز یہ مختصر لشکر کوہ تفتان کی ترائی میں واقع ایک نسبتاً آباد اور زرخیز علاقے لادیز پہنچا' جہاں سبزہ تھا' ایک ندی بہتی تھی اور یہاں تیتروں پہاڑی بکروں اور جنگلی بھیڑوں کی بہتات تھی۔ ندی کنارے ایک قدیم متروک قلعہ موجود تھا۔ یہاں انہیں ریکی قبیلے کے پچاس رضا کار ملے لیکن انگریزی سپاہ کے پاس انہیں مسلح کرنے کے لیے رائفلیں نہ تھیں اور پانچ ہزار لشکر کا پول کھلنے کا خوف بھی تھا' چنانچہ ان کی خدمات سے فائدہ نہ اٹھایا جاسکا۔ مقامی پولیٹیکل افسر نے جب فوج کی یہ بے سروسامانی دیکھی تو صاحب کو واپس لوٹ جانے کا مشورہ دیا جس پر اسے فارغ کردیا گیا۔ اس کی جگہ ایک اور سردار کو سرحددار مقرر کیا گیا جو عیدو کی طرح اس میدان کا کھلاڑی تھا۔ وہ بخوشی بلکہ جوش وجذبے کے ساتھ دھونس' دھمکی اور مکروفریب کے اس کھیل میں حصہ لینے پر آمادہ ہوا۔

لادیز سے فورس خواش کی طرف روانہ ہوئی اور پہلے روز 18 میل کا فاصلہ طے کیا۔ دوسرے روز ان کا سامنا سردار جیئند خان کے لشکر سے ہوگیا جنہوں نے پہاڑوں میں مضبوط مورچہ بندی کر رکھی تھی۔ جنرل ڈائر نے توپوں کو بائیں طرف پہاڑیوں پر نصب کردیا۔ رسالے کو دائیں طرف سے چھپ کر آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ باربرداری کے 600 اونٹ غیر تربیت یافتہ سپاہیوں کے حوالے کیے۔ دونوں مشین گنیں بھی موزوں مقام پر لائی گئیں۔ صف بندی مکمل ہوئی ہی تھی کہ دشمن کی لشکر گاہ کی جانب سے ایک شترسوار سفید جھنڈا اٹھائے ایک پیدل شخص کے ہمراہ آتا ہوا دکھائی دیا۔ یہ جیئند خان کا قریبی رشتہ دار اور مشہور چھاپہ مار شہسوار تھا جو ایک خوش شکل اور خوش پوش نوجوان تھا۔ اس نے کہا کہ وہ جیئند خان کی طرف سے صلح کا پیغام لے کر آیا ہے' اگر جرنیل صاحب صرف ایک آدمی کے ہمراہ نیم راہ پر آئیں تو جیئند بھی ایک آدمی کے ساتھ آکر ان سے گفتگو کو تیار ہے۔

واضح تھا کہ پانچ ہزار لشکر کے ''عیدوئی پروپیگنڈے'' اور توپوں' مشین گنوں کی جھلک

سے جیئند خوفزدہ ہو گیا تھا' اگرچہ جنرل کے لیے یہ ہرگز سودمند نہ تھا کہ گفت وشنید کے سلسلہ کو طول دے کہ ان کے فریب کا پردہ کسی بھی وقت چاک ہو سکتا تھا لیکن اس نے مشتعل ہونے کا ڈرامہ کیا اور بھڑک کر شہسوار سے کہا: ''تمہیں یہ جرأت کیسے ہوئی کہ ایک انگریز جرنیل کے سامنے جیئند جیسے بدمعاش کی طرف سے ایسی توہین آمیز تجویز پیش کرو' جاؤ اسے کہہ دو میں نیم راہ ہی نہیں پورا راستہ طے کر کے آ رہا ہوں' میں تمہیں اتنی ہی مہلت دیتا ہوں جتنی دیر میں تم اس تک میرا پیغام پہنچاتے ہو۔ اس کے بعد میں ایک گولی چلاؤں گا اور پھر حملہ کر کے اسے صفحۂ ہستی سے مٹا دوں گا۔''

شہسوار خائف ہو گیا۔ اسے یقین تھا کہ پہاڑیوں کے عقب میں پانچ ہزار کا لشکر جرار موجود ہے' لہٰذا اس نے اس بڑی فوج کے خلاف لڑ کر جان دینے یا گھائل ہونے سے بہتر سمجھا کہ قیدی ہی بن جائے۔ اس نے اپنے ہمراہی کو صاحب کا پیغام دے کر جیئند کی طرف روانہ کر دیا۔ اسی دوران جنرل ڈائر نے اپنے رسالے کو نمودار ہونے کا حکم دیا۔ وہ ستر سوار ایک ترتیب کے ساتھ پہاڑیوں کے اوپر یوں نمودار ہوئے گویا کسی بڑے لشکر کا ہراول ہوں۔ انہیں جیئند کے بائیں بازو کی طرف بڑھنے کو کہا تھا گیا۔ پھر ایک گولی چلی' مشین گنوں نے آگ اگلی' مٹھی بھر چاغی لیویز کے سپاہی جیئند کے لشکر کے مرکز کی طرف بڑھے' جیئند سمجھا کہ اسے گھیرے میں لیا جا رہا ہے' چنانچہ اس نے پسپائی اختیار کی اور مورچیش کے دور دراز اور دشوار گزار پہاڑوں تک بھاگتا چلا گیا۔

جیئند کے فرار اختیار کرتے لشکریوں کے حوصلے مزید پست کرنے کے لیے ان پر فائرنگ کی گئی جس سے سات افراد مارے گئے جن میں جیئند کا ایک بیٹا بھی شامل تھا..... انگریز فوج کا نقصان..... ایک معمولی زخمی جسے اپنے ہی غیر تربیت یافتہ ساتھی کے ہاتھوں گولی لگی تھی گویا فرینڈلی فائر (اور آج تقریباً ایک صدی بعد بھی برطانیہ کے فوجی عراق میں فرینڈلی امریکن فائر سے مر رہے ہیں)۔ جیئند کا طاقتور لشکر منتشر ہو گیا۔

ہندوستان اور ایران دونوں جگہ جیئند ایک بہت بڑا نام تھا' دیگر قبائل بھی اسے سردار اعلیٰ خیال کرتے تھے' لہٰذا یہ شکست اور پیارے بیٹے کی موت اس کے لیے تباہ کن تھی۔ جنرل صاحب نے فیصلہ کیا کہ راز کھلنے کا خطرہ مول لیتے ہوئے بھی جیئند کا تعاقب جاری رکھا جائے اور اسے اپنی قوت دوبارہ مجتمع کرنے کا موقع نہ دیا جائے۔ برطانوی فوج جیئند کا تعاقب کرتے ہوئے اس کی سرمائی قیام گاہ کمال آباد پہنچ چکی تھی جہاں چشمے اُبلتے تھے' کاریزوں کا جال بچھا ہوا تھا اور کاشت کاری ہوتی تھی' جیئند کو پہاڑوں سے نکالنا بہت مشکل تھا' وہ دشوار گزار اور پیچ در پیچ کوہ

Scanned by CamScanner

تفتان کی بھول بھلیوں میں محفوظ تھا۔

یہاں عیدو کی شیطانی ذہانت نے کام دکھایا۔اس نے تجویز پیش کی کہ جیئند کو یہ پیغام بھیجا جائے کہ ایک بڑی فوج اس کے تعاقب میں ہے جس سے وہ بچ نہیں سکتا۔اور اگر وہ اپنے پورے قبیلے کو بھوک سے نہیں مارنا چاہتا تو خود کو صاحب کے حوالے کر دے ورنہ کمال آباد کی وادی میں لہلہاتی ہوئی گندم جواب سبز سے سنہری ہو رہی تھی' تباہ کر دی جائے گی۔اور اگر کل غروب آفتاب تک وہ خود کو حوالے نہیں کرتا تو پانچ ہزار کے لشکر کے ہراول دستے کے کمال آباد میں موجود چھ سو اونٹوں کو کھیتوں میں چھوڑ دیا جائے گا۔جرنیل نے اعلان کرایا کہ قبیلے کے تمام افراد کو معاف کر دیا گیا ہے جو لوگ پہاڑوں سے واپس آئیں گے انہیں ان کی جگہوں میں رہنے کی اجازت دے دی جائے گی۔غروب آفتاب سے کافی پہلے دیکھا گیا کہ سفید جھنڈے اٹھائے لوگوں کا ایک گروہ مورپیش کے پہاڑوں سے نکل کر انگریز فوج کی جانب بڑھ رہا تھا۔

خواش میں فاتحانہ داخلہ' خلیل خان بھی ہتھیار ڈالتا

ہے بمپور کا سفر..... جمعہ خان کا اعلانِ اطاعت

سرحد کا بے تاج بادشاہ بوڑھا سردار جیئند شکستہ دل' شکستہ صورت' کندھے ڈھلکائے' سر جھکائے اونٹ سے اترا' اگرچہ اس کی آنکھیں شدت جذبات سے چمک رہی تھی' ڈائر صاحب نے اس کا استقبال کیا' وہ دونوں جھاڑیوں کے سائے میں زمین پر بیٹھ گئے۔مسٹر ڈائر نے جیئند سے اس کے بیٹے کی موت پر تعزیت کی۔پھر انہوں نے جیئند خان کو جتلایا کہ اس کے قبیلے نے حکومت برطانیہ کے ساتھ بے وفائی کر کے انتہائی حماقت کا ثبوت دیا ہے۔انہوں نے کہا:

''میں بخوبی جانتا ہوں کہ تم جرمنوں کے جھوٹے پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے ہو' تمہیں جرمنوں نے کہا کہ انگریز کی طاقت دم توڑ رہی ہے' لہٰذا تم ان کے راستوں اور مواصلات کو منقطع کر دو اور ان کے سامانِ رسد پر قبضہ کر لو۔جیئند خان یہ کیسے ممکن ہوا کہ تم جیسا ہوشیار شخص ان کے دھوکے میں آ گیا۔تم نے یہ سوچ بھی کیسے لیا کہ برطانیہ جیسی عظیم طاقت جرمن جیسی ''ذلیل نسل'' سے شکست کھا سکتی ہے' کہاں ہیں وہ جرمن جہاز جو ان کے بقول دشمن کے شہروں' لشکروں' کھیتوں اور گلوں کو تباہ کر دیتے ہیں۔''

Scanned by CamScanner

جیئند نے تسلیم کیا کہ سرحد کے لوگ دھوکہ کھا گئے تھے اور یہ کہ جیئند قبائلیوں کو انگریزوں کے مواصلات کو نقصان پہنچانے سے روکتا رہا ہے۔ (جیئند کے جواب میں جرمنوں کا کوئی ذکر نہیں)

جنرل نے مطالبہ کیا کہ گورنمنٹ کے تمام اونٹ اور سامانِ رسد جو رباط اور نوشکی کے درمیان لوٹا گیا اور جنرل کا ذاتی سامان واپس کیا جائے۔ دورانِ گفتگو جیئند کی نظریں چاروں طرف بھٹکتی رہیں۔ آخر اس نے پوچھ ہی لیا: ''آپ کا لشکر کہاں ہے؟''

جنرل نے کہا: ''ضروری نہیں کہ تمام سپاہ کمال آباد آتی وہ یہاں صرف ہراول دستے کے ساتھ آیا ہے۔''

جیئند خان سے قرآن مجید پر حلف لیا گیا کہ وہ اور اس کا قبیلہ آئندہ برطانوی مفادات کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔ جیئند اور اس کے ساتھیوں کو غیر مسلح تو نہ کیا گیا لیکن ان سے کہا گیا کہ تم نظر بندی کی حیثیت سے ہمارے ساتھ رہو گے۔

اب جنرل صاحب' میجر لینڈون' عیدو اور سرحد دار خواش اور اس کے قلعے پر قبضے کی منصوبہ بندی کے لیے سر جوڑ کر بیٹھے۔ خواش اور اس کا قلعہ شہسوار کی ملکیت تھا اور اس نے ایک حسین و جمیل خاتون گل بی بی کے ساتھ شادی کرنے کے لیے اس کے وارث محمد حسن کے مطالبے پر ''لب'' کے طور پر اسے دے دیا تھا۔ فیصلہ کیا گیا کہ لینڈون کے سکاؤٹس میں سے دو افراد خواش جا کر محمد حسن سے کہیں کہ جیئند' صاحب کی قید میں ہے۔ اس کے سات سو افراد مارے گئے ہیں' جنرل صاحب کا حکم ہے کہ اگر کل دوپہر تک خواش کا قلعہ ان کے حوالے نہ کیا گیا تو اس پورے علاقے کو اڑا دیا جائے گا۔

دوسرے روز جنرل صاحب سترہ سواروں' نو تربیت یافتہ اور 65 غیر تربیت یافتہ پیادوں' چاغی لیویز کے پندرہ سواروں' دو مشین گنوں اور دو توپوں کے ساتھ خواش کے نواح میں پہنچ گئے' انہیں اطلاع ملی کہ خلیل خان ایک بڑا لشکر لے کر جیئند کی مدد کے لیے آ رہا ہے اور اسے ابھی جیئند کی شکست کی خبر نہیں ملی۔ قلعہ خاصا مضبوط دکھائی دیتا تھا اور اگر محمد حسن ہتھیار نہیں ڈالتا اور عقب سے خلیل خان بھی پہنچ جاتا ہے تو کیا ہوگا۔ جنرل ڈائر اس فکر میں تھے کہ ایک سفید پرچم بردار پیغام رساں آ پہنچا اور گزارش کی کہ محمد حسن عرض گزارتا ہے کہ ''آپ خواش کو آسمان کی طرف نہ اڑائیں وہ خود قلعے کو آپ کے حوالے کرنے آ رہا ہے۔''

Scanned by CamScanner

دھونس اور فریب کو ایک بار پھر کامیابی نصیب ہوئی اور جنرل ڈائر کے بقول ''ذلیل حیوان'' محمد حسن نے ہتھیار ڈال دیے۔ قلعے میں داخلے کے کچھ دیر بعد ایک اور خوشخبری ملی کہ خلیل خان کو جیئند کی شکست' اس کے بیٹے اور سات سو لشکریوں کی ہلاکت کی خبر مل گئی ہے اور وہ اپنی سابقہ حرکتوں پر اظہار ندامت کرنے اور ہتھیار ڈالنے آ رہا ہے۔ یہ اطلاع سن کر لینڈ ون اور جنرل ڈائر نے ایک دوسرے کو دیکھا اور بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

اس روز خلیل خان نے اپنے پچاس آدمیوں سمیت جو جرمن ماؤزر رائفلوں سے مسلح تھے ہتھیار ڈال دیے۔ خلیل خان بھی اس لشکر کو دیکھنے کے لیے بے تاب تھا' جس نے جیئند کے سات سو ساتھی مار ڈالے تھے لیکن جنرل نے اسے اپنی لچھے دار گفتگو سے مطمئن کر دیا اور بیچارے کی لشکر دیکھنے کی حسرت حسرت ہی رہی۔ اور جب جنرل صاحب نے خلیل خان اور اس کے ساتھیوں کو ہتھیار واپس کیے تو ان کے چہروں سے خوشی پھوٹ پڑی۔

دوسرے روز جنرل نے قلعے کے باہر ندی کنارے ایک درخت کی چھاؤں میں دربار منعقد کیا جس میں تمام سرحدی سرداروں اور ان کے ساتھیوں کو طلب کیا گیا تھا۔ جنرل نے اپنے خطاب میں کہا کہ سرکار برطانیہ کی نمائندگی محض یہ مختصر سپاہ نہیں کرتی جو خواش میں موجود ہے بلکہ اس وقت دنیا کی چالیس لاکھ بہترین فوج سرکار برطانیہ کے جھنڈے تلے مختلف ممالک میں جنگ لڑ رہی ہے اور جرمن کی شکست قریب ہے۔ انہوں نے جیئند' خلیل' شہسوار اور محمد حسن سے مخاطب ہو کر کہا:

''آپ نے جرمنوں کے جھوٹے پروپیگنڈے کا اعتبار کر لیا اور اس بات کو بھی مان لیا کہ جرمن مسلمان ہو چکے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے' جرمن مسلمان نہیں ہوئے بلکہ آپ کے اپنے مسلمان ترک بھائی جرمن ہو گئے ہیں۔ وہ اپنے جرمن آقا کا ہر حکم مانتے ہیں' شراب پیتے ہیں اور کئی ایسے برے کام کرتے ہیں جو قرآنی تعلیمات کے صریحاً منافی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ ایسے جرمن میرے سامنے لائیں جو پیغمبر اسلام پر ایمان لا چکے ہیں' میں فی کس ایک لاکھ روپے انعام دوں گا۔ سرحدی قبائلیوں کو چاہیے کہ وہ ان معاملات میں رہنمائی حاصل کرنے کے لیے شریف مکہ کی طرف رجوع کریں جو مسلمانوں کا روحانی پیشوا ہے اور انگریزوں کا بہترین دوست ہے۔ میں ایک دوست کی حیثیت سے آپ کے پاس آیا ہوں۔ اگرچہ آپ میرے خلاف لڑے ہیں لیکن میں آپ کو معاف کرتا ہوں۔ میں آپ کا دوست رہوں گا۔ آپ کے تمام مفادات

Scanned by CamScanner

برطانیہ کی دوستی سے وابستہ ہیں اور اگر آئندہ آپ لوگوں نے کبھی ہماری مخالفت کی تو اپنا وطن ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھو بیٹھیں گے۔"

جیئند، خلیل، شہسوار اور محمد حسن نے ماضی کی کوتاہیوں پر اظہار افسوس کیا اور ایک بار پھر عہد کیا کہ وہ حسب سابق تاج برطانیہ کے وفادار رہیں گے۔ سرحد میں امن بحال کرنے میں فوج کی مدد کریں گے اور جمعہ خان اور اس کے اسماعیل زئیوں سے خود نمٹیں گے، جنہوں نے اب تک اطاعت قبول نہیں کی۔ جنرل نے کہا کہ وہ خواش کو ان کی نیک چلنی کی ضمانت کے طور پر کچھ عرصہ اپنے قبضے میں رکھیں گے اور ان لوگوں کے متعلق ایک ہمدردانہ رپورٹ حکومت ہند کو بھیجیں گے۔

اگلے روز جنرل ڈائر ایک لشکر جرار کی قیادت کرتے ہوئے اسماعیل زئیوں اور جمعہ خان کی سرکوبی کے لیے گلوگان روانہ ہوئے۔ اس حالت میں کہ ہراول دستہ شہسوار کی زیر کمان تھا، خلیل خان اور گمشادزئی میمنہ پر، جیئند خان اور یار محمد زئی میسرہ پر اور جنرل صاحب خود قلب لشکر ہیں۔ راستے میں انہیں اطلاع ملی کہ بمپور کے خان کے عزائم بھی کچھ اچھے نہیں، چنانچہ "شیطان چوکڑی" ایک بار پھر مل بیٹھی اور فیصلے کے مطابق عیدو کے جاسوسوں کو بمپور کے خان کے پاس بھیجا گیا جنہوں نے خان کو خبردار کرنا تھا کہ جرنیل صاحب ایک طاقتور فوج کے ساتھ بمپور کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ وہ فوج جو جیئند، خلیل، شہسوار اور محمد حسن جیسے سرداروں کو گرفتار کر چکی ہے، اگرچہ وہ بظاہر تو گلوگان کی طرف جا رہے ہیں جمعہ خان کو کچلنے کے لیے لیکن یہ محض دھوکہ ہے، دراصل بمپور آ رہے ہیں۔ ایسا ہی انہوں نے خواش میں بھی کیا تھا جسے وہ ایک ماہ کا راشن دے کر پانچ سو سپاہیوں کی حفاظت میں چھوڑ آئے ہیں۔ دونوں جاسوسوں نے رات ایک بجے یہ اطلاع خان کو بہم پہنچائی اور دو بجے خان نے ایک تیز رفتار اونٹ پر سوار ہو کر مکران کی جانب راہ فرار اختیار کی۔ بعد میں پتہ چلا کہ خان سیدھا انگریز پولیٹیکل آفیسر کرنل ڈیوکے ہیڈ کوارٹر پہنچا اور خود کو اس کے سپرد کر دیا۔

گلوگان کو جاتے ہوئے انہوں نے کئی خوب صورت اور حیران کن قدرتی مناظر اور مظاہر دیکھے۔ گیارہ ہزار فٹ بلند شاندار کوہ بزمان جو برف سے ڈھکا ہوا تھا، راستے سے چند سو گز ہٹ کر انہوں نے ایک ہموار میدان میں ایک سو پچاس فٹ لمبا ایک سو بیس فٹ چوڑا اور تقریباً پچاس فٹ گہرا گڑھا دیکھا جس کے کنارے مکمل عمودی تھے۔ عیدو نے بتایا کہ اس کے دادا جب جوان تھے ان دنوں ایک رات آسمان سے کوئی چیز دھماکے کے ساتھ زمین پر آ گری جس سے یہ

گڑھا وجود میں آیا۔ راستے میں انہوں نے مختلف آبی جانوروں کے آثار متحجرہ (Fossils) دیکھے۔ کچاؤ کی طرف سفر کے دوران ہر طرف سبزہ ہی سبزہ تھا اور پہاڑی ڈھلانیں رنگ برنگ پھولوں کی کثرت سے رنگین قالینوں کی طرح لگتی تھیں۔ موسم بھی انتہائی خوشگوار تھا۔

تین روز بعد جب وہ گلوگان کے کھیتوں سے بھرے سبز مخملیں میدان میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ جمعہ خان گلوگان خالی کر کے اپنے قبیلے کے ساتھ پہاڑوں میں چلا گیا ہے۔ یہاں پھر فصلوں کو تباہ کرنے کی دھمکی آزمائی گئی اور جمعہ خان کو پیغام بھجوایا گیا کہ اس کا قبیلہ اب تنہا رہ گیا ہے اور وہ برطانوی لشکر کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں' ہتھیار ڈال کر اطاعت قبول کرنے والے گمشادزئیوں اور یار محمد زئیوں کے ساتھ بہت فیاضانہ سلوک کیا گیا ہے۔ ویسا ہی سلوک ان کے ساتھ بھی کیا جائے گا۔ اسی شام جمعہ خان نے اپنے تیس ساتھیوں کے ہمراہ حاضر ہو کر ہتھیار ڈال دیئے اور قرآن پاک پر وفاداری کا عہد کیا۔

قیدی سرداروں میں بے چینی' انعام اور اقرار جیئند کی بغاوت' رقاصاؤں کا تخت

سرحد کے تمام سردار اب جنرل ڈائر کے زیر حراست تھے۔ کچاؤ کی طرف واپسی کا سفر جاری تھا۔ راشن کی کمی تھی' لہٰذا اپنے آدمیوں کا راشن نصف کر دیا گیا۔ پھولوں کے بے انت سلسلوں کے درمیان سفر کرتے ہوئے وہ دزد آب کے میدان میں اترے۔ میدان کے پار انہیں ایک حیرت انگیز پہاڑ نظر آیا جو دنیا کا سب سے بڑا مشروم (Mushroom) کہلا سکتا تھا۔ نیچے تنا اور اوپر قبہ نما سپاٹ چوٹی۔ عیدو نے بتایا کہ اس پہاڑ کا نام تخت جنکاں یعنی ناچنے والی لڑکیوں کا تخت ہے۔ عیدو نے ایک داستان سنائی کہ چاندنی راتوں کو اس پہاڑ کی سپاٹ چوٹی پر پریوں جیسی حسین لافانی لڑکیاں آ کر رقص کرتی ہیں اور اگر اس وقت کوئی شریف اور پاکباز نوجوان پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جائے اور وہ ان میں سے کسی پری کی محبت جیتنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو تو وہ لڑکی ایک فانی لڑکی کا روپ دھار کر اس نوجوان سے شادی کر لیتی ہے۔

جنرل ڈائر نے عیدو سے پوچھا کہ کیا وہ کبھی کسی ایسے نوجوان سے ملا ہے جس نے ایسی کوئی لافانی دلہن حاصل کی ہو' عیدو نے ہنس کر جواب دیا: ''صاحب میرے خیال میں پورے سرحد میں کوئی ایسا نیک سیرت نوجوان نہیں ہے جو اس اعزاز کے لائق ہو۔''

اس شام جنرل ڈائر اور میجر لینڈون پہاڑ پر چڑھے اور جب دیر رات گئے وہ اس

Scanned by CamScanner

پرے اترے تو عیدو نے غیر شادی شدہ میجر لینڈ ون سے پوچھا کہ کیا اس نے وہاں لڑکیاں دیکھی تھیں تو لینڈ ون نے کہا کہ نہیں لیکن اس لیے نہیں کہ وہ ایک نیک جوان نہیں بلکہ اس لیے کہ رات چاندنی نہ تھی' البتہ اسے وہاں قدموں کے بڑے بڑے نشان ضرور نظر آئے اور وہ یقیناً ان ابدی لڑکیوں کے نہیں تھے۔

جنرل ڈائر روزانہ سرحدی سرداروں کے ساتھ نشست کرتے' دلچسپ گفتگو ہوتی۔ سرداروں نے انہیں پیشکش کی کہ وہ کسی بھی مہم میں ان کا ساتھ دینے پر آمادہ ہیں بشرطیکہ وہ کوئی پرخطر مہم ہو۔ وہ مفروضہ دشمنوں (جرمنوں) کے بارے میں سوالات کرنے لگے جنہیں کسی نے نہ دیکھا تھا۔ ان کی طاقت اور ان کی آمد کے متوقع راستوں کے بارے میں پوچھے لگے۔ جنرل نے محتاط رویہ اختیار کیا۔

ایک روز عیدو نے جنرل سے کہا وہ جیئند اور خلیل پر ہرگز اعتماد نہ کریں۔ البتہ جمعہ خان ایک ایسا شخص ہے جو بھروسے کے لائق ہے اور اپنا قول کبھی نہیں توڑتا اور پھر جمعہ خان اس لیے بھی کام کا آدمی ہے کہ جرمنوں کے افغانستان میں داخلے کا مبینہ راستہ جمعہ خان کے علاقے سے گزرتا ہے۔

اگلے روز انہوں نے کوہِ جیئند سیاہ کے دامن میں کیمپ کیا جو جیئند کے بقول اس کے دادا کے نام سے منسوب تھا۔ یہاں سرداروں نے بتایا کہ سرحدیوں میں یہ خدشہ گشت کر رہا ہے کہ جنرل انہیں قتل کرنے کے لیے کچاؤ لیے جا رہا ہے' لہٰذا وہ اس بات پر غور کر رہے ہیں کہ کیا یہ دانشمندی نہیں ہوگی کہ وہ آج رات جنرل کی مختصر فوج کا صفایا کر کے طلوعِ آفتاب سے پہلے غائب ہو جائیں..... لیکن ان کی خوش قسمتی کہ سرحدی کسی فیصلے پر متفق نہ ہو سکے۔

جونہی لشکر کچاؤ میں داخل ہوا جنرل کے حکم کے مطابق ہراول رسالہ اور توپیں اپنی بیرکوں میں چلی گئیں' جس سے سرحدیوں کی پریشانی کم ہوگئی۔ ان کا کیمپ پولیٹیکل آفیسر کے گھر کے قریب لگایا گیا۔ ہندوستان سے سامانِ رسد آ چکا تھا' چنانچہ انہیں کافی مقدار میں راشن دے دیا گیا۔

یکم مئی کو دربار منعقد کیا گیا۔ سرحدداروں نے خزانے سے روپوں کے تھیلے لا کر جنرل صاحب کے قدموں میں ڈھیر کر دیے جو سرداروں کو نیک چلنی کے لیے انعام کے طور پر دیئے جانے تھے۔ جنرل صاحب نے خطاب فرمایا اور وہی تقریر دہرائی جو خواش میں کی تھی یعنی

Scanned by CamScanner

سرحدیوں کی حماقت اور اپنی مہربانیوں کا تذکرہ۔ نیک چلنی کی تلقین اور انعام واکرام کے وعدے لیکن صرف وعدے ہی نہیں بلکہ وفاداری کے اقرارنامے پر دستخط لینے اور انگوٹھے لگوانے کے بعد انہیں نقد انعام سے نوازا گیا۔ جیئند کو دوسروں سے زیادہ رقم ملی یعنی دو ہزار روپے اور انہیں گھروں کو لوٹ جانے کی اجازت دے دی گئی۔ سرحدیوں نے اس حسن سلوک پر سرکار کا شکریہ ادا کیا اور عہد کیا کہ وہ کسی جرمن جاسوس کو اپنے علاقے سے نہیں گزرنے دیں گے۔

3 مئی کو وہ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ اسی شام عیدو جو رخصت لے کر اپنی ایک بیوی سے ملنے گیا ہوا تھا (اس کی متعدد بیویاں تھیں) واپس لوٹ آیا اور سیدھا جنرل صاحب کے کمرے میں داخل ہو گیا اور جیئند اور خلیل کی رہائی کے ''غیر دانشمندانہ اقدام'' پر اپنے تحفظات اور بے اطمینانی کا اظہار کیا اور بتایا کہ اس کی اطلاع کے مطابق یہاں سے جانے کے بعد ایک جگہ سرحدیوں کا اجلاس ہوا' جس میں جیئند نے ان پر دباؤ ڈالا کہ عہد توڑ دیا جائے اور جلد از جلد خواش پر قبضہ کیا جائے اور پھر انگریزوں کی اس مختصر فوج کو تباہ کر دیا جائے۔ صرف جمعہ خان نے اس سے انکار کیا اور اپنے آدمیوں کو لے کر گلوگان چلا گیا.....

یہ جنرل صاحب کے لیے ایک اچھی خبر تھی۔ وہ چھاپہ مار سرداروں کو رہا کرنے کے فیصلے پر بھی پشیمان نہیں تھے کیونکہ وہ تو آئے ہی انہیں دوست بنانے کے لیے تھے اور ان حالات میں یہی مناسب فیصلہ تھا.....ایک واضح کامیابی جو انہوں نے حاصل کی تھی وہ جمعہ خان کو دوسرے سرحدی سرداروں سے الگ کرنا تھا جبکہ جمعہ خان کا علاقہ سب سے زیادہ تزویراتی اہمیت کا حامل تھا۔

جنرل صاحب نے فیصلہ کیا کہ انتہائی برق رفتاری سے خواش کی طرف پیش قدمی کی جائے' اس سے پہلے کہ جیئند خواش پر قبضہ کر لے..... بعد ازاں ان کے جاسوسوں نے اس خبر کی تصدیق کر دی کہ جیئند خان خواش کی طرف بڑھ رہا ہے۔

خواش کی طرف دوڑ' ڈائر بمقابلہ جیئند.....شیطانی سواری.....جیئند کو پھر مات

بریگیڈیئر جنرل ڈائر اور سردار جیئند خان یار محمد زئی ایک ریس میں حصہ لے رہے تھے۔ خواش تک دوڑ جو یہ ریس جیت جاتا وہ خواش جیت جاتا اور فاتح ٹھہرتا۔ اس دوڑ میں موٹر کار استعمال کرنے کا آئیڈیا عیدو کا تھا۔ صاحب یہ جیئند کے جاہل آدمیوں کو مرعوب اور حواس باختہ کر

Scanned by CamScanner

دے گی' وہ اسے بھوت پریت سمجھیں گے۔ یہ ہمارے لیے درجن بھر توپوں سے بھی زیادہ مفید ثابت ہو گی۔

موٹر کار ایلن کے پاس رباط میں تھی' چنانچہ فوراً ٹیلی گرام بھیجا گیا' ایلن کو تمام فالتو ٹائر ٹیوبوں سمیت کجاؤ سے نو میل کے فاصلے پر پہنچنا تھا' جہاں جنرل اور عیدو اس کے منتظر ہوتے۔

میجر لینڈون کو اپنی فورس کے ساتھ مختصر راستے سے جلد از جلد خواش پہنچنا تھا' اگرچہ یہ راستہ بھی سات روز سے کم کا نہ تھا' وہی مختصر فورس' 17 سوار' 65 غیر تربیت یافتہ پیادے' 15 لیویز والے' دو عدد مشین گنیں اور دو ضرب توپ..... اگرچہ اس کے چھ سو اونٹ اسے ایک نسبتاً بڑی فوج بنا کر دکھاتے تھے جنرل اور عیدو دو ٹٹوؤں پر روانہ ہوئے۔ دشوار گزار اور تنگ پہاڑی راستہ پر ٹٹو بھی ان کے کام نہ آئے۔ ایک موڑ پر جنرل کا ٹٹو اڑ گیا اور عیدو کا ٹٹو جو آگے تھا اوپر سے پھسلا اور اس کے اُوپر آ گرا۔ جنرل صاحب تو بچ گئے لیکن تینوں ٹٹوؤں (تیسرا عیدو) کو چوٹیں آئیں۔

باقی فاصلہ جو اچھا خاصا فاصلہ تھا' انہوں نے پیدل طے کیا اور جب وہ متعینہ مقام پر پہنچے تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی کہ ایلن وہاں ان کا منتظر تھا اور وہ تینوں جانب جنوب اپنی منزل کو روانہ ہوئے۔ عیدو موٹر کار سے کچھ زیادہ ہی توقعات وابستہ کر بیٹھا تھا چنانچہ اس نے ایک شارٹ کٹ تجویز کیا۔ وہ سمجھتا تھا کہ یہ آہنی بلا کسی بھی بلندی پر چڑھ سکتی ہے اور کسی بھی تنگ درے سے گزر سکتی ہے۔ موٹر کار ایک انتہائی تنگ اور ناہموار دشوار راستے پر چل رہی تھی' اسے بار بار دھکا لگانے کی ضرورت پڑتی' پتھر ہٹائے جاتے راستہ بنایا جاتا' آخر وہ ایک تنگ درے میں پھنس گئی چنانچہ خاصی دقتوں کے بعد درے کی دیوار کھود کر راستہ بنایا گیا۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ موٹر کار کے ساتھ عیدو کا رومانس ختم ہو گیا اور اس نے موٹر کے بارے میں بے اطمینانی اور مایوسی کا کھلم کھلا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ آخر کار وہ میجر لینڈون تک پہنچ ہی گئے۔ دوسرے روز لینڈون نے طلوع آفتاب سے قبل اپنا مارچ شروع کیا۔ موٹر کار طلوع آفتاب کے بعد روانہ ہوئی۔ راستے میں ملنے والے لوگ موٹر کو دیکھ کر خوفزدہ ہوتے اور بھاگ کھڑے ہوتے۔ رات کو وہ ریکیوں کی بستی میں ٹھہرے جو عیدو کا قبیلہ تھا۔ یہاں قبائلی ضیافت کا اہتمام ہوا۔ سالم دنبوں کو آگ پر بھونا گیا اور نیم پختہ ہی چاقوؤں سے کاٹ کر کھایا گیا۔

شروع شروع میں تو قبائلی موٹر سے خوفزدہ رہے پھر انہوں نے دیکھا کہ وہ ایلن کے حکم پر خاموش رہتی ہے اور کسی پر غراتی نہیں یا کاٹتی نہیں تو وہ آگے آنے لگے اور ڈرڈر کر اسے چھونے

Scanned by CamScanner

لگے۔ اس دوران عیدو نے ہارن بجا دیا وہ پھر بھاگ کھڑے ہوئے' لیکن عیدو نے باری باری انہیں بلا کران سے ہارن بجوایا تو وہ سب کھلکھلا کر ہنسے۔

صبح طلوع آفتاب سے قبل وہ چل پڑے۔ وہ کچھ دور ہی گئے تھے کہ عیدو کی دور بین نگاہوں نے کھیتوں میں کچھ ہیولے دیکھے۔ اس نے گاڑی رکوائی اور خود رینگتا ہوا اس طرف بڑھا اور کچھ دیر بعد ٹہلتا ہوا واپس آیا۔ اس کے پیچھے پندرہ شتر سوار تھے جو ریکی تھے اور عیدو کے دوست۔ انہوں نے جنرل سے گزارش کی کہ صاحب جینکد ایک بڑے لشکر کے ساتھ خواش پہنچنے والا ہے' لہٰذا آپ اپنے اس شیطان پر سوار ہو کر بھاگ جائیں ورنہ وہ آپ سب کو مار ڈالے گا۔

جنرل نے انہیں یقین دلایا کہ جینکد کا اس قدر جلد خواش پہنچنا ناممکن ہے اور بفرض محال وہ پہنچ بھی گیا تو پہلے کی طرح اس سے ہتھیار رکھوا لیے جائیں گے۔ عیدو نے انہیں موٹر کی محیر العقول اور طلسمی خصوصیات کے بارے میں بتایا۔ اسی وقت جنرل نے ایک تیز رفتار شتر سوار لینڈون کی طرف روانہ کیا۔ اس پیغام کے ساتھ کہ بھاگو اور خواش پہنچو۔ ریس فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو گئی۔ عیدو نے ان شتر سواروں کو ساتھ لے لیا' کیونکہ آگے ریتلا علاقہ تھا اور گاڑی کو دھکیلنے کے لیے ان کی ضرورت تھی۔ پچیس میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد عیدو کو ایک چھوٹے نالے میں ایک پڑاؤ کا احساس ہوا۔

اس کے خیال میں یہ یار محمد زئی تھے جو دشمن ہیں چنانچہ کار اور اونٹوں کو چھپا دیا گیا اور عیدو خبر لینے آگے چلا گیا اور کچھ ہی دیر بعد افسردہ چہرے کے ساتھ واپس آیا اور بتایا کہ یہ عزت کے آدمی ہیں جو ایک بڑا چھاپہ مار اور لٹیرا ہے اور حال ہی میں فارس کے علاقے سے سینکڑوں عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا کر لایا ہے۔ جنرل نے ان سے لڑنے کا ارادہ ظاہر کیا لیکن چالاک عیدو نے کہا کہ وہ ان لوگوں کو اپنا دست و بازو بنا سکتا ہے' چنانچہ اب وہ مذاکرات کے مشن پر روانہ ہوا۔ عیدو نے ایک محفوظ آڑ سے عزت کو پکارا اور اس سے اپنی جان کے تحفظ کا قول مانگا اور پھر اس کے ساتھ مذاکرات کیے۔

عزت نے بتایا کہ وہ ایک انگریز جنرل کے خلاف لڑنے آیا ہے اور ایک ہراول دستے کی کمان کر رہا ہے اور جینکد کو اطلاعات بھجواتا ہے۔ جو خواش کی طرف برق رفتاری سے پیش قدمی کر رہا ہے۔

"دیکھو عزت....." عیدو نے کہا: "جنرل صاحب نے تم سب کو گرفتار کر لیا تھا اور

Scanned by CamScanner

چاہتے تو تمہیں ہلاک کر سکتے تھے لیکن انہوں نے تمہارے ساتھ اچھا سلوک کیا' تمہیں آزاد کر دیا' تمہارے ہتھیار واپس کر دیئے اور تمہیں بھاری رقوم بھی دیں لیکن تم خود کو بد عہد ثابت کر رہے ہو۔ یقین کرو تم لمحوں میں صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے جاؤ گے' تم نے کچاؤ میں قرآن پر حلف اٹھایا تھا' خود کو مسلمان کہتے ہو اور قرآن پر لیا ہوا حلف توڑتے ہو' آؤ اے بے وقوف آدمی میں تمہیں ایک شیطانی آلہ دکھاؤں جو جنرل صاحب لائے ہیں۔''

وہ عزت کو موٹر کے پاس لے گیا اور ریڈی ایٹر کے سوراخوں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ''جنرل صاحب کو صرف ایک بٹن دبانا پڑے گا اور ان سوراخوں میں سے تم پر گولیوں کی بارش برسے گی۔ جنرل صاحب بٹن دبانا چاہتے تھے لیکن میں نے ان کی منت سماجت کی کہ تم میرے بھائی ہو' میں تمہاری جانیں بچانا چاہتا تھا جاؤ ان کے پاؤں پکڑ لو ان کا دل بہت بڑا ہے وہ تمہیں معاف کر دیں گے۔''

اور یوں عزت اور اس کے اٹھارہ ساتھیوں نے اس شیطانی آلے کے استعمال نہ کرنے کی شرط پر ہتھیار ڈال دیئے۔ جنرل صاحب نے بھی ایک شرط رکھی کہ ریت اور کیچڑ اس شیطانی مشین کی راہ میں رکاوٹ ڈالتے ہیں چنانچہ ہمیں تم لوگوں کی مدد کی ضرورت پڑے گی۔ تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔'' عزت تو ہر شرط قبول کرنے کو تیار تھا۔ موٹر کار رات بھر بے نشان راستوں' گھاٹیوں' ندیوں کی ریتلی گزرگاہوں اور دلدلی راستوں پر چلتی رہی' عزت کے آدمی اور ریکی رسوں کی مدد سے اسے کھینچ کھینچ کر نکالتے بھی رہے۔

بعض مقامات پر پتھروں نے ٹائروں اور ٹیوبوں کی دھجیاں اڑا دیں لیکن ان کے پاس کافی فالتو ٹائر اور ٹیوب تھے۔ رات بھر ایلین خود کو ایک ہار نہ ماننے والا انگریزی بل ڈاگ کہتا رہا لیکن آخر فطرت اس پر غالب آ گئی اور صبح دم اس کی آنکھ لگ گئی اور خواش سے صرف پانچ میل پہلے گاڑی ندی کی ریتلی تہہ میں جا گری۔ گاڑی نکالنے سے زیادہ ضروری خواش پہنچنا تھا' چنانچہ جنرل اور عید واونٹوں پر سوار ہوئے' عزت کو ساتھ لیا اور اونٹوں کو خواش کی طرف سرپٹ دوڑا دیا۔

ذہنوں میں کئی وسوسے لیے جب وہ خواش کے قلعے کے نزدیک پہنچے تو ان کی جان میں جان آئی کیونکہ قلعے کے بڑے برج کے اوپر فوج کی وردی میں ملبوس ان کا اپنا ایک سپاہی کھڑا تھا۔

جنرل ڈائر نے اپنا ہیلمٹ اتارا اور سپاہی کو اشارہ کیا وہ ٹاور سے اتر کر دوڑا چلا آیا اور بولا۔

''صاحب' شکر ہے آپ پہنچ گئے۔ شہسوار ایک بڑے لشکر کے ساتھ پہنچ چکا ہے اور

Scanned by CamScanner

قریب ہی کیمپ لگائے ہوئے ہے۔ آپ فوراً اندر آ یئے۔'' اور چند ہی لمحوں بعد وہ خواش کے قلعے کے اندر تھے۔ انہوں نے فوراً قلعے کے دفاع کی طرف توجہ دی اور بڑے برج پر پلٹن کے پانچ سپاہیوں کو تعینات کیا۔ عیدو کے آدمیوں کو باقی برجوں پر جبکہ عزت کے آدمیوں کو درمیان میں رکھا گیا اور ان پہ نظر رکھی گئی۔ عزت کو جنرل نے اپنی ذاتی نگرانی میں رکھا۔

عیدو جاسوسی کے مشن پر صاحب سے رقم لے کر قلعے سے باہر گیا۔ واپس آ کر اس نے شہسوار اور اس کے آدمیوں کے متعلق معلومات بہم پہنچائیں اور شہسوار کے ساتھ گفت وشنید کی اجازت مانگی۔ پہلے تو عیدو کی جان کو لاحق خطرے کے پیش نظر جنرل صاحب ہچکچائے' لیکن بعدازاں جب ایک خواشی شہسوار سے عیدو کی جان کی حفاظت کا قول لے کر آیا تو اسے جانے دیا۔

عیدو شہسوار کے پاس پہنچا اور تحکمانہ انداز میں اس سے مخاطب ہوا۔

''تم کیوں خود کو احمق انسان ثابت کرنا چاہتے ہو' تم یہاں مجمع اکٹھا کر کے خود کو مشکوک بنا رہے ہو' جنرل صاحب خواش میں تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔''

شہسوار نے اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا کہ جنرل اس قدر جلدی کچاؤ سے خواش پہنچ سکتا ہے۔ لیکن عیدو نے قسم کھا کر کہا کہ ''جنرل صاحب خواش پہنچ چکے ہیں اور پیچھے کمک بھی آ رہی ہے۔''

شہسوار نے کہا: ''یہ ممکن کیسے ہے کہ وہ اتنی جلدی پہنچ جائیں۔'' تو عیدو نے بتایا کہ وہ موٹر کار پر آئے ہیں اور میں بھی ان کے ساتھ ہی آیا ہوں۔''

''موٹر کار کیا ہوتی ہے؟'' شہسوار نے پوچھا۔

عیدو نے جواب دیا: ''موٹر کار ایک جہنمی اور شیطانی مشین ہے جو بلند سے بلند پہاڑوں پر تیزی سے چڑھ سکتی ہے' چاروں طرف گولیوں کی بارش برسا سکتی ہے۔''

شہسوار نے قرآن نکالا اور عیدو سے کہا: ''کیا تم قرآن پر قسم کھا سکتے ہو کہ جنرل صاحب خواش میں ہے اور اس حیرت انگیز جادوئی مشین پر آیا ہے اور وہ مشین بھی خواش میں ہے۔''

عیدو نے قسم کھائی تب شہسوار خوفزدہ ہو گیا۔ اس نے کہا: ''وہ جنرل صاحب سے لڑنے نہیں آیا تھا بلکہ اپنے آبائی قلعے میں ان کی عزت افزائی اور استقبال کے لیے آیا تھا۔''

عیدو کی واپسی کے کچھ دیر بعد شہسوار بھی آ پہنچا اور جنرل نے قلعے کے اندر اپنی کمزور حیثیت کے پیش نظر قلعے کے باہر اس سے ملاقات کی اور بظاہر اس کی اس یقین دہانی کو تسلیم کر لیا

Scanned by CamScanner

کہ وہ اچھی نیت کے ساتھ اور ان کی قدر افزائی کے لیے آیا ہے لیکن جب تک اس کا سردار جیند نہیں آ جاتا اور عہد پر قائم رہنے کی یقین دہانی نہیں کراتا' اسے زیر حفاظت رہنا ہوگا جہاں اسے تمام سہولتیں میسر ہوں گی۔

شہسوار نے جواباً کہا کہ بڑے میاں آج شام تک ہر صورت میں خواش پہنچ جائیں گے' چنانچہ شہسوار کو حراست میں لے لیا گیا اور ایک شتر سوار لینڈون کی طرف روانہ کیا گیا اور اسے جلد از جلد پہنچنے کو کہا گیا۔

شام کو یہ بری خبر ملی کہ جیند ایک بڑے لشکر کے ساتھ قلعے کے نزدیک پہنچ چکا ہے اور حملے کی تیاری میں مصروف ہے۔ عیدو نے ایک بار پھر اپنے مکر وفریب اور دھونس اور دھمکی کے ہتھیار آزمانے کی اجازت طلب کی۔ یہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ جب تک لینڈون نہ پہنچ جائے مذاکرات کر کے وقت حاصل کیا جائے۔

عیدو جیند سے جا کر ملا' اسے موٹر کار کی ماورائی قوتوں کے بارے میں بتایا اور یہ کہ جنرل کی تمام فوج خواش میں ہے اور وہ موٹر کاروں پر آئی ہے۔ اس نے عیدو سے کہا کہ جنرل صاحب اس کی عہد شکنی پر شدید برافروختہ ہیں لہٰذا اس کے بچاؤ کی واحد صورت یہ ہے کہ وہ چل کر صاحب سے معافی مانگے اور خود کو ان کے رحم وکرم پر چھوڑ دے جیسا کہ عزت اور شہسوار نے کیا ہے۔ عیدو واپس آ گیا' لیکن وہ جیند کے ردِعمل کے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار تھا۔

جنرل ڈائر اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کے ساتھ رات بھر جاگتے اور پہرہ دیتے رہے۔ رات تھی کہ ختم ہونے کا نام نہ لیتی تھی۔ دیر رات گئے سرحد دار تنہا آ پہنچا اور اس نے بتایا کہ اس نے لینڈون کو تیز رفتاری سے بڑھنے کا کہا ہے اور وہ خود اکیلا اس مشکل وقت میں جنرل صاحب کا ساتھ دینے کو بھاگا چلا آیا۔ جب سرحد دار کی نظر شہسوار پر پڑی تو اس نے اسے خوب برا بھلا کہا اور جھوٹا' فریبی' مکار اور غدار قرار دیا۔

علی الصبح جب جیند کا لشکر متحرک ہوا تو دوسری طرف سے گرد وغبار کے بادل اُٹھے لینڈون توپوں سمیت آ پہنچا تھا..... اور اب جب کہ توپیں آ چکی تھیں تذبذب کے شکار اور قوتِ فیصلہ سے محروم جیند کے لیے کوئی امکان باقی نہ رہا تھا' چنانچہ جیند ملاقات کی اجازت لے کر حاضر ہو گیا اور کہا: ''میں نے سنا ہے صاحب سے کہا گیا ہے کہ جیند لڑنے کی نیت سے آیا ہے حالانکہ میں تو محض سو ساتھیوں کے ساتھ آپ کی قدر افزائی اور عہد وفاداری کی تجدید کے لیے آیا ہوں۔''

Scanned by CamScanner

پھر اس نے موٹر کار دیکھنے کی خواہش ظاہر کی جس کے بارے میں عیدو نے جھوٹ کے دریا بہا دیئے تھے۔ ایلن نے موٹر کار کو سٹارٹ کیا' دوڑایا اور ہارن بجائے۔ بغیر گھوڑوں اور اونٹوں کے چلنے والی اس گاڑی اور اسے چلانے والے ایلن اور جنرل صاحب کا یقیناً شیطان کے ساتھ کوئی تعلق ہے۔" جیئند نے اپنے ایک ساتھی سے کہا۔ جنرل صاحب نے جیئند اور شہسوار کو معاف کر دیا۔

دوسرے روز شہسوار کی بیگم اور سرحد کی خوبصورت ترین خاتون گل بی بی نے جنرل صاحب کو تحفے کے طور پر کچھ دنبے بھیجے اور کھانے کے لیے دعوت پر بلایا۔ عیدو کے اصرار پر جنرل صاحب نے دنبے اور دعوت دونوں قبول کر لیے۔ اسی دوران لینڈون نے بتایا کہ اس نے خواش آتے وقت شہسوار کے ایک آدمی کو جرمنوں کے نام شہسوار کا اظہار وفاداری کا خط لے جاتے پکڑا تھا۔ جنرل صاحب خاصے چراغ پا ہوئے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ جیئند کے لڑاکوں کو واپس جانے کے بعد شہسوار کا کورٹ مارشل کریں گے۔

اگلے روز جنرل صاحب لینڈون' سرحدار اور عیدو کے ہمراہ گل بی بی کے خیمے میں گئے اور وہ واقعی دنیا کی چند حسین ترین عورتوں میں سے تھی۔ اس نے خوبصورت سفید لباس پہن رکھا تھا جس پہ ایرانی کشیدہ کاری کی گئی تھی۔ وہ یونانی خدوخال رکھنے والی روشن چہرے اور ساحر آنکھوں والی لڑکی تھی۔ اس نے شیریں فارسی میں مہمانوں کو خوش آمدید کہا اور ان کا شکریہ ادا کیا۔ کھانے کے بعد اس نے ایک عمدہ ایرانی قالین جنرل کو تحفے میں دیا جو انہوں نے کچھ ہچکچاہٹ کے بعد قبول کر لیا۔

چند روز بعد خلیل خان بھی پہنچ گیا۔ اسے موجودہ صورتحال کی اطلاع مل چکی تھی اور وہ اپنا لشکر پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ ایک بار پھر دربار منعقد کیا گیا جس میں جیئند' خلیل' شہسوار اور محمد حسن نے حلفیہ کہا کہ وہ کسی بدنیتی سے نہیں آئے تھے' جنرل نے کہا کہ تمام سردار اپنے چند ساتھیوں سمیت کچھ عرصہ ان کے ہمرکاب رہیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ سرحد سے لیویز کی بھرتی کر رہے ہیں جس میں تمام سردار اپنے آدمی دیں گے جنہیں معقول تنخواہ دی جائے گی۔ خلیل خان نے واپسی کی اجازت مانگی تو جنرل ڈائر نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دھمکی آمیز لہجے میں کہا: "خلیل خان اگر آئندہ تم نے مجھے دھوکا دیا تو میں تمہارا سر اڑا دوں گا....." جیئند سے کہا گیا کہ وہ دو دن کے اندر اندر اس کا لوٹا ہوا سامان اور اونٹ واپس کرے۔ دو دن کے اندر سامان واپس مل گیا اور اس

Scanned by CamScanner

میں موٹر کار کے ٹائر اور ٹیوب بھی تھے۔

شہسوار کا کورٹ مارشل، رسد کی قلت، مراد خان کا بھوسہ، جنرل گھیرے میں.....جیئند کی گرفتاری

جنرل ڈائر نے خواش کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا۔ نصرت آباد سے کرنل کلیرج کی زیر کمان فوج کا ایک دستہ بمعہ دو عدد مشین گنوں کے آ پہنچا۔ غیر تربیت یافتہ سپاہیوں کی تربیت کا آغاز کیا گیا۔ قلعے کے اطراف خندق کھدوائی گئی..... سبزیاں اور جو کاشت کرائے گئے۔ مئی کے دن تھے گرمی کی شدت تھی۔ رسد لانے والے اونٹوں کے کارواں چارے اور پانی کی قلت کے سبب پہنچ نہ پاتے تھے۔ گھوڑے اور اونٹ لب مرگ پہنچ رہے تھے۔ ماہ جون کے اوائل میں جیئند خان کو طلب کیا گیا۔ جنرل نے اپنے جانوروں کی حالت زار بیان کر کے اسے کمال آباد میں پڑا ہوا وافر بھوسہ فروخت کرنے کو کہا۔ جیئند نے صاف انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ اسے مروجہ نرخوں سے چار گنا زیادہ کی پیشکش کی گئی جو اس نے ٹھکرا دی۔ جنرل صاحب جیئند کی اس ''احسان ناشناسی'' اور ''ناشکری'' پر برہم تو ہوئے لیکن کیونکہ انہوں نے جیئند کو بحفاظت واپسی کی زبان دی تھی لہٰذا اسے جانے دیا گیا۔

جیئند کی وادی کمال آباد سے پانچ میل کے فاصلے پر ایک اور زرخیز وادی کریم آباد تھی جس کا سردار مراد خان تھا جو جیئند کا حریف رہ چکا تھا۔ جنرل صاحب نے مراد خان کو بلایا اور اسے بھوسہ فروخت کرنے کی گزارش کی اور جیئند کے انکار کے بارے میں بھی بتا دیا۔ مراد خان نے فیاضانہ پیشکش کی کہ جنرل کو جتنا بھوسہ درکار ہے وہ بلا معاوضہ اٹھا لیں۔ لیکن جنرل نے اسے شکریے کے ساتھ مسترد کر دیا اور اسی نرخ کی پیشکش کی جو انہوں نے جیئند کو کی تھی۔ مراد خان نے کہا وہ بھوسہ تیار رکھے گا صاحب جلد اونٹ بھجوا کر اٹھوا لیں۔ مراد خان نے اس موقع پر جنرل کو جیئند اور خلیل کی سازشوں سے بھی آگاہ کیا۔

آگاہی تو جنرل صاحب کو شہسوار کی ''غدارانہ'' سرگرمیوں کی بھی تھی جس سے وہ اب تک چشم پوشی کرتے آئے تھے لیکن جیئند کے بھوسہ فروخت کرنے سے انکار کے بعد انہوں نے سرحد میں دہشت پھیلانے کی ٹھانی اور شہسوار کو طلب کر کے اسے ایک فوجی عدالت کے سامنے

Scanned by CamScanner

پیش کیا گیا۔ اس پر جرمنوں سے روابط رکھنے اور انہیں جنرل ڈائر کی فوج کے بارے میں اطلاعات بہم پہنچانے کا الزام عائد کیا۔ شہسوار نے حلفیہ ان الزامات کی صحت سے انکار کیا۔ چنانچہ ایک اہم گواہ کو پیش کیا گیا...... یہ ملا تھا...... وہ ملا جس نے شہسوار کے کہنے پر خط تحریر کیا تھا اور جو دو روز قبل اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہوئے خود حاکم وقت یعنی جنرل ڈائر کے پاس شہسوار کی غداری کی اطلاع دینے چلا آیا تھا۔

جب شہسوار کی نظر ملا پر پڑی تو اس نے کندھے اُچکائے اور ایک ہی لفظ کہا: ''قسمت''

عدالت نے شہسوار کا ''جرم ثابت'' ہونے پر اسے سزائے موت سنا دی۔ اسے وصیت لکھوانے کی مہلت دی گئی اور انہیں ملا صاحب سے کہا گیا کہ وہ وصیت قلم بند کریں۔

جنرل ڈائر لکھتے ہیں: ''میں نے شہسوار پر ایک درشت نگاہ ڈالی۔ اس کے چہرے پر پسینے کے قطرے جھلملا رہے تھے۔ بہت کم لوگ اچانک موت کی سزا سن کر شہسوار کی طرح اپنے جذبات پر قابو رکھ پاتے ہیں۔ اس نے اُف تک نہیں کیا۔ ماننا پڑے گا کہ اس نے ایک جرأت مند اور بہادر انسان ہونے کا ثبوت دیا۔''

ابھی ملا نے وصیت کی تحریر مکمل نہ کی تھی کہ گل بی بی اپنی حشر سامانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوئی اور اپنی ساحر آنکھوں میں آنسو لیے جنرل صاحب کے قدموں میں گر کر اپنے خاوند کی زندگی کی بھیک مانگنے لگی۔ ایسی حسین آنکھوں میں آنسو تو پتھروں کو موم کر دیتے ہیں۔ جنرل صاحب بھی دیگر پتھروں سے مختلف نہ تھے چنانچہ انہوں نے یہ کہہ کر شہسوار کی جان اس کی بیوی کو بخش دی: ''یہ آخری بار ہے کہ میں اس پہ رحم کر رہا ہوں اور صرف تمہاری ضمانت پر اسے چھوڑ رہا ہوں اور یہ آخری موقع ہے.....''

گل بی بی نے وعدہ کیا کہ ''شہسوار آئندہ صاحب لوگوں کے خلاف کوئی حرکت نہیں کرے گا اور اگر اس نے کوئی نامعقول حرکت کی تو وہ اپنے ہاتھوں سے اسے گولی مار دے گی۔''

اگلے روز مراد کا پیغام ملا کہ بھوسے کے چودہ ڈھیر تیار ہیں' اونٹ بھجوا دیے جائیں۔ جنرل نے کہا کہ وہ بھوسہ لینے اور مراد خان کا شکریہ ادا کرنے خود آئیں گے۔ اس روز لینڈن اپنی انٹیلی جنس ڈیوٹی پر واپس چلا گیا اور اس کی جگہ میجر سینڈوز آ گیا۔

جاسوس خبر لائے کہ جیند اس انتظار میں ہے کہ جنرل قلعے سے باہر نکلے اور وہ اسے اچک لے جائے' چنانچہ وہ فوج کا ایک بڑا دستہ اور توپیں ساتھ لے کر بھوسہ لینے روانہ ہوئے۔ وہ

ابھی زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ جاسوس اطلاع لے کر آئے کہ کریم آباد میں جمع کیا گیا تمام بھوسہ جلادیا گیا ہے جبکہ مراد کے پاس ثبوت موجود ہے کہ یہ کام جیند کا ہے۔ جب فوج برق رفتاری سے مارچ کرتی کریم آباد سے پانچ میل کے فاصلے پر پہنچی اور جیند نے توپیں دیکھیں تو اس نے ایک بار پھر وہی پرانی چال چلی کہ: ''صاحب میں آپ کے استقبال اور عزت افزائی کے لیے آیا ہوں' حاضر ہو سکتا ہوں.....''

جنرل نے جواب بھجوایا.....

''ضرور آؤ' فوراً آؤ اور اپنی ذمہ داری پر آؤ.....''

جیند آیا تو جنرل نے اس پر بھوسہ جلانے کا الزام عائد کیا۔ جیند نے قسمیں کھائیں لیکن جنرل نے کہا' اس کا فیصلہ کریم آباد چل کر کریں گے۔ تم میرے آگے آگے چل کر کریم آباد پہنچو۔ کریم آباد کے نواح میں پہنچ کر فوج اور توپوں کو ایک موزوں جگہ چھوڑا گیا اور جنرل ڈائر پلٹن کے ایک درجن سپاہیوں اور رسالے کے پندرہ سواروں کے ساتھ کریم آباد کے ویران قلعے کے قریب اترے اور ایک گھنے درخت کی چھاؤں میں بنے چبوترے پر جا بیٹھے۔ میجر سینڈوز اور سرحد داران کے دائیں بائیں بیٹھے۔ ان کے سوار گھوڑوں سے اتر کر درخت کے پیچھے کھڑے ہوئے جبکہ پلٹن کے پیادے دائیں طرف قطار باندھ کر کھڑے ہو گئے۔

مراد خان سے پوچھا گیا کہ بھوسہ کس نے جلایا۔ اس نے جیند کا نام لیا اور ثبوت کے طور پر پکڑے جانے والے ایک یار محمد زئی کو پیش کیا۔ اسی وقت کھیتوں میں چھپے سو سے زیادہ یار محمد زئی چھلاووں کی طرح برآمد ہوئے اور ایک دائرے کی صورت میں ان کے سامنے بیٹھ گئے اور اس وقت جنرل ڈائر کو توپیں اور فوج پیچھے چھوڑنے والی مہلک غلطی کا احساس ہوا۔ وہ بری طرح پھنس گئے تھے۔

رسالے کے سپاہی ہاتھوں میں نیزے لیے کھڑے تھے جبکہ ان کی رائفلیں گھوڑوں کے پہلوؤں سے لٹک رہی تھیں' لیکن جنرل نے جوا کھیلنے کا فیصلہ کیا اور اس شخص سے غصے میں پوچھا:

''تمہیں جرأت کیسے ہوئی کہ تم میرے بھوسے کو جلاؤ' تمہیں ایسا کرنے کو کس نے کہا؟''

اس سے پہلے کہ وہ شخص کچھ کہتا جیند کا ایک رشتہ دار نور محمد اچھل کر کھڑا ہوا اور بولا:

''یہ ملک اور جو کچھ اس میں ہے ہمارا ہے' ہم جو چیز چاہیں گے جلا دیں گے بھوسے سمیت.....''

Scanned by CamScanner

جنرل نے ڈانٹ کر اسے بیٹھنے کا حکم دیا۔ اس نے طنزیہ ہنستے ہوئے کہا:

''تم ایسا حکم مت دو جس کی تعمیل نہ کرا سکتے ہو۔''

جنرل نے ایک سپاہی کو اسے گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ سپاہی بمشکل اپنی جگہ سے ہلا تھا کہ جیئند کے آدمی اچھل کر کھڑے ہوئے اور رائفلیں تان لیں۔ جنرل نے اپنا آخری داؤ کھیلا۔ وہ پکارا:

''تمہیں جرأت کیسے ہوئی جانورو! فوراً بیٹھ جاؤ۔''

اور ساتھ ہی جیئند کو کھینچ کر اپنے قابو میں کر لیا اور ڈھال بنا لیا۔ اب قبائلی ہچکچائے۔ تبھی سینڈوز اور محافظ دستے ان پر پل پڑے اور بہت سوں کو پکڑ لیا۔ باقی سردار کے پکڑے جانے کی وجہ سے کوئی فیصلہ نہ کر سکے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ جو لوگ اس ہنگامے کے دوران بیٹھے رہے ان سے بھی رائفلیں لے لی گئیں۔

ساٹھ قبائلیوں کو پکڑ کر ان کی دستاروں کے ساتھ ان کی مشکیں کس کر لشکر کی طرف لے جایا گیا۔ جنرل نے ہاری ہوئی بازی جیت لی تھی۔ کریم آباد چھوڑنے سے پہلے مراد کو اس کے بھوسے کا معاوضہ ادا کر دیا گیا۔ جنرل نے جیئند سے کہا تم نے بدنیتی کی ہے اور سرکاری بھوسہ جلایا ہے' لہٰذا میں تمہارا بھوسہ بلا معاوضہ لے جاؤں گا۔ چنانچہ لشکر کمال آباد پہنچا جہاں جیئند نے بھوسہ اور گندم ریت کے ٹیلوں میں چھپا رکھے تھے' لیکن مقامی سپاہی انہیں تلاش کرنا خوب جانتے تھے اور یہ طریقہ ڈائر کے لیے بھی خوشگوار حیرت کا باعث تھا۔ سپاہیوں نے اپنی سنگین اور رائفل صاف کرنے والی سلاخیں ریت میں چبھو چبھو کر اناج اور بھوسہ ڈھونڈ نکالا۔

جنرل نے بذاتِ خود بھی اس تلاش میں حصہ لیا لیکن اس کے ہاتھ کچھ نہ لگا' لیکن اس کا لشکر بھوسے کے ساتھ ساتھ بڑی مقدار میں گندم بھی لوٹ کر لے گیا۔ خواش کی خواتین سے کہا گیا کہ وہ اپنی چکیاں لے کر قلعے کے باہر آ جائیں۔ انہیں پسائی کے لیے گندم دی گئی۔ خواتین نے گزارش کی کہ اس کا معاوضہ ان کے مردوں کو نہ دیا جائے کیونکہ وہ ان کے خون پسینے کی کمائی اپنی جیبوں میں ڈال لیتے ہیں۔

اسیرانِ فارس کی رہائی' یار محمد زئی بھاگ گئے' جیئند کو چھڑا لیا گیا

سرحد کے قبائل فارس کے علاقے میں دور دور تک دھاوے بولتے تھے اور مال و متاع لوٹنے کے علاوہ عورتوں اور بچوں کو بندی بنا کر لاتے تھے اور اب بھی یار محمد زئی اور گمشاد زئی قبائل

Scanned by CamScanner

کے پاس سینکڑوں عورتیں اور بچے غلاموں کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ جنرل نے قبائلیوں کی مخالفت کے باوجود ان کی رہائی کا حکم جاری کیا' البتہ ریکیوں کو جنھوں نے سرکار کی مدد کی تھی قیدیوں کا معاوضہ دیا گیا۔ فی عورت 300 روپے فی بچہ 25 روپے اور فی بچی 75 روپے۔ قیدی آنا شروع ہوئے جو انتہائی قابل رحم حالت میں تھے' ان سے ہر قسم کی مشقت لی جاتی تھی اور خوراک کے لیے وہ جنگلوں سے پودوں کی جڑیں کھود کر اور ٹڈیاں پکڑ کر پیٹ بھرتے تھے۔ ان لوگوں کو خواش میں جھگیاں دی گئیں۔ کپڑے اور خوراک فراہم کی گئی۔ جب ان لوگوں کی واپسی شروع ہوئی تو جنرل ڈائر کے ''شاعرانہ انصاف'' کے مطابق اس کی نگرانی عزت کو سونپی گئی جو ان میں سے اکثر کو خود بندی بنا کر لایا تھا۔ جنرل ڈائر نے عزت سے مخاطب ہو کر کہا:

''تم ان میں سے ایک ایک عورت کو اس کے گھر چھوڑ کر آؤ گے کیونکہ تم زیادہ بہتر جانتے ہو کہ تم انہیں کہاں سے لائے تھے اور تم ان سب کے گھروں سے رسیدیں لے کر آؤ گے اور اس دوران تمہارا خاندان میری تحویل میں رہے گا اور اگر ایک بھی رسید کم ہوئی تو اس کے بدلے میں تمہارے خاندان کو اس درخت کی شاخوں سے لٹکا دوں گا۔''

چنانچہ عزت نے ایسا ہی کیا اور ایک بھی رسید کم نہ تھی۔

اب اپنے قیدیوں کو 450 میل دور کوئٹہ بھجوانے کا مرحلہ درپیش تھا۔ کوئٹہ سے ہزارہ پائنیر کے 300 سپاہی قیدیوں کو لینے کے لیے سینڈک آ رہے تھے۔ جولائی کی ایک صبح قیدیوں کو رسالے کے تین دستوں' پلٹن کے پچھتر سپاہیوں اور دو مشین گنوں کے ساتھ روانہ کیا گیا۔ صرف 24 گھنٹے بعد رات دو بجے جنرل کو جگا کر اطلاع دی گئی کہ ایک برق رفتار گھڑسوار پیغام لایا ہے کہ جیئند اور اس کے بیٹے کے سوا تمام قیدی فرار ہو گئے ہیں۔

یہ ایک بہت بڑی ناکامی تھی' اس سے ایک تو بلوچوں کے حوصلے بڑھیں گے اور دوسرا یہ کہ خواش قلعہ میں قید کے دوران قیدی انگریزوں کی عسکری قوت سے اچھی طرح آگاہ ہو چکے ہوں گے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ حفاظتی دستے نے غروب آفتاب سے قبل پہاڑ کے دامن میں کیمپ لگایا جہاں خاردار تاروں کا ایک معمولی جنگلہ قیدیوں کے لیے لگایا گیا۔ جیئند اور اس کے بیٹے کے علاوہ تمام قیدیوں کو اس کے اندر رکھا گیا۔ رات کو اس احاطے سے مشکوک آوازیں سنائی دیں تو پہرے داروں نے تاریکی میں اندھا دھند گولیاں چلانا شروع کر دیں' پورا کیمپ جاگ اٹھا۔ چراغ روشن کیے گئے تو قیدیوں کا احاطہ خالی پایا گیا۔ قیدیوں نے اپنے کپڑے اتار کر انہیں

Scanned by CamScanner

تاروں پر ڈال دیا تھا اور پھر ان پر پورا وزن ڈال کر انہیں گرا دیا تھا اور کپڑے تاروں میں الجھے چھوڑ کر برہنہ فرار ہو گئے تھے۔ خطرے کے بگل بجے' تلاش شروع ہوئی لیکن ایک قیدی بھی ہاتھ نہ لگا۔

فوری طور پر نئی حکمت عملی تیار ہوئی۔ فیصلہ ہوا کہ خواش میں برائے نام دستہ چھوڑ دیا جائے۔ قیدیوں کے محافظ دستے کو جن کے پاس اب صرف دو قیدی ہیں فوری طور پر سینڈک کی طرف مارچ کرنا چاہیے اور انہیں مزید کمک بھی بھیجی جائے اور باقی فوج کمال آباد کی طرف بڑھے تاکہ خلیل خان' جو کمال آباد کی وادی کے آخری سرے پر واقع مقام گشت کی طرف بڑھ رہا ہے' اس کا راستہ روکا جائے۔

جب جنرل ڈائر کمال آباد پہنچے تو معلوم ہوا کہ خلیل خان مورپیش کے پہاڑوں کی طرف چلا گیا ہے۔ وہ لڑنے کا ارادہ تو رکھتا ہے لیکن اپنی پسند کے مقام پر۔ ایک قاصد یہ بری خبر لے کر کمال آباد پہنچا کہ جیئند اور اس کے بیٹے کو چھڑا لیا گیا ہے۔ گزشتہ شب بھاگ جانے والوں میں سے صرف انیس آدمی جورات بھر برہنہ تن بھاگ کر کمال آباد پہنچے تھے' تن ڈھانپ کر اور ہتھیار لے کر سردار کو چھڑانے آئے۔ انہوں نے اچانک حملہ کر کے سردار کو چھڑا لیا۔ دونوں انگریز افسر زخمی ہیں۔ کئی سپاہی مارے گئے۔ کئی رائفلیں اور گولہ بارود بھی چھاپہ مار چھین کر لے گئے ہیں اور اگر خوش قسمتی سے عین وقت پر وائرلیس والوں کا ایک ٹولہ جو پہاڑوں میں چھپ کر لشکر کے متوازی چل رہا تھا موقع پر نہ پہنچتا تو محافظ دستے میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچتا۔ چھاپہ ماروں نے اسے خواش سے آنے والے دستے کا ہراول سمجھا اور جیئند کو لے کر پسپا ہو گئے.....اب جیئند ایک بار پھر خواش کی طرف دوڑے گا.....اور یوں ایک اور ریس درپیش تھی۔

خواش کی دوسری ریس' شبخون' ہزارے پہنچ گئے

جیئند دستبردار خلیل خان سردار.....خلیل خان کی موت

برطانوی فوج ایک بار پھر جیئند سے پہلے خواش پہنچ گئی۔ ہزارہ پائینیرز کی طلبی کے لیے ایک شتر سوار بھیجا گیا۔ خواش کے شمال مشرق میں پہاڑوں پر جیئند اور شہسوار مورچے بنائے ہوئے تھے۔ ایک رات انہوں نے آرمی کیمپ اور قلعے پر حملہ کیا۔ جوابی گولیاں چلیں لیکن جنرل نے فائر بند کرا دیا اور جب حملہ آور نزدیک آئے تو ٹیلی فون کے ذریعے اونچے برج پر موجود مشین گن کو فائر

Scanned by CamScanner

کھولنے کا حکم دیا گیا اور ساتھ ہی رائفلوں سے فائرنگ کی گئی' دشمن پسپا ہو گیا اور اس کا خاصا جانی نقصان ہوا.....اگرچہ کوئی زخمی یا مقتول میدانِ کارزار میں نہ پایا گیا جنرل صاحب نے کہا کہ دشمن انہیں اٹھالے گئے ہوں گے۔

تین روز بعد اطلاع ملی کہ ہزارہ پائنیر ز اور کرنل کلیرج کا دستہ آج شام کسی وقت خواش پہنچ جائیں گے۔ جیمند کو بھی اس کمک کی اطلاع مل گئی اور وہ محاصرہ اٹھا کر مور پیش کی وادی کی دوسری طرف اپنی گرمائی قیام گاہ سری درگاں چلا گیا۔

اب وقت آ گیا تھا کہ ڈپلومیسی کے بجائے پوری جنگی طاقت استعمال کی جائے اور برطانیہ کے وقار کو بحال کیا جائے۔ جیمند کو پیغام بھیجا گیا کہ فوج اس کے مویشیوں کے گلے لوٹنے آ رہی ہے۔ قبائلی جنگوں میں فتح اور شکست کا پیمانہ یہی ہے کہ کس نے کس کے کتنے گلے لوٹے۔

ہزاروں کو تیز رفتار مارچ کے بعد تین روز آرام کے لیے دیئے گئے اور پھر فوج توپخانے سمیت سری درگان کی طرف روانہ ہوئی۔ تقریباً پچھتر میل طویل اس تنگ وادی میں داخلے کے صرف دو بڑے راستے ہیں۔ ایک شمال میں دشوار ترین دشت کیرو اور دوسرا جنوب میں گشت۔ عیدو نے جنرل صاحب سے کہا' اگر آپ دست کیرد سے داخل ہوئے تو جیمند اپنے گلے اور ریوڑ گشت کی طرف سے باہر بھیج دے گا اور اگر آپ گشت کی طرف جاتے ہیں تو وہاں خلیل خان گھاٹی کو مسدود کیے آپ کی گھات میں ہوگا۔ مور پیش کے پہاڑوں کے دامن میں ہموار سبز میدان میں کیمپ لگایا گیا اور یقیناً پہاڑ کی بلندیوں سے سینکڑوں نگاہیں اس طرف نگران تھیں۔

جنرل نے میجر براؤن کو رسالے کے ساتھ دست کیرد کی طرف بھیجا اور اسے کہا کہ وہ دستے کو پھیلا کر اپنی قوت کی نمائش کرتا ہوا جائے لیکن رات کی تاریکی پھیلتے ہی واپس آ جائے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا' رات پڑتے ہی انہوں نے الاؤ روشن کر دیئے' لیکن خود خاموشی کے ساتھ واپس آ گئے.....لیکن جیمند دام میں پھنس گیا۔ اس نے اپنے ریوڑ گشت کی طرف بھیج دیئے اور خود رات بھر دست کیرد کی طرف سفر کرتا رہا۔

اب صورتحال یہ تھی کہ جیمند دست کیرد کی طرف بھاگ رہا تھا اور اس کے گلے گشت کی طرف' جس طرف جنرل ڈائر تیزی کے ساتھ مارچ کر رہے تھے.....اور جب جیمند کو اس چال کا احساس ہوا تو وہ پوری دو منزلیں یعنی تیس میل پیچھے تھا۔ گشت کی گھاٹی کے باہر گشت نام کی بستی تھی جس کا سردار دوسولڑاکا جوان رکھتا تھا اور جیمند اور خلیل کسی کے تابع نہ تھا۔ جنرل نے سردار کی طرف

Scanned by CamScanner

قاصد بھیج دیئے اور تیز رفتار مارچ جاری رکھا۔ گشت کے سردار کو بتایا گیا کہ حالات جیمز کے خلاف جارہے ہیں' وہ بہت پیچھے رہ گیا ہے اور اگر سردار انگریزوں کا ساتھ دے تو اسے انعام سے نوازا جائے گا۔ جب وہ گشت کے قریب پہنچے تو گشتی سردار نے مسکرا کر ان کا استقبال کیا۔ اس نے کہا کہ میں ذرہ بھر آپ کی مخالفت نہیں کروں گا لیکن میں اپنے پرانے دوست خلیل خان کے خلاف نہیں لڑوں گا جو یہاں سے صرف دو منزل دور ہے۔

گشت میں کھجوروں کے جھنڈ تھے اور چشمے تھے' ایک چشمہ گنبد نما چٹان کی چوٹی سے پھوٹتا تھا۔ اس چٹان میں ایک جھری تھی جسے انصاف کی جھری کہا جاتا تھا۔ بے گناہ اس میں ہاتھ ڈال کر دوبارہ واپس نکال سکتا تھا جبکہ گنہگار ایسا کرنے پر قادر نہ ہوتا تھا۔

اس شام وہ درے کی گھاٹی میں داخل ہوئے اور تین میل اندر ایک کاریز کے قریب کیمپ لگایا۔ معلوم ہوا کہ جیمز بہت تیز چلا ہے اور وہ صرف پانچ میل کی دوری پر ہے۔ انہیں گمشاد زئیوں کے ریوڑوں کی اطلاع ملی جو یہاں سے نزدیک تھے۔ انہوں نے علی الصباح گمشاد زئیوں پر حملہ کر دیا لیکن سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ چھ گھنٹے بعد بھی فوج نصف میل سے زیادہ آگے نہ بڑھ سکی تھی' چنانچہ مزید پیش قدمی کا ارادہ ترک کر دیا گیا۔ اس دوران دشمن کے ایک دستے نے پانی کے ذخیرے پر قبضہ کر لیا اور حفاظتی مورچے پر بھی' لیکن ایک سنگین جھڑپ کے بعد چشمے کا قبضہ واپس لے لیا گیا۔ دشمن کافی فاصلے سے فائرنگ کر کے اپنا گولہ بارود ضائع کر رہا تھا' انہیں اُکسا کر ان کا گولہ بارود ضائع کرانے کی حکمت عملی اختیار کی گئی۔

دوسرے روز انہوں نے کچھ پسپائی اختیار کی اور واپس گشت کے دہانے پر آ کر کیمپ لگایا۔ اس سے قبائلیوں کے حوصلے بڑھے اور وہ کافی نزدیک آ گئے اور انہوں نے شور مچا کر کہا کہ اگر تم ہتھیار ڈال دو تو تمہاری جان بخشی کر دی جائے گی۔ تم پوری طرح ہمارے گھیرے میں ہو۔ اسی رات خلیل خان بھی امداد لے کر پہنچ گیا۔ اس نے قبائلیوں کو شرم دلائی کہ تم ڈائر کے آدمیوں سے تعداد میں زیادہ ہونے کے باوجود مار کھا رہے ہو۔ اور یہ کہ جیمز بوڑھا ہو چکا ہے اور حوصلہ ہار بیٹھا ہے اسے چاہیے کہ کسی جوان جنگجو کے حق میں دستبردار ہو جائے' چنانچہ عارضی طور پر خلیل خان کو کمان دار بنا دیا گیا۔

خلیل خان نے بمپور کے خان کو بھی پیغام بھیجا کہ مصیبت بننے والا انگریز جرنیل ہمارے گھیرے میں ہے' آؤ اور ہمارے ساتھ غنیم کو لوٹنے میں شامل ہو جاؤ۔ خلیل نے چند آدمیوں

Scanned by CamScanner

کوساتھ لیااور ایک درہ نما نالے پر قبضہ کرلیا جس کے اطراف پہاڑیوں پر ڈائر کے لشکر کی پلٹن تھیں اور سپاہی تاریکی میں دبے پاؤں وہاں پہنچے تھے۔ خلیل خان کے آدمی رات کی تاریکی میں نالے میں آگے بڑھ رہے تھے اور ہوسکتا ہے کہ وہ خاموشی سے کیمپ پر جا پڑتے لیکن اتفاقاً ان کے ایک آدمی سے بندوق چل گئی چنانچہ دونوں پہاڑیوں پر سے ان پر گولیاں برسنے لگیں۔ اب وہ نہ تو پیچھے ہٹ سکتے تھے اور نہ آگے بڑھ سکتے تھے۔ کیمپ کی طرف سے بھی ان پر فائرنگ ہونے لگی۔

صبح ہوگئی..... گیارہ بجے کے قریب بندوقیں خاموش ہوگئیں۔ خاصی تعداد میں قبائلی مارے گئے تھے' باقی بچ کر نکل گئے تھے۔ مرنے والوں میں نیا امیر لشکر خلیل خان خود بھی موجود تھا۔

مشہور ہوگیا یا کردیا گیا کہ جنرل نے خود خلیل خان کا سر اڑایا ہے اور یہ کہ جنرل ایک ولی اللہ ہے کیونکہ اس نے خواش کے دربار میں کہا تھا کہ اگر خلیل خان اس کے خلاف لڑا تو وہ اس کا سر اڑا دے گا۔ کچھ ہزارہ سپاہی جنرل صاحب سے خلیل کی لاش مانگنے آگئے۔ ان کا کہنا تھا کہ چند روز قبل کچھ یار محمد زئیوں نے ہزاروں کی لاشوں کی بے حرمتی کی تھی' لہٰذا وہ اپنا انتقام لینا چاہتے ہیں۔ جنرل ڈائر اسے ہزاروں اور بلوچوں کی روایتی شیعہ سنی دشمنی لکھتا ہے۔ جنرل نے ہزاروں سے کہا:

"خلیل خان ایک بڑا سردار اور بہادر شخص تھا' تم لوگوں کو اسے سپاہیانہ شان کے ساتھ دفن کرنا ہوگا' لہٰذا فوراً گشت چلے جاؤ اور اس کے لیے کفن خرید کر لاؤ اور گشت میں جتنے بھی ملا ہیں انہیں اپنے ساتھ لے آؤ۔ ہم خلیل خان کو اس کے بہادرانہ کارناموں اور اس کی حیثیت کے مطابق پورے فوجی اعزاز کے ساتھ دفن کریں گے۔"

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور اس عمل کے سرحد میں بہت اچھے اثرات مرتب ہوئے۔

دست کیرڈ ریوڑوں کی دستیابی گمشادزئیوں کا تعاقب.....

اگرچہ یہ ایک فیصلہ کن فتح تھی لیکن ابھی تک دشمن کے ریوڑوں اور گلوں پر قبضہ کرنا باقی تھا۔ عیدو کے ایک ریکی جاسوس نے دعویٰ کیا کہ وہ دو منزلوں میں جیئند کے ریوڑوں تک پہنچا دے گا اور ہر منزل پہ اچھی کیمپنگ کی جگہ اور چشمہ ہوگا۔ دوسرے روز صبح سویرے دست کیرڈ کی طرف مارچ شروع ہوا۔ شدید گرمی' غیر ہموار راستہ..... اور منزل پہ پانی کی امید چنانچہ سب نے اپنا پانی کا ذخیرہ جلد ختم کردیا' پیاس کی شدت حملہ آور ہوئی۔ آدمیوں سے زیادہ جانوروں پر لیکن پانی کہیں نہ ملا یہاں تک کہ شام ہوگئی۔ گائیڈ کو بلایا گیا جو تھر تھر کانپ رہا تھا' اس نے کہا: "صاحب یہاں

Scanned by CamScanner

ہمیشہ پانی ہوا کرتا تھا لیکن کل میں آپ کو ضرور پانی تک لے جاؤں گا۔“

”آج کی رات بچیں گے تو سحر دیکھیں گے.....“ اسے کہا گیا کہ اگر کل تم ناکام ہوئے تو تمہیں گولی ماردی جائے گی۔ دوسرے روز خستگی اور ماندگی کے عالم میں سفر شروع کیا گیا۔ چند ہی گھنٹے چلے ہوں گے کہ ہراول کا ایک سوار تھوڑے فاصلے پر موجود بھیڑ بکریوں کے ایک ریوڑ کی موجودگی کی خبر لایا اور ریوڑ ہے تو ظاہر ہے قریب کہیں پانی بھی ہوگا..... چنانچہ انسان جانور سبھی دوڑ کر پانی تک پہنچ گئے۔ اور وہاں بھیڑ بکریوں کے 34 ریوڑ تھے۔ اتنا ڈھیر سا چلتا پھرتا گوشت دیکھ کر ہزاروں کی تو پیاس کے باوجود رالیں ٹپک رہی تھیں۔

انہوں نے فوراً مطالبہ کیا کہ انہیں فی کس ایک دنبہ روزانہ ملنا چاہیے تا کہ وہ فخریہ کہہ سکیں کہ یار محمد زئیوں اور گمشادزئیوں پر فتح حاصل کرنے کے بعد ان کا راشن فی کس ایک دنبہ یومیہ مقرر ہوا۔ اگرچہ یہ نامعقول درخواست مسترد کر دی گئی لیکن انہیں کہا گیا کہ وہ جتنا گوشت کھا سکتے ہیں کھائیں، چنانچہ انہوں نے فی کس ایک دنبے سے زیادہ ذبح کیا۔

آگے گھاٹی تنگ ہوتی جارہی تھی چنانچہ ہزارے تمام پہاڑوں پر پکٹیں لگاتے تھے لیکن قبائلی اتنا نقصان اٹھا چکے تھے کہ ان کے قدم کہیں نہ رکے۔ دوسرے روز وہ دست کیر دکی وادی میں جینڈ کی گرمائی قیام گاہ پہنچے جہاں سبزہ تھا، درختوں کے جھنڈ تھے اور ایک چھوٹا چشمہ لیکن کوئی یار محمد زئی نظر نہ آتا تھا۔ اگلے روز خواش کی طرف فاتحانہ واپسی اختیار کی گئی۔

جنرل ڈائر کے خیال میں جب تک گمشادزئیوں کے گلے محفوظ تھے فتح نامکمل تھی، چنانچہ چند روز خواش میں آرام کرنے کے بعد گشت کی طرف مارچ شروع کیا گیا۔ پہلا کیمپ آب کاہوگان نامی ایک تنگ جھلسی ہوئی وادی میں کیا گیا جہاں سائے کی بھی کمی تھی۔

جنرل ڈائر ایک جھاڑی کے نیچے سو گئے۔ دوپہر کو ڈائر کی آنکھ کھلی تو دُور کسی پہاڑ پر بجلی کا شائبہ ہوا۔ فوراً اٹھ کر کیمپ کو بلندی پر منتقل کرنے کا حکم دیا اور وجہ بارش کا امکان بتائی۔ سپاہی بے چارے تھکے ماندے تھے، شدید گرمی تھی اور چلچلاتی دھوپ کیمپ اکھاڑنا اور پھر بلندی پر جا کر نصب کرنا خاصا تکلیف دہ کام تھا۔ انہوں نے کہا لیکن سر یہاں تو اگست میں بارشیں ہوتی ہی نہیں لیکن جنرل صاحب نے سختی کے ساتھ کہا کہ اس سے پہلے کہ طوفان وادی کو تہہ و بالا کر دے کیمپ اکھاڑو۔ چنانچہ بے دلی سے کیمپ اکھاڑے جانے لگے۔

لیکن میجر ہچی سن اور چاغی لیویز کے کچھ لوگوں نے اپنے کیمپ نہیں اکھاڑے اور چپکے

Scanned by CamScanner

سے پڑے رہے۔ اس دوران ہلکے بادل آئے اور چھٹ گئے اور پھر شام کے سائے وادی میں اترنے لگے۔ اچانک ایک زوردار گڑگڑاہٹ سنائی دی جس نے کچھ ہی دیر بعد پانی کے ایک طوفانی ریلے کی شکل اختیار کرلی جو درختوں جھاڑیوں اور پتھروں کو بہائے چلا جارہا تھا۔ چاغی لیویز والے جنہوں نے جنرل صاحب کے حکم کو نظرانداز کردیا تھا اپنے خیموں اور ساز وسامان سے محروم ہوگئے اور خود انہوں نے چٹانوں اور سوکھے درختوں سے چمٹ کر بمشکل اپنی جانیں بچائیں۔

دوسری صبح جنرل صاحب خیمے سے باہر آئے تو سینکڑوں ہزارے ان کے خیمے کے سامنے کھڑے تھے۔ انہوں نے کہا کہ وہ دن کا آغاز جنرل صاحب کی زیارت سے کرنا چاہتے ہیں کیونکہ وہ ایک ولی اللہ ہیں اور ان کی وجہ سے سپاہیوں کی جانیں بچیں۔ جنرل صاحب نے سنجیدگی سے جواب دیا کہ: ''میں واقعی ولی اللہ ہوں' کیا تم اس سے قبل میرے معجزات نہیں دیکھ چکے؟''

یہاں سے وہ لوگ گشت پہنچے انہیں کسی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ وہ سنوکان پہنچے جو گمشادزئیوں کی قیام گاہ جالک سے 11 میل پہلے تھا' یہاں انہیں گمشادزئیوں کی طرف سے گفت وشنید کا پیغام ملا جو قبول کرلیا گیا۔ مذاکرات شروع ہوئے۔ اگرچہ شرائط زیادہ سخت نہ تھیں لیکن سخت گیر سرداروں نے مذاکرات کو ناکام بنا دیا اور جنرل ڈائر جالک سے واپس سنوکان آگئے۔ سنوکان میں جنرل نے اپنا کیمپ الگ لگوایا اور جالک پر شبخون کی منصوبہ بندی کی۔ اس کا علم صرف چند انگریز افسروں کو تھا۔ نصف شب کو سپاہیوں کو جگایا گیا اور مارچ شروع کیا گیا۔ صبح صادق کے وقت جب جالک پر یلغار ہوئی تو گمشادزئی غفلت کے عالم میں تھے۔ وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ جانیں بچا کر بھاگ کھڑے ہوئے اور چند ہی منٹوں میں جالک فتح ہوگیا۔ اپنے دونوں چھوٹے قلعوں سمیت۔

وہاں صرف عورتیں اور بچے تھے' چیختے بچوں اور بلبلاتی عورتوں کو تسلی دی گئی کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے گا کیونکہ ہم انگریز ہیں جرمن نہیں' البتہ تمہارے مرد اگر ہتھے چڑھے تو انہیں ضرور مار دیا جائے گا۔ گمشادزئی جالک تو کیا سرحد کی حدود سے بھی نکل گئے اور دور دراز علاقوں میں جا کر پناہ لی۔ جمعہ خان اسماعیل زئی اپنے عہدوفاداری پر قائم رہا۔ یار محمد زئی جنگ میں شکست کھا چکے تھے جبکہ گمشادزئی علاقہ چھوڑ چکے تھے اور یوں لشکر جالک سے مترگشت کرتا خواش واپس پہنچا۔ خواش میں دونوں قبائل کے خطوط ملے جن میں درخواست کی گئی تھی کہ انہیں سرحد واپس آنے کی اجازت دی جائے وہ تمام شرائط قبول کرتے ہیں اور اب صرف پولیٹیکل افسروں کا کام باقی رہ گیا تھا۔ جنرل ڈائر سرحد کی شدید گرمیوں میں مسلسل آٹھ ماہ کی سختیاں برداشت کرنے

Scanned by CamScanner

کے بعد اپنے ڈاکٹر کے مشورہ کے مطابق آرام کے لیے شملہ چلے گئے۔

جنرل ڈائر کی مہم کا ایک جائزہ

بریگیڈیئر جنرل ڈائر 1916ء میں سرحد کے علاقے میں آئے۔ ان کے مقاصد ان کے اپنے الفاظ میں روس کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ کو روکنا' فارس کو جو بظاہر دوست تھا اور بباطن روس کا حامی' راہِ راست پر رکھنا' جرمن جاسوسوں اور ان کے ایجنٹوں کی ٹریفک کو بند کرنا' جو ان کے خیال میں بڑی تعداد میں ہندوستان میں داخل ہو کر مسلمانوں کو ایک اور غدر کے لیے اکسا رہے تھے۔ بغور جائزہ لیا جائے تو یہ پوری مہم ہی ہیولوں کا تعاقب تھا۔

جرمن مداخلت کا واحد ثبوت شہسوار کی طرف سے لکھے گئے مبینہ خطوط تھے جو پکڑے گئے اور اس کا واحد گواہ وہ ملا تھا جس نے شہادت دی کہ اس نے شہسوار کے کہنے پر یہ خط لکھے تھے اور وہ از خود گواہی دینے چلا آیا تھا۔ شہسوار کی نیک نیتی کا بڑا ثبوت یہ تھا کہ وہ جنرل کے بلانے پر بلا جھجک قلعے میں چلا آیا۔ نہ کسی نے کوئی جرمن دیکھے نہ ان کے مبینہ جہاز دیکھے گئے نہ پروپیگنڈے پر مبنی لٹریچر برآمد ہوا۔ روس کی طرف سے ان علاقوں میں اثر و نفوذ بڑھانے کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا گیا۔

ایران پر جرمنوں کی کارروائی سے اغماض برتنے اور روس کا ساتھ دینے کا الزام لگایا گیا لیکن ان الزامات سے بری الذمہ ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ایران کی حدود کے اندر برطانوی فوجیں قبائل کے خلاف کارروائی کر رہی تھیں۔ انہوں نے قلعہ بندیاں کی ہوئی تھیں۔ اپنا قانون نافذ کر رکھا تھا۔ فوجی عدالتیں بنا کر لوگوں کو سزائے موت تک دی جا رہی تھی۔ فارس کی طرف سے اسے روکنے کی کوشش تو کیا احتجاج کا بھی کوئی ذکر کہیں نہ آیا۔

روس تو اس وقت یوں بھی برطانیہ کا حریف نہیں رہا تھا۔ رہا افغانستان تو وہ اس پوزیشن میں کہاں تھا کہ برطانوی ہند میں مداخلت کرے اور برطانوی مفادات کے خلاف کسی مہم کا حصہ بنے۔ برطانوی جب چاہتے تھے افغانستان پر چڑھ دوڑتے تھے۔ جب چاہتے تھے حکمران بدل دیتے تھے یہاں تک کہ وہاں کے شاہی خاندان کے کئی افراد کو یرغمال بنا کر ہندوستان میں رکھا گیا تھا۔

جرمن ماؤزر رائفلوں کا تذکرہ ملتا ہے لیکن وہ ان دنوں فارس میں عام تھیں اور جنرل ڈائر نے بھی لکھا ہے کہ شاید تجارتی طور پر درآمد کی گئی ہوں۔

Scanned by CamScanner

اس تمام مہم سے جنرل ڈائر اور اس کی حکومت کو کیا حاصل ہوا؟ خلیل خان کا سر جیئند کا علاقہ، چارہ اور ریوڑ۔ جیئند جسے اس کے محض انیس ساتھی دو انگریز افسروں کے زیر کمان رسالے کے تین دستوں، پلٹن کے 75 سپاہیوں پر مشتمل فورس سے جو مشین گنوں سے لیس تھی چھڑا کر لے گئے اور وہ اسے دوبارہ کبھی نہ پکڑ سکے اور نہ ہی وہ شہسوار کو پکڑ سکے۔ گمشادزئی اور یار محمد زئیوں کی اکثریت سرحد ہی چھوڑ کر چلی گئی لیکن انہوں نے اطاعت قبول نہ کی۔ عیدو اور سرحد دار جیسے وطن فروشوں کے ساتھ مل کر مکروفریب اور دجل و دروغ کے جال پھیلا کر جو عارضی کامیابیاں انہوں نے حاصل کیں اسے بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔

ڈائر جیسے ایک ذمہ دار آفیسر اور ایک ''مہذب'' قوم کے اعلیٰ تعلیم یافتہ فرد نے جس طرح جھوٹ پر اپنی پالیسیوں کی بنیاد رکھی وہ اظہر من الشمس ہے۔ موٹر کار کو ایک مافوق الفطرت، جناتی اور شیطانی مشین بنا کر پیش کرنا، خود اپنے بارے میں ایک بزرگ اور ولی ہونے کے تاثر کو عام کرنا، اپنے پاس تیر بند ہونے کے تاثر کی حوصلہ افزائی کرنا، یار محمد زئیوں کی سات جانوں کے نقصان کو سات سو بلکہ سات ہزار بتانا۔

جنرل ڈائر نے سرحد کے سرداروں کو عہد شکن کہا حالانکہ عہد شکنی کا آغاز اس نے خود کیا۔ کچاؤ کے مقام پر اس نے بلوچ سرداروں کے ساتھ عہدو پیمان کر کے انہیں اپنے اپنے علاقوں کو لوٹ جانے کی اجازت دی اور خود شہسوار اور محمد حسن کے قلعے خواش پر چڑھ دوڑا۔ خواش جیسے مرکزی مقام پر قابض ہونا اس کے منصوبے کا حصہ تھا جس کا جواز پیدا کرنے کے لیے اس نے شہسوار اور جیئند پر بدعہدی کا الزام لگایا۔

آج جب سرزمین بلوچستان ایک نئی گریٹ گیم کا میدان بن گئی ہے، جہاں ڈائر بھی آ رہے ہیں، سرحد دار اور عیدو بھی موجود ہیں لیکن سرحد کے دونوں طرف کے بلوچستان میں کوئی خلیل، جیئند یا شہسوار نہیں اور کوئی نور محمد بھی نہیں جس نے بہانگ دہل جنرل ڈائر سے کہا تھا:

''یہ ملک اور جو کچھ اس میں ہے ہمارا ہے۔ بھوسہ ہو یا کچھ اور، ہم جو چیز چاہیں گے جلا دیں گے.....''

اگر کسی میں جیئند، خلیل اور نور محمد بننے کے امکانات ہیں تو وہ آج بھی اسی قدر سادہ ہے جتنا سو سال پہلے تھا۔

☆☆☆☆

Scanned by CamScanner

کتابیات

-1	سرزمین بلوچستان	اے ڈبلیو ہیوگز ترجمہ پروفیسر انور رومان	قلات پبلشرز کوئٹہ
-2	تاریخ بلوچستان	میر گل خان نصیر	قلات پبلشرز کوئٹہ
-3	تاریخ بلوچستان	رائے بہادر لالہ ہتو رام	سیلز اینڈ سروسز کوئٹہ
-4	بلوچستان گزیٹیرز	ترجمہ پروفیسر انور رومان	سیلز اینڈ سروسز کوئٹہ
-5	مری بلوچ جنگ مزاحمت	ترجمہ ڈاکٹر شاہ محمد مری	تخلیقات لاہور
-6	کوچ و بلوچ	لانگ ورتھ ڈیمس میر گل خان نصیر	سیلز اینڈ سروسز کوئٹہ
-7	بلوچستان کے سرحدی چھاپہ مار	ترجمہ میر گل خان نصیر	مسٹر پیرنٹس کوئٹہ
-8	بلوچ قوم قدیم عہد سے عصر حاضر تک	ڈاکٹر شاہ محمد مری	تخلیقات لاہور
-9	آئینہ خاران	اشیر عبدالقادر	سیلز اینڈ سروسز کوئٹہ
-10	بلوچ م ک پیکولن	ترجمہ ڈاکٹر شاہ محمد مری	تخلیقات لاہور
-11	تاریخ خوانین قلات	میر گل خان نصیر	نساء ٹریڈرز کوئٹہ
-12	کمپنی کی حکومت	باری علیگ	طیب پبلشرز لاہور
-13	موہن لال کاشمیری	ہری رام گپتا ترجمہ ابن امین	بیکن بکس ملتان

15- Forward policy and its results, Richare Isac Bruce, Gusha e Adab Quetta

16- Narrative of Journey to Kalat. Charles Masson, Indus publications Karachi

Scanned by CamScanner

17- Balochistan Gazatteers, Sang e Meel publications Lahore
18- History of Sir Charles Napier's conquest of scinde napier, Oxford
19- The making of a Frontier Durand, Oxford
20- Tournament of Shadows, Karl e Mayer
21- Afghanistan - A military history from Alexander the great to the fall of Taliban Tanner, Oxford
22- Travels in Baluchistan and Scinde pottinger, Oxford
23- Across the Border of Pathan and Baluch, Edward E Oliver, Sang e Meel.
24- Travels into Bukhara Alexander Burnes, Sang e Meel Lahore.
25- A personel Narrative of a visit to Ghazni, Kabul and Afghanistan, G.T.Vigne, Sang e Meel
26- Gazattees of Dera Ghazi Khan Distt, Sang e Meel Lahore.
27- Multan Nazir Ahmad Choudhri, Sang E Meel Lahore.
28- Raiders of Kahan, Charles Reynold Williams.
29- Conquest of Sind, Wlond Outram
30- Thirty five years in the East John Martin Honigbergar.
31- Moultan Siege, John Dunlop, Sang e Meel Lahore.
32- Rival Powers in Central Asia Joseph Popwsky.
33- Raiders of the Sarhad Brig. Gen. R.E.H. Dior
34- England and Russia in the East, Sir Henry Ribeses
35- Sir Robert Sandeman Thomas Henery Thornton
36- Afghanistan from Darius to Aman Ullah Sir George Macmun.
37- Historical Atlas of the world.

☆☆☆☆

Scanned by CamScanner

ڈاکٹر عباس برمانی

کیلاش کتھا (سفر نامہ کافرستان)

میرا سندھو سائیں: سکردو سے بھنبور تک دریائے...

ایورسٹ کے دیس میں

برف دریاؤں کا سفر (سیاحت نامہ)

احمقوں کی جنت (طنز و مزاح)

غالب کے زمانے کی دلّی

طلسماتی وادیاں: کوہ سلیمان اور بلوچستان کی حیرت...

Rs. 600-00

www.sang-e-meel.com
ISBN-10: 969-35-2186-2
ISBN-13: 978-969-35-2186-3
9789693521863
www.sang-e-meel.net

Scanned by CamScanner